تصنیف

مصورِ غم علامہ راشد الخیری طاب ثراہ

مصنفہ :۔ شام زندگی ۔ شب زندگی ۔ نوحہ زندگی ۔ الزہرا ۔ منازل السائرہ وغ

جسے

احمد مجتبیٰ برادرز

نے

بماہ شعبان المعظم ۱۳۵۳ھ ہجری النبوی مطابق نومبر ۱۹۳۴ء عیسوی

اٹھارویں مرتبہ

محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

اطلاع

صبح زندگی کا دائمی حق اشاعت خان بہادر
شیخ عبداللطیف صاحب جج ہائی کورٹ سابق
الہ آباد نے رسالہ نظام المشائخ کو ہبہ کر دیا ہے
اس لئے کوئی صاحب اسے یا اس کے کسی حصہ
کو بطور خود چھاپنے کا ارادہ نہ کریں
ورنہ اخلاقی و قانونی جرم کے مرتکب
ہوں گے۔ ہاں کتب فروش حضرات
اس سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو معقول کمیشن
پر اس کی جلدیں دفتر نظام المشائخ دہلی
سے خرید سکتے ہیں۔

خاکسار محمد الواحدی
مالک و اڈیٹر نظام المشائخ دہلی

تصنیفات مصور غم علامہ راشد الخیری

صبح زندگی
عہ ۸/
شام زندگی
عمہ/
شب زندگی حصہ اول
عمہ/
شب زندگی حصہ دوم
عمہ/
نوحہ زندگی
۱۲/
طوفان حیات
عمہ/
الزہرا
۱۲/
قطرات اشک
عہ ۸/
جوہر قدامت
عہ ۸/
یاسمین شام
عہ ۸/
آفتاب دمشق
عہ/
تیغ کمال
عہ/
سمرنا کا چاند
عہ/
منازل السائرہ حصہ اول
عہ/
منازل السائرہ حصہ دوم
عہ/
ماہ عجم
عہ/
عروس کربلا
عہ/
نوبت پنج روزہ
عہ

محبوبۂ خداوند
۱۲/
بنت الوقت
۸/
سراب مغرب
۸/
فسانۂ سعید
۱۰/
تائید غیبی
۸/
لڑکیوں کی انشا
۱۲/
سوکن کا جلاپا
۶/
[illegible]
۸/
اعمالنامے
۸/
سنجوگ
۱۰/
گوہر مقصود
۶/
در شہوار
۱۰/
شاہین و دراج
۸/
انگوٹھی کا راز
۸/
جوہر عصمت
عہ ۸/
روداد قفس
۱۲/
ولائتی ننھی
۶/
تفسیر عصمت

توبہ توبہ کس کام کی ایسی نیت۔ موئے چاروں کے نیچے بھی اچھے ہوں گے۔ دیکھو ٹُنڈ مُنڈ مسکا چھین کے ساتھ اس کی لڑکی سکھیا آتی ہے۔ بھرا ہوا چھپا ہوتا ہے کبھی آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھتی ہے۔ آج تو خیر میں نے تمکو چھوڑ دیا۔ اب اگر کسی چیز کو دیکھ کر ملکیں یا مانگی تو ایسا ماروں گی کہ تم کو مزہ ہی آجائیگا۔

دل کیا کرّا۔ زبان کی میٹھی۔ کام بنا ہوا تھا۔ پھوپھی کے منہ سے بات نکلنے کی دیر تھی سیدھی بھتیجی کے دل میں جا کر اُتری۔ وہی نسیمہ جو زردے پلاؤ چاولوں پر یہ کچھ بلکان ہوئی ہنوز چیز گھر میں آتی اور آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھتی۔

(۳)

تخم تاثیر صحبت کا اثر سعیدہ جیسی عورت۔ پھوپی کی پھوپی۔ ماں کی ماں۔ اُستانی کی اُستانی۔ معلمہ کی معلمہ جس کی رگ رگ میں خدا کی عظمت اور مذہب کی وقعت بھری ہوئی تھی۔ اس کی تربیت کا فیض جو کچھ نہ ہوتا تھوڑا۔ جاڑا پالا گرمی برسات۔ صبح و شام دن رات آندھی جائے۔ مینہ جائے۔ مگر اس کی نماز اور قرآن نہ جائے۔ اتنا وہ ہم سے زیادہ سمجھتی تھی کہ یہ چھ برس کی جان سمجھے گی تو کیا خاک مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی جانتی تھی اور خوب جانتی تھی کہ کچی لکڑی کے سیدھا کرنے کا یہی وقت ہے۔ ذرا غفلت کی تو سانپ نکل گیا۔ لکیر کو بیٹھی پیٹا کرو۔ پھر ٹھنڈے لوہے پیٹنے سے درست ہونے والے نہیں۔ منجھلی کا نمونہ موجود ہے۔ تیرہ چودہ برس کی اوٹھامیٹی کیسی نماز اور کہاں کا روزہ کدھر کا خدا اور کسکا قرآن۔ پہر سوا پہر دن چڑھے سو کر اٹھی منہ پر دو چار چھپکے مارتا رہ باسی جو ہاتھ لگا کھانے بیٹھ گئی۔ جھوٹی۔ مکار۔ لتری۔ مغرور۔ خانہ داری سے الگ شرم و حیا سے کوسوں دور۔ ذرا کوئی بات خلاف مزاج ہوئی اور آواز ہے کہ پرمحلے پہنچ رہی ہے۔ باپ کی لاپرواہی۔ ماں کو خیال ہی نہیں۔ بھلی چنگی لڑکی ہاتھ سے جاتی رہی۔ سعیدہ کے واسطے یہ اُفتاد خاصا اچھا سبق تھی۔ اس نے اپنی چھوٹی سی بچی کو اس ہڑے پر ڈال لیا کہ نماز سے فارغ ہوئی قرآن کھولا

اور وضو کر جانماز پر ساتھ لے بیٹھی۔ گرمی کے موسم میں ایک روز صبح کا سہانا وقت تھا۔ ٹھنڈی
ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ سنجیدہ نسیمہ کو پاس بٹھائے قرآن پڑھ رہی تھی۔ کوٹھے کی ممٹی پر
شاما نے بولنا شروع کیا۔ بچی کچھ دیر تو چپکی بیٹھی غور سے دیکھتی اور شوق سے سنتی رہی اور پھر کہنے لگی:

لے لو پھوپھی اماں۔ شاما بول رہی ہے

پھوپھی۔ تم جانتی ہو یہ کیا کہہ رہی ہے۔

نسیمہ۔ نہیں تو۔ کیسے مزے سے بول رہی ہے۔

پھوپھی۔ یہ صبح ہی اٹھ کر خدا کی تعریف کر رہی ہے اور دعا مانگ رہی ہے کہ سارا دن
خیر صلاح سے گزر جائے۔

پھوپھی۔ خدا بھی سن رہا ہے کہ یہ کیا کہہ رہی ہے۔ خدا تو آسمان پر ہے۔ ہاں ہاں پھوپھی
اماں دیکھو اس کا منہ بھی آسمان ہی کی طرف ہے۔ خدا ہی سب کو کھانا بھی دیتا ہے۔ اچھی
پھوپی اماں۔ مجھے بھی رات کو اسی نے آم دیئے تھے۔

پھوپھی۔ ہاں ساری دنیا کو وہی کھلاتا پلاتا ہے۔ امیر ہو چاہے غریب۔ آدمی ہو
چاہے جانور سب اس کے محتاج ہیں۔ رونگٹا رونگٹا اس کا شکر ادا کرے تو پورا
نہیں ہو سکتا۔ ماں سے زیادہ چاہنے والا باپ سے زیادہ پیار کرنیوالا۔ تکلیف کا سننے والا۔
دکھ درد میں کام آنیوالا۔ کھانا پانی۔ کپڑا لتا۔ گہنا پاتا۔ اوڑھنا بچھونا سب اسی کی برکتیں ہیں۔

نسیمہ۔ اچھی اچھی میری پھوپی اماں لاؤ میں بھی خدا کی تعریف کروں۔

پھوپی۔ تم کہاں تک اس کی تعریف کرو گی۔ اس کی محبت تو دیکھو۔ دیکھنے کو آنکھیں
دیں باتیں کرنے کو منہ دیا۔ کام کاج کو ہاتھ دیئے۔ چلنے پھرنے کو پاؤں دیئے کس کس چیز کا
شکر کرو گی۔ ہماری جیسی انہیں بہت سی ایسی ہیں جنکو گز بھر تھگلی بھی نصیب نہیں جو پڑ رہیں
ذرا سیر آباد سے آتی دفعہ دیکھا نہیں تھا بہت سے فقیر اور فقیرنیاں جامع مسجد کی
سیڑھیوں پر سکڑے سمٹے پڑے تھے۔ لحاف نہ رضائی پلنگ نہ چارپائی۔ رحیمن بیچاری کو دیکھو

آنکھوں سے اندھی ہو [illegible] سے لولی پاؤں سے [illegible] تو آخر ہماری جیسی آدمی ہی تندرست
ہی تو بہتیرا ہی کہا۔ رحیمن کمبخت کبھی تو خدا کو بھی یاد کر لیا کر۔ مگر اس چار دن کی زندگی پر ایسی
پھولی کہ کبھی بھولکر بھی اس کے آگے سر نہ جھکایا۔ اب دیکھ لو کسی کو رحم آگیا آدھی پاؤ روٹی دیدی
نہیں تو کڑاکے کے فاقے۔ جو بویا وہ کاٹے۔ جیسا کیا ویسا بھگتے۔ ہم سب مرد اور عورتیں اللہ کے
لونڈی غلام ہیں۔ ہمارا کام یہ ہی کہ ہر وقت اس کا شکریہ ادا کرتے رہیں۔ دلوں کے حال وہ
جانتا ہی۔ جو کہتے ہیں وہ سنتا ہی۔ جو کرتے ہیں وہ دیکھتا ہی۔ ذرا اپنے گملوں کو تو دیکھو کیسے
رنگ برنگ کے پھول کھل رہے ہیں۔ یہ سب اسی کی قدرت کا نمونہ ہی۔ چاند سورج دن رات
سب چیزیں ہمارے آرام کے واسطے بنائیں۔ دیکھو یہ پھول ہوا سے سر ہلا نہیں رہے اپنے خدا
کی درگاہ میں سر جھکا رہے ہیں۔ نسیّن بیوی صبح ہی اٹھکر گڑیوں کے سنوارنے کی توڑ جاتی
ہے۔ کبھی یہ بھی خیال آتا ہی کہ اپنے تئیں بنا سنوار کر خدا کے حضور میں حاضر کرو۔ بتاؤ تو سہی
دن میں کے دفعہ وضو کر کے نماز پڑھتی ہو۔ بڑی بی کو دو روپے مہینے اور کھانے پر ہم نے
گویا مول لے لیا۔ ذرا کام کو دیر ہو جاتی ہے تو کیسا غصہ آجاتا ہی۔ پرسوں تمہاری
ٹکیہ ذرا جل گئی تھی کتنی بگڑی ہو۔ مگر تم کو کبھی اپنے آقا۔ اپنے مالک کا دھیان آتا ہی

نسیمہ۔ تو پھوپی اماں آپ نمازیں اللہ ہی کی تعریف کرتی ہیں۔

پھوپھی۔ نماز تو ہم پر فرض ہی۔ جس طرح بڑی بی کھانا پکا کر اپنا فرض ادا کرتی ہیں
اسی طرح ہم نماز پڑھ کر فرض سے ادا ہوتے ہیں۔ خدا کی عنایتیں اور مہربانیاں تو اتنی زیادہ
ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتیں۔ زمین سے اناج اُگائے آسمان سے مینہہ برسائے۔
پینے کو پانی دیا۔ سانس لینے کو ہوا دی۔ جب تک چاہے زندہ رکھے۔ جب چاہے مار
ڈالے۔ دنیا میں ہمکو اس لئے بھیجا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں۔ جب ہم اس کے
پاس جائیں گے اور آمنا سامنا ہوگا اس وقت وہ ہم سے پوچھیگا کہ میرے احسانوں کے
بدلے میں تم نے مجھکو کتنا یاد کیا۔ میں نے تم کو روٹی دی ٹکیا دی۔ حلوا دیا۔

مگر جب میں بھوکا ہو کر تمہارے پاس آیا تو تم نے مجھ پر رحم نہ کھایا اور منہ پھیر لیا۔

نسیمہ۔ اے ہے پھوپھی اماں تو اللہ بھی بھوکا ہوا کرتا ہے۔

پھوپھی۔ ٹھہرو۔ پہلے سن لو۔ اور صاحب میں نے تم کو کانوں میں بالیاں دیں۔ ہاتھوں میں پہونچیاں دیں۔ پاؤں میں چوڑیاں دیں۔ تاروں کی اوڑھنیاں دیں گوٹے کے کرتے دئیے۔ جوڑیہ کا پاجامہ دیا اور بھئی میں نے تم سے مانگا تو تم نے ایک پیسہ بھی مجھکو نہ دیا بھوکا ہوا تو روٹی نہ دی پیاسا ہوا تو پانی نہ پلایا میں بھوکا پیاسا تھکا ہارا منہ تکتا رہا اور تم نے آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

نسیمہ۔ بس تو پھوپی اماں آج اللہ کو بلا دینا۔ میں اپنی روٹی کھلا دونگی۔

پھوپی۔ توبہ۔ توبہ۔ اللہ کچھ تھوڑی کھاتا ہے۔ اس کا تو نہ ہاتھ ہے نہ پاؤں۔ نہ منہ ہے نہ سر۔

نسیمہ۔ ہائیں واہ۔ اور ابھی کیا کہہ رہی تھیں۔

پھوپی۔ ہاں سچ تو کہہ رہی تھی۔ جب بھوکے پیاسے مصیبت مارے ہم سے آکر سوال کرتے ہیں تو ان کا دینا ایسا ہی ہے جیسے اللہ کو دیا۔ اللہ نے ہمکو حکم دیا ہے۔ تم اُن کو دو مجھکو پہنچ جائیگا۔ بن باپکے بچے کبھی کبھی وقت کے بھوکے بڑی آس لگا کر ہمارے پاس آتے ہیں۔ ان کو محبت سے کھلانیوالا چمکار کر پاس بٹھانے والا کون ہوتا ہے۔ اگر ان کو دیکھکر ہمارا دل کڑھے اور ہم اُن کی خدمت کریں تو اللہ ایسا ہی خوش ہوگا جیسا اس کو مل گیا۔ بیٹی بڑے نلگنے اور بیوقوف ہیں وہ لوگ جو دنیا میں آکر خدا سے غافل ہو جائیں۔ بھلا سوچو تو سہی جانور اپنے پیار کرنے والے کی یاد کریں اور ہم آدمی ہوکر بھولجائیں! اللہ تمہاری عمر میں برکت دے۔ ایمان سب سے بڑی نعمت ہے اور ایمان کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ہر وقت یاد رہے۔ جب اسکی درگاہ میں عاجزی سے حاضر ہو گی اور اس کو یاد کرو گی تو وہ سو مہربانوں کا مہربان ہے جو چاہو گی وہ پاؤ گی جو مانگو گی وہ لو گی۔ اچھا آؤ میرے ساتھ ملکر اس کی تعریف کرو۔

حمد جناب باری   رکھو زبان پہ جاری

باقی ہے بس وہی رب فانی ہے ماسوا سب
کافی ہے وہ اکیلا باقی ہے سب جھمیلا
وہ خالق جہاں ہے وہ رازق جہاں ہے
حاکم ہے بحر و بر کا مالک ہر خشک و تر کا
فرش زمیں اسی کا عرش بریں اسی کا
از ماہ تا بماہی ہے اس کی بادشاہی
شاہنشہ جہاں ہے معبود انس و جاں ہے
حاکم ہے دو جہاں کا مالک ہر این و آں کا
ہر جا ظہور اُس کا ہر شے میں نور اس کا
ہر چیز میں نہاں ہے ہر چیز میں عیاں ہے
سب سے قریب تر ہے سب سے عجیب تر ہے
خورشید میں نہ آئے پھر ذرہ میں سمائے
کھائے پیئے نہ سوئے بولے ہنسے نہ روئے
بے آنکھ سب کو دیکھے بے کان سب کی سن لے
بے ہاتھ پاؤں سب کام کرتا ہے وہ بہ آرام
ممکن نہیں کسی سے تعریف اس کی لکھے
توصیف اس خدا کی کیا لکھے مشت خاکی
مذکور جلوۂ ذات چھوٹا سا منہ بڑی بات

بس کر کہ تیرے بس کا
راشد نہیں یہ قصہ

پھوپھی نے بھتیجی کے سامنے باتوں سی باتوں میں خاصا چھوٹا سا وعظ کہہ دیا جیسی چھوٹی

سی سُننے والی ویسا ہی چھوٹا سا وعظ۔ چپکی بیٹھی بیٹھی مُنڑ مُنڑ پھوپھی کا منہ تکتی رہی۔
دعا کا وقت آیا تو ننھے ننھے ہاتھ اُٹھا کر خدا کی تعریف بیان کرنے لگی۔ اتفاق کی بات
ہے جب تک وعظ ہوتا رہا شاما بھی بیٹھی رہی۔ اِدھر دعا ختم ہوئی اُدھر شاما پھُر سے اُڑ یہ
جا وہ جا۔ سچ پوچھو تو سنجیدہ کی نہ یہ غرض تھی نہ یہ یقین کہ آج ہی دین کی ساری باتیں اُسے
گھول کر پلا دوں۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات بمضمون تھا سچا بات تھی اچھی۔ بچی کے دل پر جم
گئی منجھلی بہن کا یہ حال، اوّل تو وہ نو بجے کے بعد سو کر اُٹھے اور پھر چھوٹتے ہی ناشتے کا سوال
جب تک کلّا گرم نہ ہو کسی سے بات کرنی قسم۔ ذرا دیر ہوئی تو گھر بھر پر آفت۔ یہ توڑ وہ پھوڑ۔
اس کو مار اس کو دھاڑ۔ تن تازہ ہونے سے پہلے ٹھنڈے پیٹوں بات کرنی گناہ۔ کھا پی پیٹ
آیا وکیا اور گڑیوں میں جا داخل پھر قدری کر ڈالو کوئی مرے یا جیئے اس کو وہاں سے اُٹھنا حرام
کبھی کبھار بھولے بسرے اُٹھی بھی تو ایک کو گھرک دوسرے کو ڈانٹ بہن کو نوچ بھائی کو کھسوٹ
غرض جس طرف نکل گئی تراہ تراہ مچ گئی۔ آما شا کی پھوپھی نالاں۔ لونڈیاں حیران ماما ئیں پریشان
لڑکی کیا عذاب تھا۔ جدھر گئی آفت اور جس کے سر ہوئی جھاڑ کا کانٹا۔ خدا کا خوف نہ دنیا
کا ڈر۔ ماں کا لحاظ نہ باپ کا ڈر۔ ماکو رہی ماتا۔ باپ ہائے بے خبر۔ لڑکی ماشاء اللہ دن دونی رات
چوگنی۔ ذرا سی غفلت میں کا بیل، ورتل کا پہاڑ بن گئی۔ شروع میں علاج ہوتا تو آج یہ نوبت
کاہے کو آتی۔ مرض ہوا لاحق۔ دوا کی نہیں۔ ہر دہ کھلتا گیا۔ زبان بڑھتی گئی۔ جھوٹی لپاٹن
کٹر بے رحم۔ نکمی۔ کام چور گستاخ۔ بے ادب۔ بے شرم۔ بے حیا۔ غرض پانچوں عیب
شرعی موجود تھے۔ اسی پیٹ کی اولاد اور اسی باپ کی بیٹی نسیمہ تھی۔ کہ ایک وعظ نے
کندن بنا دیا۔ صبح منہ اندھیرے اُٹھی۔ لوٹا بھر وضو کیا اور پھوپھی کے ساتھ جا نماز پر ہو بیٹھی
اِدھر پھوپھی نے سلام پھیرا اُدھر اس نے گڑگڑا گڑگڑا کر دعا مانگنی شروع کی۔

(۴)

عید کے دن دوپہر کے قریب محلہ میں ایک موت ہوئی۔ رجب گھر کا قدیم سقہ بڑوں کے

زمانہ کا آدمی۔ ایک ٹانگ سے لنگڑا۔ بڈھا پھونس۔ آس پاس کے ٹھکانوں میں پانی بھر بھرا بال بچوں
کے پیٹ میں ٹکڑا ڈال دیتا۔ دو میاں بیوی ایک لڑکی سستا سماں۔ برکت کے دن لشتم پشتم
کسی طرح گذر کر لیتے۔ جاڑے کا موسم ضعیف آدمی چار بجے صبح اٹھکر پانی بھرتا۔ بخار اور بخار
کے ساتھ پسلی میں درد ہوا۔ تل تار ٹوم چہلا جو کچھ موجود تھا بیماری میں خرچ ہوا۔ مرا تو ایسا کہ
گور گڑھا اور کفن دفن تو در کنار ملتانی کے واسطے ادھی کی کوڑیاں بھی گھر میں تھیں۔ نسیمہ خدا
جانے کس کام کو کوٹھے پر جا نکلی۔ برابر کے گھر سے رونے کی آواز آئی۔ کھڑکی کھولکر دیکھتی ہے تو
سقنی ندر کر دیواروں سے ٹکریں مار رہی ہے۔ روبیکی ز خالہ سے کہنے لگی اب کس کس کے
آگے ہاتھ پھیلاؤں کہاں کہاں بھیک مانگوں۔ برس کا برس دن۔ تہوار کا روز اپنی اپنی جگہ پر
خوشیاں منا رہے ہیں۔ کون کس کی سنتا ہے۔ بڑے نواب صاحب کے ہاں گئی تھی۔ بیگم صاحب
تو میری جان کو آگئیں میں نے تو اپنی بپتا سنائی وہ لگیں خفا ہونے کہ لو میرے دل میں ہم آتا ہے
گھر کے مرد اللہ رکھے نماز کو سدھارے ہیں۔ تہوار کے دن میرے ہاں بیٹھ کے تو تو رو نہیں وہاں
سے اٹھ حکیم جی کے ہاں آئی۔ وہ پوری طرح ابھی سننے بھی نہ پائی تھیں۔ چھوٹتے ہی کہنے لگیں
واہ ری خدیجن واہ میرا بال بچوں کا گھر تو بے نہائے نہ ہوئے اندر گھس آئی یتیم خانہ میں
چلی جا وہاں سے گور گڑھا ہو جائیگا۔ اپنا سا منہ لیکر چلی آئی رستے میں کٹی مسجد ملا جی سے کہا
پہلے تو وہ سمجھے سویاں لائی ہے۔ جھوٹی جیبی کا بڑا سا پیالہ لیکر لپکے میں نے حال سنایا تو اسطرح
للکارا جیسے کوئی کتے کو دھتکارتا ہے۔ بچی کے کان میں چاندی کی بالیاں ہیں ان کو لیجاتی ہوں
مگر وہ بکیں ہی گی کتنے کی دو روپے کی تو جمعہ میں خریدی تھیں۔ اتنی دیر کا مردہ پڑا ہوا ہے
اور اس مسلمانوں کے محلہ میں کوئی اتنا نہیں کہ اول منزل کر دے۔ اتنا کہکر خدیجن کا جی بھر آیا
ہچکی بندھ گئی۔ بچی کو پاس بلاکر بالیاں اتارنے لگی۔ ننھے چھدے ہوئے کان پک کر
چھے گئے تھے پہلی ہی بالی نے کان لہو لہان کر دیا۔ نسیمہ کچھ دیر تک تو چپکی بیٹھی ٹھنڈے
سانس بھرتی رہی۔ دل تو خدیجن ہی کے بیان نے ہلا دیا تھا۔ لڑکی کے کان نے بالکل ہی بیقابو کر دیا۔

عیدی کے چہرہ پے رکھے تھے۔ آئی صندوقچی کھول پانچ روپے نکال اوڑھنی کے کونے میں باندھی اوپر چا چھپے پرسے لٹکا کر کہنے لگی "یہ گرہ کھول لو"، روپے دیکر آئی تو پھوپی نے کہا بیٹی کیا لے گئی تھیں

نسیمہ۔ جی کچھ نہیں ایک چیز لے گئی تھی۔

پھوپی۔ جب لے گئیں تو کچھ نہیں کیسا؟ اسی چیز کو تو پوچھتی ہوں کیا لے گئی تھیں۔

نسیمہ نے پہلے تو کچھ ٹال دیا۔ مگر جب پھوپی نے زیادہ اصرار کیا تو سارا حال ڈرتے ڈرتے بیان کر دیا۔ سنتے ہی سنجیدہ نے نسیمہ کو کلیجے سے لگا لیا اور کہنے لگی میں اپنی بچی کے قربان نسیمہ بیٹی تم نے ایسا اچھا کام کیا کہ میرا دل بہت ہی خوش ہوا۔ یہ کہکر کوٹھری میں گئی۔ تین اشرفیاں پانچ روپے لا کر دیئے اور کہا لو تم اپنی صندوقچی میں رکھو۔ بتاؤ یہ کتنے روپے ہوئے۔ ایک اشرفی کتنے کی ہوتی ہے۔

نسیمہ۔ پندرہ کی ہوتی ہے۔

پھوپی۔ تو پندرہ تیے کتنے ہوئے؟ پندرہ کا پہاڑہ پڑھ ہو۔

نسیمہ۔ پندرہ تیے پینتالیس۔

پھوپی۔ اور پانچ۔

نسیمہ۔ پچاس۔

پھوپی۔ بس تو پانچ کے بدلے اللہ نے تم کو پچاس دیئے۔ ایک کے بدلے دس ہو گئے یا نہیں۔

نسیمہ۔ جی ہاں پھوپی اماں دہ در دنیا ستر در عاقبت۔ عاقبت کے الگ ہیں۔

پھوپی۔ ہاں ہاں شاباش شاباش۔ اچھا ایک بات تو تم بتاؤ۔ تم نے یہ روپے خدیجہ کے خوش کرنے کے واسطے دیئے یا اللہ کو۔

نسیمہ پھوپھی اماں میں نے فقط اللہ کے واسطے دیئے ہیں۔

پھوپی۔ آؤ۔ پھوپی کے گلے سے لگ جاؤ اس سے زیادہ پاجی کوئی نہیں۔ جو دے کر

احسان جتائے تمکو بھی معلوم ہی کہ رجب نے تمہاری کتنی خدمت کی ہی اور اس کا تمہارے اوپر کیا
حق تھا۔ اس دکھ اور بیماری میں کہ ایک ٹانگ سے معذور تھا۔ لکڑی ٹیکتا کنوئیں پر جاتا اور
تمہارے لئے مشک بھر کر لاتا۔ خود تکلیف اٹھا کر تم کو آرام دیتا تھا۔ نگوڑا آجکل کا بھی تو نہیں
چالیس برس کا سقہ گرمی کے دنوں میں جب پانی مٹکے میں ادہن صراحی میں تیل ہوتا تھا
کوس بھر سے اندارے کی ٹھنڈی مشک بھر کر لاتا تھا۔ جاڑے کے جاڑے میں جب دانت
سے دانت بجتے تھے ٹھنڈا پانی کندھے پر ڈہو کر لانا آسان کام نہیں ہی۔

نسیمہ۔ مگر پھوپھی اماں اس کو مہینہ بھی تو اسی کا ملتا تھا۔

پھوپی۔ ضرور ملتا تھا اور اس کا کام بھی یہی تہا۔ مگر پھر بھی جس طرح یہ لوگ ہماری
خدمت کرتے ہیں۔ ہم کو لازم ہی کہ ان کے وقت پر ہم کام آئیں۔ ہمارے اوپر بھی تو ان
کا حق ہی اور خدا نہ کرے کہ کسی حق دار کا کوئی حق مارے۔ تم نے جو کچھ کیا تم کو کرنا یہی
چاہیئے تھا۔ سچی خیرات اسی کا نام ہی۔ یہ ہٹے کٹے موٹے تازے مسٹنڈے اور جھنگڑے جو
دن بھر بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور دہو کے دیکر آٹوں سے جھولیاں اور پیسوں سے جیبیں بھرتے
ہیں ان کا دینا حاصل دین نہ حاصل دنیا بلکہ الٹی انکو بھیک مانگنے کی عادت سکھانی ہی
خیرات کے قابل صرف وہ لوگ ہیں جو سچ مچ کمانے سے بالکل معذور ہیں اور خدا کا
حکم بھی یہی ہی کہ مستحقوں کو دو۔ اور الفتوں کو کھلانا اور حاجتمندوں کے حق مار کر
ان بدمعاشوں کو دینا سخت گناہ ہی۔ ہم کو اگر خدا نے دیا ہے تو اسی لئے دیا ہی کہ
بھوکوں کو کھلا کر کھائیں۔ نہ یہ کہ بھوکے بیچارے تو پیٹ سے پٹی باندہ کر پڑ رہیں۔
اور یہ فیلسوف صبح سے شام تک سیروں آٹا اکھٹا کرلیں کہیں ولی بنجائیں کہیں پیرانی جی
ہو جائیں کسی کو راگ کسی کو دہوکہ خدا ایسے دغا باز فقیروں اور فقیرنیوں سے سب کو بچائے
یہ خالہ رحمت ان ہی کی ماری ہوئی ہیں آجتک نہ بنیں۔ ایک ٹھگنی کے ڈہب پر چڑہ کر دینی بہن بنیں
خدا کتنی تو وہ۔ رسولؐ بھی تو وہ۔ اس کٹنی نے ہاتھ گلا سب اینٹھا۔ اور مہینہ ڈیڑہ مہینہ تھا رحمت

کروائی سوا الگ۔ میں ان مکاروں کے نام سے جلتی ہوں! اچھی خاصی۔ ہاتھ پیروں سے تندرست صبح ہوئی اور بھیک مانگنے نکل کھڑی ہوئیں۔ مفت کی روٹیوں کا مزہ پڑگیا نوکری کرے اُن کی جوتی اور کام کرے اُن کا صدقہ اُن کو دینا کنوئیں میں پھینکنا ہے۔ میں بہت خوش ہوئی کہ تم نے سچی خیرات کی۔ خدا تم کو ہمیشہ خوش رکھے۔ حق داروں کے حق اسی طرح سمجھنا اور کبھی اس بات کا خیال نہ کرنا کہ کس کے ساتھ سلوک کرو تو وہ احسان مانے۔ چلو ابا جان کو بھی سلام کرلو۔ عیدگاہ سے آگئے ہوں گے۔

(۵)

آگے آگے پھوپھی۔ پیچھے پیچھے بھتیجی۔ کھڑکی میں سے نکل پڑے گھر میں آئے۔ دیکھتی ہیں تو وہاں عجیب ہی تماشا ہو رہا ہے۔ منجھلی نے ایک کتیا کے گلے میں رسی کا ٹکڑا ڈال در سے باندھ رکھا ہے اور لکڑیوں پر لکڑیاں مار رہی ہے۔ کتیا غریب در سے بندھی ہوئی نہ کہیں بھاگ سکتی تھی نہ چھپ سکتی تھی۔ صبح سے جو مار پڑنی شروع ہوئی ہے تو دوپہر قریب آگئی۔ بانس کی موٹی کھپچی کے پرزے اُڑ گئے مگر مار دھاڑ ختم نہ ہوئی۔ مارتے مارتے تھک گئی تھوڑی دیر دم لے لیا۔ اٹھی اور پھر مارنا شروع کر دیا۔ بے زبان جانور نہ کچھ کرنے کے قابل نہ کہنے کے لائق ایک ایک کا منہ حسرت سے تک رہی تھی کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ ایسا رحم دل آجائے جو مجھے اس مصیبت سے بچالے۔ ماماؤں بیچاریوں کی تو ہستی ہی کیا تھی جو دم مار سکتیں۔ خود بدولت یعنی اماں جان کا یہ حال کہ ایک دفعہ منع بھی کیا تو جانور پر رحم کھا کر نہیں بلکہ اپنی تکلیف سے اکتا کر اور وہ بھی اس طرح۔

لے بی منجھلی بس چھوڑ دے۔ کیا موئی ہار دنی کتیا ہے۔ آواز ہے کہ کان کے پار ہوئی جاتی ہے۔

منجھلی۔ میں تو اس کی کھال اُڑا دونگی۔

پھوپھی۔ اور تم نے اس کو پکڑا کیونکر؟

منجھلی ۔ اور تم نے پہچانا بھی؟ ممانی جان: الٰہی کتیا ہے ۔ میں تو اس سے بہت جلی ہوئی ہوں
اس دن میں تو اُن سے ہنسی ہنسی میں چھاپے چھین رہی تھی آپ آئی پھیر وہاں سے بھونکتی ہوئی میرا تو
اسی دن سے اس کے فکر میں تھی ۔ بڑی مشکل سے ہاتھ آئی ہے کیا لپ لپ کر کے قلمی بڑا کھایا ہے چنچق
کتنا ہے یہ تو دیکھو! اتنا کہہ لڑکی نے پھر مارنا شروع کیا ۔

پھوپی ۔ بیٹی برس کے برس دن! اچھا ثواب کمایا یہ تو کوئی ایسا قصور نہیں ہے ۔ تم نے اُن
سے چھاپے چھینے ۔ وہ سمجھی یہ میری مالک سے لڑ رہی ہے اپنے آقا کا دشمن سمجھکر تم پر بھونکی ۔ گناہ کیا
کیا؟ تم زبردست ہو یہ کمزور ۔ تمہارے قبضہ میں ہے اور پھنسی ہوئی ۔ جتنا جی چاہے مار لو ۔ مگر
جس طرح آج تم اس پر حاوی ہو ۔ اسی طرح کوئی تمہارا اور اس کا دونوں کا مالک بھی ہے ۔ جو تم سے
بھی شہ زور ہے ۔ کمزور پر ترس نہیں آتا تو طاقتور سے تو خوف کرو ۔ جانوروں کا بنانے والا بھی
وہی ہے جو آدمیوں کا ۔ ان کو اس لئے نہیں بنایا کہ تمہارے ہاتھوں ایسی ایسی اذیتیں بھگتیں
کال دوپہر سے مار رہی ہو اور دل ٹھنڈا نہیں ہوتا ۔ تم کیا سمجھتی ہو کیا جانور بددعا نہیں دیتے
اس سچے دربار میں جو ایک زبردست بادشاہ کا ہے آدمی ہو یا جانور سب یکساں ہیں جس طرح
تمہاری سنتا ہے اسی طرح اُن کی سُنے گا ۔ شاباش ہے تمہاری طبیعت کو کس دل سے تم ایک بے زبان
جانور کو یہ کچھ تکلیف پہنچا رہی ہو ۔ تم نے تو سینکڑوں کھپچیاں ماریں اور بس نہیں ۔ اگر ایک کھپچی
میں تمہارے لگا دوں تو کے بیسی کے ساتھ ۔ جانوروں پر رحم کرنا انسانیت کی ایک صفت
ہے ۔ آدمی کو ستاؤ گی تو وہ ایک کے بدلے چار بول سنائیگا اور ہزار آدمیوں میں بات
پہنچائے گا ۔ کتیا بد نصیب تو اتنا بھی نہیں بتا سکتی کہ اتنی دیر کہاں رہی ۔ ہمارے رسول
مقبولؐ نے تو ایک دفعہ اپنے ہاتھ سے ایک کتے کو جو پیاس کے مارے ہانپ رہا تھا پانی
پلایا ۔ بلکہ ایک دفعہ کسی شخص نے چیونٹیوں کو جلا کر ان کے بلوں میں بھوبل ڈال دیا ۔ آپکو
خبر ہوئی تو بہت ناخوش ہوئے ۔ تم مسلمان ہو کر ایسی کٹر کہ جانور پر اتنا ظلم روا رکھا
اور ہنستی پھر رہی ہو ۔ سبکتگین بادشاہ کا حال تم نے تو کیا خاک سنا ہوگا بادشاہ

تو نہ پیچھے ہوا۔ پہلے تو بیچارہ نرا سپاہی تھا۔ ایک دن جنگل میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک ہرنی اپنے بچے کو ساتھ لئے چرتی پھر رہی ہے۔ بچہ کو دیکھکر سپاہی کا جی للچایا اور دل میں آیا کہ کسی طرح اس کو پکڑ لوں۔ بچہ بھاگ نہ سکتا تھا۔ ہاتھ آگیا۔ لیکر چلا تو پیچھے سے رونے کی سی آواز آئی۔ مڑ کر دیکھتا ہے تو ماتا کی ماری اپنے بچہ کے واسطے چیختی چلی آتی ہے۔ یہ کیفیت دیکھکر سبکتگین کا دل بھر آیا۔ فوراً بچہ کو چھوڑ دیا۔ ہرنی ہنسی خوشی اچھلتی کودتی اپنا بچہ لیکر جنگل کو چلی۔ تھوڑی دور چلتی تھی اور پھر پلٹ کر دیکھتی تھی گویا اس احسان کا شکریہ ادا کرتی تھی اور دعا دیتی تھی کہ جس طرح تونے میرا کلیجہ ٹھنڈا کیا تو بھی ہمیشہ خوش و خرم رہے۔ بات گئی گذری ہوئی۔ رات کو خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص کہہ رہا ہے۔ "سبکتگین تونے جو آج خدا کی مخلوق پر رحم کیا۔ اور ہرنی کا بچہ چھوڑ دیا۔ یہ خدا کی درگاہ میں پسند آیا۔ اس کے بدلے غزنی کی بادشاہت تجھکو عطا ہوئی۔ مگر دیکھ بادشاہ ہو کر اپنی ہستی کو نہ بھول جائیو۔"

تم نے تو ایسا برا کام کیا جس کا اب کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ آدمی ہوتا تو معاف کروا لیتیں۔ بے زبان جانور سے کیونکر معاف کراؤ گی۔ کیسی چپکی بیٹھی دم ہلا رہی ہے۔ کمبخت ڈر رہی ہے کہ دیکھیئے اب کتنی دیر میں لکڑیاں پڑنی شروع ہوتی ہیں۔ تم نے ایسے جانور پر ستم کیا جو آدمی سے بھی بہتر ہے۔ نمک حلال وفادار مر جائے مگر نمک حرامی نہ کرے۔ ایک دفعہ روٹی کا ٹکڑا دیدو عمر بھر احسان مانے۔ کتے کو تو خدا نے اس لئے بنایا ہے کہ آدمی اس سے عقل سیکھیں۔ عبادی دھوبن ایک دفعہ کا ذکر کرتی تھی۔ کپڑوں کی لادی رکھ بچے کے ہاتھ میں روٹی دے لکڑیاں چننے چلی گئی۔ درخت پر بیٹھا تھا۔ بندر روٹی دیکھ نیچے اتر آیا۔ چاہتا تھا کہ روٹی لے اچکے۔ کتے نے دیکھا اور لپک کر بندر کو جا دبوچا۔ بندر تھا جگادھری۔ روٹی اور بچہ سب چھوڑ کتے کو لپٹ گیا اور سارا لہولہان کر دیا۔ مگر کتے نے بھی ایسی گردن پکڑی کہ نہ چھوڑنی تھی اور نہ چھوڑی۔ اسی طرح زمین میں پٹخنیاں دے دے کر مار ڈالا۔ ایسے جانور سے جس کے دل میں اپنے آقا کا اتنا درد ہو سبق سیکھو۔ ایک یہ جانور ہیں کہ اپنے مالک پر اس طرح جان چھڑکتے ہیں

ایک ہم آدمی ہیں کہ کبھی بھولکر بھی اپنے آقا کا خیال نہیں آتا۔

سنجیدہ۔ بھائی اور بھاوج کی اولاد سے الگ تھلگ رہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ میاں اور بیوی بیٹے اور بیٹیاں ایک سرے سے آوا کا آوا ہی بدتمیز ہے کیوں اس سے زبان ملائی اور اپنا دل جلایا۔ یہی وجہ تھی کہ ابھی تھوڑی بہت عزت یا بزرگی شرم یا لحاظ اس کا قائم تھا۔ بھائی رشتہ میں چھوٹا عمر میں چھوٹا۔ بھاوج برابر کی سہیلی ساتھ کی کھیلی۔ چاہیئے کہ وہ ان سے بلا تکلف ملتی ہرگز نہیں۔ تیسرے چوتھے آٹھویں دسویں کھڑے کھڑے آئی بیٹھی اٹھی چلی گئی۔ میاں بیوی کے معاملہ میں وہ دخل نہ دیتی اولاد کے جھگڑے میں وہ نہ پڑتی اور اس لحاظ سے اس کی احتیاط نہایت درست اور بجا تھی کہ اپنی عزت اپنے ہاتھ ہے کیوں ایک کہی اور دو سنتیں۔ یہ کچھ تھوڑا سا اثر یا ادب واقعی یا برائے نام باقی ہے۔ چار دن میں ختم ہو جائیگا۔ آج بھی خدا جانے اس نے کیا جاتی زنیا دیکھی تھی کہ اتنا کچھ بولی اور اگر سچ پوچھو تو اس میں بھی اس کی مصلحت تھی کہ وہ ہی رہی ہیں تجھکو کہوں یہ ہوری تو کان ہنڑ منہہ منجھلی کی طرف ضرور تھا مگر کن انکھیوں سے نسیمہ کو دیکھتی جاتی تھی وہ خوب سمجھتی تھی کہ منجھلی کی اصلاح میں بیچاری تو کس گنتی میں ہوں میرے فرشتوں کے بس کی نہیں بڑا ہوا دل۔ کھلی ہوئی زبان پھٹا ہوا دیدہ۔ چھوٹے ہوئے ہاتھ یہ برسوں کے جمے ہوئے زنگ ایسے زنگ تھوڑی ہیں کہ بولے ہاتھوں صاف ہو جائیں۔

یہ امید کہ پھوپھی کی اس جھک جھک کا منجھلی پر کچھ اثر ہوتا۔ بالکل غلط۔ کیسا خوف خدا اور کس کی ندامت وہ تو یہ انتظار کر رہی تھی کہ پھوپی کی باتیں ختم ہوں اور میں جواب دوں۔ یہ اتفاق کی بات تھی کہ ماں تھوڑی دیر تک تو منہ کی ہاں میں ہاں ملاتی رہی مرنے کا ذکر سنتے ہی تھرا اٹھی۔ شامت جو آئی تو منہ سے اتنا نکل گیا۔

"آپا تم دیکھتی ہو میرا تو کچھ بس ہے نہیں۔ تہوار کا دن کوئی خیرات کر رہا ہے۔ کوئی خیر منا رہا ہے اس بیکبخت نے صبح سے یہ اودہم مچا رکھی ہے۔ میری تو اتنی مجال نہیں کہ دم مار سکوں۔

چپکی بیٹھی دیکھ رہی ہوں اور جل رہی ہوں"۔

پھوپھی کا تو خیر وہ سچ یا جھوٹ زیادہ یا کم کچھ نہ کچھ لحاظ کرتی یا نہ کرتی۔ گفتگو کے ختم کا انتظار اور جواب میں کچھ سوچ بچار کرنا ہی پڑتا۔ مگر ماں غریب تو ایک بات کہکر گنہگار ہو گئی بس گئی جھوٹ چھاڑ پنجے جھاڑ جو ماں کے پیچھے پڑی تو جان چھڑانی مشکل ہو گئی۔ زبان تھی کہ الاماں ایک منھ میں سیوں کوسنے اور ایک سانس میں سینکڑوں فضیحتیاں۔

"آئیں بڑی بیچاری وہاں سے۔ مارتے ہیں تو ہم۔ کتراہیں تو ہم۔ دوسرا حمایت لینے والا کون؟ اسی واسطے میں کسی سے بولتی نہیں چالتی نہیں پھر کوئی بیچ میں کیوں کہے۔ اس کتیا کے تو آج میں پرخچے اڑا دوں گی۔۔ دیکھوں تو سہی کون روکتا ہے۔"

اتنا کہتے ہی جو کتیا پر پلی تو مارے کپیوں کے بھرکس نکال دیا۔ انگنائی میں پھوپی بھتیجیاں چبوترے پر کتیا منجھلی۔ دالان میں ماں۔ باورچی خانہ میں ماما۔ سب دم بخود کھڑے تھے۔ ماں نے تو جیسا کہا ویسا پایا۔ مگر پھوپھی کو تو گویا سانپ سونگھ گیا۔ جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ کتیا اتنی پٹی کٹی مگر پھر بھی زندہ رہی۔ اتنے میں میرزاہد بھی آ گئے۔ بھائی کو آتا دیکھکر سنجیدہ بچی کا ہاتھ پکڑ اپنے ہاں چلدی۔ تہوار کا لحاظ۔ ماں باپ کی شرم اتنا اثر بیٹی پر ہوا کہ کتیا کو چھوڑ کمرے میں گھس گئی۔ مگر میرزاہد بہرے نہیں اندھے نہیں بیٹی کے ٹنکارنے کی آواز سات گھر پرے پہنچ رہی تھی۔ وہ باہر ہی سے سمجھ گیا تھا کہ کمس رندہ چمکتا ہی میرے ہاں عید چمک رہی ہے۔ خدا خیر کرے۔ خبر نہیں کیا آفت آئی۔ سنجیدہ اس وقت تو بھتیجی کا ہاتھ پکڑ ساتھ لے گئی مگر وہاں پہنچکر جو خیال آیا تو کہنے لگی۔

نسیمہ۔ جاؤ۔ باپ کو سلام کر آؤ۔ دیکھو ادب سے بیٹھنا۔ جو کچھ پوچھیں اس کا جواب دینا۔ خبردار جو خواہ مخواہ کسی معاملہ میں دخل دیا۔ نیچی نگاہ کر کے ایک طرف بیٹھ جانا۔

(۶)

پھوپی کا حکم پاتے ہی نسیمہ ماں کی طرف چلی تو پھوپی نے کہا یہاں تو آؤ۔ میم

فقط تم کو دیکھ رہی تھی کہ خود تم کو بھی خیال آتا ہے یا نہیں۔ اس طرح چھم چھم کرتے باپ کے آگے جانا۔ تم کو شرم نہیں آتی۔ اب تم ایسی نادان نہیں ہو جو اتنی موٹی بات بھی نہ سمجھ سکو۔ باپ کے سامنے اس جھنکار سے جانا شاباش بیٹی شاباش۔ وہ تو مرد ہیں اور میں عورت۔ یہ ایک لحاظ سے پھوپھی۔ ایک لحاظ سے ماں۔ مگر خدا کی قسم تمہارا یہ چھپنا مجھکو زہر معلوم ہوتا ہے۔

پھوپھی کی زبانی اتنا سنتے ہی نسیمہ پانی پانی ہوگئی۔ بہاگبن چوڑیاں اتار پلنگ پر ڈالیں اور باپ کے سلام کو چلی۔ سنجیدہ نسیمہ کے ایک ایک قدم کو نگاہ میں رکھتی تھی جب تک وہ کھڑکی کے پاس پہنچی غور سے دیکھتی رہی۔ آخر نہ رہا گیا اور پھوپھی نے وہیں سے کہا نوج ایسی بے ڈھنگی بیٹی ہو کہ کسی چیز کا ٹھیک شعور ہی نہیں۔ جہاں چاہا اتار پھینکی۔ تم تو پھینک پھانک الگ ہوئیں اور میں بیٹھی رکھوالی کروں۔ تہوار کا دن آنے جانے والوں کا تانتا لگا ہوا ہے۔ دھوبن بہشتن۔ ماما بھنگن بیسیوں آ رہی ہیں جا رہی ہیں۔ ذرا میری نگاہ چوکی اور کوئی بغل میں کیہ چلتا ہوا تو بیٹھی روتا۔ بیٹی ذات اور ایسی بدتمیز کہ کسی چیز کی پرواہ ہی نہیں۔ لو کنجیاں لو قفل میں رکھو۔

نسیمہ کوٹھری کھول چیزیں رکھنے چلی تو ایک ڈانٹ اور پڑی۔

کئی دفعہ بتا چکی ہوں کہ اوڑھنی کا پلو سیدھی طرح لگایا کرو۔ مگر جیسے کچھ وہی بیہودہ پنے سے۔ بیٹی الٹی طرف کا پلا زیادہ رکھتے ہیں۔ سیدھی طرف کا پلو لگا الٹی طرف کا کندھے پر ڈال لیا۔ مردوں کے سامنے تو ان باتوں کا خیال رکھا کرو۔ بے شرم باپ کے سامنے جا رہی ہو اور سارا بازو کھلا ہوا ہے۔ آج باپ بھائی سے لحاظ کرو گی تو کل دیور جیٹھ سے شرم آئیگی۔ جیسے سے نہ دیدہ ہوئی گیا تو وہاں کیا خاک ہوگا۔

اوڑھنی ٹھیک کر ماں کے ہاں پہنچی تو دونوں میاں بیوی مسرت سے منجھلی کی بے تمیزی پر افسوس کر رہے تھے۔ میرزا احمد بیوی پر الزام تھوپ رہے تھے اور بیوی میاں پر سارا چھپر رکھ رہی تھیں۔ اتنے میں نسیمہ گلابی ململ کی ریشمی اوڑھنی آگے ہٹا پیچھے چھپا کی

تو بیچ میں گوکھرو کی پٹیاں سبز ساٹن کا پاجامہ موریوں پر چنبیلی کے جال کا ٹھپا آگے
بانکڑی کی گلابی نشیمن کرتہ گھیر میں توئی ٹھپا کلیوں پر ایک تاری بیاک گلے میں چمپا کلی۔ ہاتھ
میں ٹھوس کڑے۔ لوک میں اک اک پتہ بالی۔ دبے پاؤں جھکی جھکائی سامنے آباپ کے سلام
کو جھکی سلام کر چکی تو الگ کھڑی ہوگئی۔ باپ کو دیکھا تو پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ پنکھا ہاتھ
میں لے پیٹھ کے پیچھے جھلنے لگی۔ باپ نے دعا دی۔ پانی مانگا تو نسیمہ نے قلعی دار کٹورہ لیجا کر پہلے
خوب دھویا۔ پھر صراحی میں سے پانی اُلٹ اوپر نیچے ہاتھ رکھ سامنے لا کھڑی ہوگئی۔ بیٹی کی
یہ تمیزداری دیکھکر باپ کا دل بہت ہی خوش ہوا۔ پانی پی چکا تو اپنے پاس بلا کر کہنے لگا۔ اوہو بیٹی
تمہارے کپڑے تو ماشاءاللہ خوب ہیں۔ عید تو اصل میں تمہاری ہی ہے۔ کہو عیدی کے کتنے روپے جمع کئے
نسیمہ۔ چھ روپے ہوئے تھے۔ جس میں سے پانچ اُٹھ گئے۔ اللہ نے مجھے پچاس اور دیئے
اب اکیاون ہیں۔

باپ۔ پچاس روپے تمکو کس نے دیئے۔

نسیمہ۔ پھوپی اماں نے۔ لیجئے وہ بھی آگئیں۔

پھوپی۔ پچاس کیا اگر پانسو ہوتے تو میں اپنی بچی پر قربان کر دیتی۔ رجب سقہ کا
مردہ بے کفن پڑا تھا۔ اپنی عیدی میں سے اس نے پانچ روپے دیئے میرا اتنا دل خوش ہوا
کہ بس میں ہی جانتی ہوں۔

دونوں ماں باپ یہ سنکر دعائیں دینے لگے۔ باپ نے اسی وقت دس۔ ماں نے پانچ روپے
نکالکر اور دیئے۔ پھوپی نے پوچھا ہاں لو اب۔ تو بتاؤ تمہارے پاس کل کتنے روپے ہوئے۔

نسیمہ۔ اکیاون تو پہلے ہیں دس ابا جان کے اکسٹھ پانچ اماجان کے چھیاسٹھ ہوئے

باپ۔ سو میں کتنے کم رہے۔

نسیمہ۔ چھیاسٹھ اور چار ستر۔ ستر اور تیس سو تیس یہ چار وہ چونتیس ہیں۔

باپ۔ تمہارے پاس سو روپے ہو جائیں تو بس تم ہم سے گڑیا کا بیاہ کر ڈالو۔

ماں۔ واہ اچھا دھوم سے کیا وہ تو ایسی سوم ہے کہ خدا کی پناہ۔ نگوڑی مٹھائی کی دو ڈلیوں کی بھی کچھ اصل ہے۔ آٹھ دن سکھا کر رکھیں اور پھر بھی خبر نہیں کھائیں یا نہیں۔ وہ ایک ایک پیسہ جوڑ کے روپے کرتی ہے۔

پھوپھی۔ واہ بوا واہ شوم کیوں ہونے لگی۔ کس کام کی وہ لڑکیاں کہ پیسہ ہاتھ میں آیا اور چل پیٹ میں ایسے کھانے سے خاک نہ کھالے خدا نہ کرے جو کواری بیٹی کو چٹک چاٹ لونڈوں کا مزہ پڑ جائے۔ موت نہ ہوت تو سب ہی کے ساتھ ہے۔ لپکا پڑ گیا تو پھر نہیں چھوٹتا۔ چوری کرو یا قرض لو۔ میکے میں میا کا دوپٹہ۔ سسرال میں میاں کی پگڑی بیچ باچ چٹ کر لو دور کیوں جاؤ پڑوس ہی میں دیکھ لو نہ۔ ادھر کا چھن پارہ آنے کو جھیک ہی ہے۔ ادھر کچوری والی ڈیڑھ روپے کو پیٹے ہی ہے کنجڑا الگ رو رہا ہے۔ حلوائی جدا سر ہو رہا ہے کس کام کی وہ بیٹی جس کی وجہ سے دروازے پر تقاضا آئے۔ ان کو کھلانے پلانے والے ہم کیا مر گئے تھے۔ بری۔ تازی۔ باسی۔ جو میسر ہو پہلے یہ پیچھے ہم۔ بیشک وہ تو کبھی ادھیلا تک نہیں اٹھاتی۔ میں خود ہی دو پیسہ روز کا سودا منگا دیتی ہوں۔ اس کے ہاتھ میں پہنچ جائیں تو وہ ان کو بھی صبح ہی میں ڈالے۔

ماں۔ بی آپا۔ تمہارا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔ مگر یہ بات تو بتاؤ ان گوٹے ٹھپوں پر تم تو ہمیشہ ناک بھوں چڑھاتی ہو۔ پھر بچی کو کیوں مصالحہ میں لاد دیا۔ اب یہ بوجھوں نہیں مر رہی۔

پھوپی۔ میں اب بھی وہی کہتی ہوں اور سچ کہتی ہوں۔ تمہارے سمجھنے میں فرق ہے سینکڑوں روپے مصالحہ میں اینڈا اتنا بیوی میری سمجھ میں تو آتا نہیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ دھوبی کے دھوئے ہوئے سفید کپڑے پہنو۔ مگر ہاں یہ ضرور کہتی ہوں کہ مصالحہ سے لپے ہوئے جوڑے صندوقوں میں سینت کر رکھنے خاصی دین نہ حاصل دنیا۔ تم ہی کہو تم کو کتنے جوڑے ملے۔ کتنے کام آئے اور کتنے کیڑوں کی نذر ہوئے۔ میرا ساڑھے چار سو کا

چوتھی کا جوڑا یوں ہی کھا رکھا غارت ہو گیا۔ اس ڈہائی ڈھوئی میں ادہر تو لگا ٹپکا۔ اُدہر صندوق تھا پرانا دراڑوں اور درزوں میں سے سارا پانی اندر پہنچا۔ دوپٹہ اور پاجامہ دونوں گلگلا آٹا ہو گئے۔ میں یہاں تھی نہیں۔ اماں جان کو اللہ بخشے خیال نہیں۔ ہا دہوپ دینے کی بھی نوبت نہ آئی ایک تو وہ اور اس کی لپیٹ میں سات اور سب اسی مینہہ کی بھینٹ چڑہے! مصالحہ ٹانکو میں منع نہیں کرتی مگر ضروری ضروری۔ یہ نہیں کہ گرمی میں ایک تو ڈہائی پاٹ کا دوپٹہ اوپر سے مصالحہ انیا روں۔ پورے ایک ٹاٹ کا بوجھ ہو جائے اور جو کہیں خدانخواستہ بیچنے کی نوبت ہوئی تو ٹکیوں کا مال کوڑیوں کے مول۔ یہ سترہ اور اکیس جوڑے تم ہی کو پسند ہوں گے۔ میں اس کو فرض نہیں سمجھتی کہ چاہے جان تک کی بک جائے مگر جوڑے پہلے ہی بنا ہوئے ہوں۔ تم ہنسو گی تو سہی مگر میں سچ کہتی ہوں یہ وضع وضع کی بیلیں اور طرح طرح کے کنارے تمہاری ان کناری بانکڑیوں سے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ خوبصورت کے خوبصورت صوفیانے کے صوفیانے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ کواریوں بیاہیوں میں بھی کچھ فرق ہو گا یا نہیں۔ وہ اپنی گھر والی گرہستنیں برتیں آزاد مختار رچنا چاہیں اوڑہیں جو چاہیں بنائیں۔ یہ بیچاریاں ماں کی محتاج باپ کی دست نگر جو ہاتھ اُٹھا کر دیدیا وہ لے لیا اُن کے دل رکھنے کا وقت تو یہی ہے۔ چار پانچ برس کی مہمان سمجھو۔ پھر خدا جانے تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ کوئی بھلے مانس مل گیا۔ عزت آبرو سے گذر گئی کسی بدذات سے پالا پڑا ہر وقت کی سوختنی۔

میکے میں بھی ان کی بات نہ پوچھی گئی تو سو بدنصیبوں کی بدنصیب تو یہی ہیں۔ تم سب مجھکو دلوانی کہو یا سڑن کہو میں تو کہوں ہا نکے پکارے کہوں کہیلے خزانے کہوں۔ کہوں اور پنچوں میں کہوں کہ تم سب نے ایمان خدا نے تو مرنے ہی کے بعد ان کا آدھا حصہ رکھا تھا تم نے جیتے جی ان کو لونڈیوں سے بدتر بنا دیا۔ سنا ہے کہ عرب میں جیتی لڑکیوں کو گاڑ دیتے تھے ملا نہ اچھا تھا یہ روز روز کے کچو کے اور ہر وقت کی آفت تو نہ تھی کہ مار کا سالن بیٹوں کو ڈہیر

ڈھیر قلیا بیٹیوں کو۔ روغنی روٹیاں بیٹوں کی تر بتر پراٹھے بیٹوں کے۔ بچا کھچا رکھا رکھایا ان بیچاریوں کے واسطے۔ کپڑوں کو دیکھو اپنی اپنی حیثیت کے بموجب اُجلے مہین نئے ثابت جو کچھ میں پہلے بیٹے نہ پہنے پھر یہ چھیلا۔ یہ ماں کے گھر کی بیٹی گوڈر لپیٹی۔ میں نے اپنی آنکھ سے بڑی ممانی جان کے ہاں دیکھا ہے اور آجتک یاد ہے کہ ایک دن برف والا بولا لڑکے نے سات اور چھوٹے نے چھ قلفیاں چٹ کیں اور تینوں لڑکیاں میٹھی منہ دیکھتی رہیں۔ جب دونوں اچھی طرح کھا چکے نیت اور پیٹ دونوں بھر گئے تو ممانی جان نے کہا ایک ایک قلفی ان تینوں کو بھی لا دے۔ خدا کی قسم میرا کلیجہ کٹ گیا جب بڑے نے آکر کہا "قلفیاں ہو چکیں" بوا یہ تو ساون کی چڑیاں ہیں پھاگ چگا کر اڑ گئیں جتنک ان کی تقدیر کا آب و دانہ ہے بیٹھی ہیں جب اٹھ گیا دوسرا گھر جا بسایا۔ پھر طرح طرح کی تکلیفیں اور مصیبتیں۔ ذرا تو انصاف کر دیہ تو جانوروں سے بھی بدتر نکلیں۔ یہاں بھی ان کی خاطر مدارات نہ ہوئی تو یہ بھی کیا یاد کریں گی کہ ہم دنیا میں پیدا ہوئے! ان کی تقدیر کا سکھ چین تو بس میکے ہی تک سمجھو۔ سسرال جا کر تو بڑی بڑی رئیس زادیوں کو دیکھ لیا۔ ایمان نہ نگلو۔ ایک دن خدا کو منہ دکھانا ہے۔ جیسے ان بیچاریوں کے من مارے ہیں اور ان کی مٹی پلید کی ہے خدا دشمن کی نہ کرے۔ کیسے ظلم کی بات ہے۔ جو سدا کے رہنے بسنے والے گھر کے مالک مختار اُن کی تو یہ عزت کہ آنکھ تک میلی نہ ہو۔ اور وہ بیچارے مسافر جو رستہ چلتے چلتے تھک کر رات کی رات دم لینے آ ٹھہریں۔ اُن کی بات بھی نہ پوچھو۔ لو بیٹیوں کے لئے تو میکا سرا سمجھو۔ چڑیا رین بسیرا ہے صبح ہونے کی دیر ہے۔ اِدھر نقارہ بجا اُدھر کوچ۔ پھر یہ کہاں اور تم کہاں؟ تم کو تمہارے بیٹے مبارک۔ تمہارا گھر نصیب۔ بیاہی بیٹی پڑوسن داخل! بیٹے تو جوتیاں ماریں گے اور لیں گے۔ لیں گے اور عمر بھر لیں گے۔ زندگی کی کمائی بیٹے۔ ہزار برس کی نیو بہو۔ گھر کا کوڑا بیٹی۔ جہاڑو دی نکال کھینکا۔ اللہ رکھے تم بھی اولاد والی ہو۔ خدا بچوں کی عمر میں برکت دے۔ ایمان سے کہنا جتنی رفاقت کی لو ان بے زبانوں سے آتی ہے۔ لڑکوں میں بھی پاتی ہو۔ پھر اس مجبوری اور بے بسی کو دیکھو جس کے سر چاہا چپیک دیا۔ جہاں جی چاہا

پٹخ دیا۔ بہر حال راضی ہر جگہ خوش۔ بی سعیدہ ہی کو دیکھ لو سینکڑوں کوس دور جا پڑیں کس
بل اتنا بوتا ہی کہ تین سو روپے خرچ کرے اور بلالے۔ بال بچوں کے جھگڑوں میں ایسی پھنسیں کہ
سب بھول بسر گئے آرام کے دن اور سکھ کا وقت تو بس یہی تھا جو میکے میں کٹ گیا۔ اماں
باوا کی صورت دیکھنے کو دل نہ تڑپتا ہوگا؟ بہن بھائیوں سے ملنے کو جی نہ چاہتا ہوگا؟ مگر
کس سے کہے اور کیا کہے؟ نہ آنے والی میں اتنی ہمت نہ بلانے والوں میں اتنی طاقت۔ ہم یوں
گئے وہ یوں گئیں۔ ہم یہاں تڑپیں وہ وہاں تلملائے۔ چلو چھٹی ہوئی۔

(۷)

بھاوج غریب نے تو آمد سخن ایک بات کہدی تھی اس کو کیا خبر کہ نند ایک داستان
شروع کر دیگی۔ کچھ دیر تک تو بیٹھی سنتی اور ہنستی رہی مگر پتہ کی باتیں تھیں۔ ایک چھوڑ تین تین بیٹیاں آگے
کچھ ایسا ممتا کا جوش ہوا کہ بے اختیار ہوگئی۔ نسیمہ سے چار آنکھیں ہونا تھا کہ آنکھ سے ٹپ
ٹپ آنسو گرنے لگے۔ دوڑ کر گلے لگا لیا اور لگی بلائیں لینے۔ میرزاہد بیچارے سیدھے سادھے
بھولے بھالے ادھر تو بہن کی لچھے دار تقریر۔ ادھر بیوی نے شروع کیا رونا۔ نرم دل تو تھا
ہی۔ دل بھر آیا۔ پہلونٹی کی بیٹی سعیدہ کالے کوسوں حیدرآباد بیٹھی تھی۔ کچھ اس کی جدائی کا
خیال۔ کچھ منجھلی کی شرارتوں کا ملال۔ دل ایسا بے قابو ہوا کہ ہچکی بندھ گئی۔ بھائی کو روتا دیکھ
بہن کو بھی تاب نہ رہی۔ ادھر بہن بھائی۔ ادھر ماں بیٹیاں چاروں دیر تک روتے رہے۔ مگر
صد آفریں اس کٹر منجھلی کو۔ یہ کچھ ہوا کہ مائیں تک پسیج گئیں مگر وہ ہی ٹس سے مس ہوئی۔ اس
پر طرہ یہ کہ ماما کی لڑکی کو دیا پیسہ کہ لونگ چڑے لادے۔ چھ برس کی جان عید کا دن کبابوں کا
دونا ہاتھ میں۔ ادھر ادھر دیکھتی بھالتی چلی آتی تھی نکڑ پر آئی تو اوپر سے چیل نے ایسا جھپٹا
دیا کہ کباب پنجہ میں اور دونا موری میں۔ ہاتھ میں خون نکلا سو الگ۔ غریب روتی بسورتی
گھر میں آئی۔ صاحبزادی بلند اقبال کے دربار میں تو کس کی مجال تھی کہ دم مارتا۔ لڑکی
دور سے لگی سوں سوں کرتی اپنے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔ پوچھا کباب لائی؟ جھپٹے کا نام

سنتے ہی ایک ایسا دھکا دیا کہ بچی لڑکتی پڑکتی انگنائی میں پہنچی۔ ادھر پنجوں کی کھرپنچ ادھر دھکے کی چوٹ۔ اوپر سے پڑا دھڑ بلبلا اٹھی۔

ماما تو امیر غریب سب ہی کی ہوتی ہے۔ بیٹی کی یہ کیفیت دیکھکر ماما سے صبر نہ ہوا گھبرا کر اٹھی اور بگڑ کر کہنے لگی۔ اے ہے منجھلی بیگم وہ تو ابھی کیڑا ہی ہے۔ چیلیں نامرادیں تو بڑے بڑے مردوں کے ہاتھوں سے چیزیں لے جاتی ہیں۔ ایک پیسہ کے واسطے آپنے بچی کو ملکان کر دیا۔ اس کا ہاتھ تو پہلے ہی لہولہان ہو رہا ہے۔ برس کے برس دن نگوڑا اتنا سارا جیتا جیتا خون نکل گیا۔

منجھلی۔ لہولہان کیا میں تو اس کو جان سے مار ڈالوں گی۔ میرا پیسہ مفت کا تھوڑا ہی ہے کہ کباب کہا دونا چاٹ جھوٹ موٹ ٹسوے بہانے چلی آئی۔ بڑی سوٹھیا صراف ہو تو میرا پیسہ دیدو۔

دن دہاڑے کا معاملہ۔ بیچ انگنائی کا ذکر ٹھیک دوپہر کی بات اماں اور بیٹی اتا اور ماما کون تھا جس نے یہ سیر نہ دیکھی اور غل نہ سنا مگر چور کی ماں گھٹنوں میں سر دئے اور روئے دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کا منہ دیکھکر چپ ہو گئے۔ کس کے سر پر اتنے بال تھے کہ الف سے بے کرتا۔ دیکھا اور منہ پھیر لیا۔ کسی نے ہنسکر کسی نے رو کر۔ ماما نے بٹوا کھول پیسہ نکال آگے ڈال دیا۔ اور لڑکی کا ہاتھ پکڑ باورچی خانہ میں چلی گئی۔

گرمی تو تڑاقے کی پڑ رہی تھی۔ میر صاحب عیدگاہ کی تھکان۔ رونے کی کوفت پلنگ پر لیٹے اور لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ باپ کو سوتا دیکھ نسیمہ پنکھا لے پاس بیٹھ گئی اور جھلنے لگی۔ آنکھ کھلی تو ظہر کا وقت تھا۔ اذان کی آواز آتے ہی سنجیدہ بھتیجی کو ساتھ لے اپنے ہاں آئی۔ دونوں نے وضو کیا نماز پڑھی۔ پڑھ چکی تو سنجیدہ نے کہا بیٹی نسیمہ تم میری باتوں پر بھول نہ جانا وہاں تو میں تمہارے ابا کے سامنے لڑکیوں کی حمایت لے رہی تھی لیکن سچ پوچھو

تو اچھی یا بُری جیسی بھی بیٹی ہو گی ماں باپ بھریں ہی گے۔ گائے کو سینگ دو بھر نہیں ہوتے مگر پیٹ سے منہ اُن لڑکیوں پر جو صریحاً جانتی ہیں کہ ماں باپوں کے پاس چند روز کی مہمان ہیں اور دم ناک میں کر دیں! ماں جیسی چیز کہ اگر دنیا چھان مارو اور زمانہ ڈھونڈھ ڈالو کہیں میسر نہیں۔ تمام سے بیزار ہو جائے کیسی محنت اور مصیبت سے پالا پوسا۔ پڑھایا لکھایا۔ اتنا بڑا بوجھ گھنٹہ آدھ گھنٹہ بھی تو نہیں مہینوں پیٹ میں کہاں گود میں کہا عیش آرام سب حرام کیا کھایا تو پرہیز سے پیا تو اعتیاط سے۔ دنیا میں نئوں اور انیاروں میوے اور ترکاریاں کہیں اور آئیں مگر بچی والی کے دل سے پوچھو لیا کھایا۔ آم وہ نہیں کھاتی برف وہ نہیں چکھتی کھیرے ککڑی۔ خربوزے تربوز اس کی طرف سے ہوئے نہ ہوئے دونوں یکساں لوگوں کے کہنے سننے سے ارادہ بھی کرتی ہے۔ پھر خیال آتا ہے "تقیل ہیں" قربان کئے خربوزے۔ چولھے میں گئے تربوز۔ خدا میری گود بھری رکھے۔ اس سے بڑی نعمت اور کیا ہو گی۔ پھر مزا یہ کہ نہ کسی کا ظلم ہے نہ زبردستی جو کچھ ہے وہ اپنی خوشی سے اور دلی محبت اور ممتا سے بستی کودتی کھیلتی کا ہنستا ہاتھوں میں ہے۔ بچہ برابر میں پڑا ہے بیتی جاتی ہے اور اس کو دیکھ دیکھکر نہال ہوتی جاتی ہے۔ نہ اپنی تکلیف کا خیال نہ اپنی مصیبت کی پروا برابر پنکھا جھلے جا رہی ہے جب پیس پاس کر فارغ ہوئی اور بچہ کو کلیجہ سے لگا کر دودھ پلایا اس وقت اس کا دل دیکھو۔ یہ بادشاہ سے بھی تو زیادہ ہے۔ اس کی گود میں ایسی نعمت ہے کہ سلطنت ہو تو اس پر سے قربان کر دے۔

یہ ممتا ہی کا جوش تھا کہ اس وقت بیچاری بلاقن نے تمہاری منجھلی آپا کے آگے پیسہ نکال پھینکدیا۔ لو سامنے اس چڑیا کو دیکھو تم کو معلوم ہو جائیگا ممتا کیا چیز ہے۔ موکھے میں بچہ بیٹھا ہے۔ ادھر اُدھر سے دانا دُنکا جو کچھ ہاتھ لگتا ہے۔ چگ چگا کر لاتی ہے اور اس کے پوٹے میں ڈالتی ہے۔ لے ہے نسیمہ ذرا دیکھ تو سہی۔ بچہ کسطرح ماں کے آگے بازو اور پر پھیلا کر چیں چیں کر رہا ہے۔ جانتا ہے کہ ممتا کی ماری کہیں نہ کہیں سے چرا چھپا اپنی جان جوکھوں

میں ڈال کچھ نہ کچھ ضرور لیکر آئی ہی۔ تم بڑی خوش نصیب ہو اور خدا تم کو سدا ایسا ہی خوش
نصیب رکھے۔ کہ تمہارے پاس یہ نعمت موجود ہے۔ ہمارے چاہنے والے جنہیں ہر طرح کا زور تھا
جنگل میں جا سوئے۔ جب تک زندہ رہیاں باہر رہتے تھے۔ اماں جان اللہ بخشے بیسیوں ختم
خیر صلاح سے لوٹنے کی تسبیح پڑھتی تھیں۔ اب جہاں چاہیں خاک اڑتے پھریں۔ کون پوچھنے
والا بیٹھا ہے۔ یوں تو جس کے ساتھ سلوک کرو وہی نرما بڑا اور رشتہ دار اپنے کو موجود مگر ایسا
دعا گو کہاں۔ سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے پاس ہو یا دور یہی آرزو اور یہی ارمان کہ
اقبال میں ترقی۔ عمر میں برکت۔ اگلے ہی برس کی تو بات ہے۔ تم کو کیا یاد نہ ہوگا جب شام
کو بکری چر کر آتی تھی۔ دن بھر کے چھوٹے ہوئے بچے کس طرح ماں کو لپٹتے تھے اور کیسی محبت
سے وہ ان کو چاٹتی تھی جس وقت وہ بھلرنا سے بچے اچھل اچھل کر دودھ پیتے تھے اس وقت
جیسا بکری کا دل باغ باغ ہوتا ہوگا اس کی قدر ماما ہی والے کر سکتے ہیں۔ جب غدر
پڑا ہے اور ہم سب بھاگ کر وزیرآباد گئے ہیں کیسی حویلی اور کس کے مکان۔ ایک ٹوٹے ہوئے
قبرستان میں رات کو بسیرا کیا۔ خدا وہ وقت دشمن کو نہ دکھائے۔ ست ہی سمت پر جان تھی
ان کھنڈروں میں جہاں رات بھر الو اور گیدڑ رلو لیتے تھے۔ ٹوٹے پھوٹے چبوترے اور
کچی پکی قبروں پر لمبے لمبے دوپٹے۔ کہاں انٹیں سرہانے رکھیں اور بھوکے پیاسے پڑ رہتے!
بوا سلمتی بھی ساتھ تھیں ان کی ایک بچی سلمہ یہ اسی کمبخت غدر کی بھینٹ چڑھتی گود
میں تھی۔ ڈیڑھ پونے دو برس کی ہوگی۔ جس مصیبت سے ان بیچاری نے رستہ طے
کیا ہے میں کیا بتاؤں۔ ڈھیلے پائنچوں کا پاجامہ چار پانچ کوس کی ریڑھ گود میں بچی
ایک ایک قدم بھاری تھا۔ ساری بیویاں لپک لپک کر آگے بڑھی جا رہی تھیں اور یہ بیچاری
کبھی پائنچے اٹھاتیں کبھی بچی کو سنبھالتیں۔ یوں تو ہم سولہ سترہ بیویاں تھیں مگر سب کی سب
کچھ ایسی گھبرائی اور سٹ پٹائی کہ جو تھا وہ مرنے سے بدتر کیسی سخت مصیبت کا
سامنا تھا۔ ادھر سے کالے ادھر سے گورے۔ پھر کان کے برابر سے گولیوں کا سن سن کرکے

نکلنا۔ جانوں کا خدا حافظ اور دونوں کا اللہ بیلی تھا۔ مامتا کا حال معلوم کرنے کا وقت تھا۔ گرمی کے دن دوپہر کا وقت دھوپ اس شدت کی کہ چیل انڈا چھوڑے بیلتی بدنصیب کی جوتی بھی اس بھاگڑ میں گر پڑی۔ لو کے وہ جھکڑ کہ الٰہی توبہ مامتا کی ماری بچی کو گلے سے لگائے چلی جا رہی تھی۔ آپ ننگی ہوئی۔ دوپٹہ اُتار چار تہ کیا اور لڑکی کو اُڑھایا کہ لو کے جھونکوں سے کچھ تو بچے۔ دونوں ہاتھوں سے چھپائے کلیجے سے لگائے چپکے چپکے پڑھ پڑھ کر پھونکتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں کہ "الٰہی میری ننھی کی خیر"، کس وقت اور آفت سے وہ کٹھن رستہ طے کیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ جھٹ پٹا وقت ہوگا جب ہم وہاں پہنچے قبروں کے ڈھیر اور خاک کے تودوں کے سوا کھانے پینے کو اللہ کا نام تھا۔ بچی ادھر تو پڑی چار پہر کی دھوپ کھائے پیاساں کا جلتا بھلستا دودھ۔ گرمی کے دن رات کا وقت ہوا بند۔ بچے یوں ہی پھول پان ہوتے ہیں۔ کوڑ وہیں کھاچ۔ مفلسی میں آٹا گیلا۔ لڑکی کو پیاس ہو گئی۔ اب پانی کے واسطے اس بچی کا بلبلانا۔ ایک چیخ آسمان اور ایک زمین۔ تم ابھی بچہ ہو کیا سمجھو گی۔ مگر مجھکو آج کی گھڑی تک یاد ہے کہ اس ڈیڑھ برس کی چینچلی کی مامتا نے ماں کی جان پر بنا رکھی تھی۔ چاروں طرف پریشان پھر رہی تھیں اور ایک ایک سے پوچھتی تھیں۔ کیوں بھئی یہاں کہیں پانی بھی مل جائے گا؟ بھلا وہاں پانی کہاں وہی بی بیلتی جو دن دہاڑے کوٹھری میں اکیلی جاتی ڈرتی تھیں۔ اندھیرا گھپ جنگل بیابان۔ جدھر منہ اُٹھا نکل کھڑی ہوئی۔ اس ننھی سی جان پر اپنی جوان جان قربان تھی۔ چور کا کھٹکا نہ سانپ کا ڈر۔ بچی کو کندھے سے لگا گاؤں کی طرف چل پڑیں کسی اللہ کے بندے نے رحم کھا کر پانی دیا۔ جب وہاں سے لوٹی ہیں گود میں بچی ایک ہاتھ میں مٹی کا لوٹا پانی بھرا ہوا ۔ بیٹھے بیٹھے کر یہاں پہنچیں۔ بچی اتنی دیر جو بلکی بالکل ملکان ہو گئی ادھر ملا پانی اُدھر سے ٹھنڈی ہوا اور سب سے بڑا ماں کا پکھوا۔ آنکھ لگ گئی ہم سب بھی پڑ کر سو گئے۔ مگر اس اللہ کی بندی کو پلک سے پلک جھپکانی حرام تھی۔ ٹانگیں تسل پا ئتھ

پاؤں تختہ۔ کمر پٹرا۔ ایک رنج بیٹھے بیٹھے گود بھی تھک گئی۔ بہیترا ہی کہا مگر اس کے دل نے گوارا نہ کیا کہ بچی بچھین ہو۔ وہ آفت اور مصیبت کچھ بھی یاد نہ رہی۔ بچی گود میں کیا تھی گویا خدائی کی نعمت تھی جھک جھک کر پیار کرتی تھی۔ اور بلبلا بلبلا کر دعائیں مانگتی تھی۔ رات بھر تو لڑکی خاصی اچھی طرح سوتی رہی صبح کو بھی اچھی تھی۔ دوپہر سے بگڑ گئی خدا جانے لو لگی پیاس ہوئی شام تک تو ہاتھوں میں تھی۔ مغرب کی نماز کا وقت تھا اور لڑکی ماں کی گود میں آنکھیں بند کئے پڑی تھی۔ ماں کی نگاہ بچی کے چہرے پر تھی۔ جب بے بسی کے عالم میں کراہتی تھی تو کلیجہ پر ممتا کی چھریاں چلتی تھیں۔ منہ پر منہ رکھدیتی تھی رو رو کر بھینچتی تھی۔ اور گڑ گڑا گڑ گڑا کر کہتی تھی۔

"میرے اللہ مجھ دکھیاری پر رحم کر۔ اے میرے اللہ میری بچی کو اچھا کر دے۔"

دعا مانگ کر سپٹ پر دم کر رہی تھی کہ لڑکی نے آنکھ کھولی۔ اس وقت کی حالت بیان کے قابل نہیں۔ کس محبت سے چمٹی اور رو کر کہا ہے۔

"اے سلمہ میں ماں نہیں لونڈی ہوں"۔ ابھی ماں کی التجا ختم نہ ہوئی تھی کہ لڑکی کو ایک ہچکی آئی اور ماں کی صورت کو تکتی ہوئی ہمیشہ کے واسطے گود خالی کر دی۔ اِدھر اُدھر کی عورتیں تو دن ہی میں گاؤں کو چلی گئی تھیں۔ بس ہم گنتی کے پانچ آدمی وہاں تھے۔ ہر چند سب نے سر ٹپکا مگر اس مصیبت زدہ نے بچی کو گود سے نہ اُتارا اور رات بھر مردے کو کلیجے سے لگائے رہی۔ میں نے جب صبح کی نماز کا سلام پھیرا ہے۔ دیکھتی کیا ہوں گم سم بیٹھی لڑکی کے منہ کو ٹکٹکی باندھے تک رہی ہے۔ میرا پاس جا کر بیٹھنا تھا کہ ایک چیخ ماری اور یہ کہکر بیہوش ہوگئی۔

ہائے آپا مُکھو اب میری بیگم کو جنگل میں سلا دو۔"

بہیں بیوی تب یہ ہے ماں کی ممتا۔ ماؤں ہی کا دل یا تا ہے جیسی جیسی مصیبت اُٹھانی پڑتی ہے۔ بچہ کا پنڈا پھیکا ہوا اور ماں کا خون خشک۔ بچہ تو پاؤں مارنے۔ ہمک کر گود میں

آ گیا اور خون چلوؤں بڑھ گیا۔ اپنے تئیں گیلا اُسے سوکھا آپ دکھ اُسے سکھ ذرا جی بے مزہ ہوا اور یاں پر بن گئی۔ دوائی ٹھنڈائی چھانی اور نبائی پیسی اور پلائی کیا کیا بتاؤں۔ ایسی خدمت گزار عورت جس کو ماں کہتے ہیں۔ اسی لائق ہے کہ جب بیٹیاں پل پلا کر بڑی ہو جائیں تو سامنے کھڑی ہو کر زبان چلائیں۔ زمین کا پیوند ہو جائیں۔ ایسی ناگنی اور کمینی بیٹیاں دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ آرام کہاں پاتا۔ خیر اللہ سب چیزیں میسر آ جاتی ہیں مگر نہیں ملتے تو ماں اور باپ آؤ تم کو ایک کہانی سناؤں۔

ایک دن لڑتی ہوئی دو عورتیں　　آئیں عادل شاہ کے دربار میں
ایک ننھے بچے پر تکرار تھی　　دونوں اس معصوم کی تھیں مدعی
شاہ نے ہر چند سمجھایا انہیں　　تاکہ جو قصہ ہو وہ سچ سچ کہیں
پھر بھی لیکن یہ کہا ہر ایک نے　　میرا بچہ ہے عنایت ہو مجھے
آخرش کچھ سوچ کر شہ نے کہا　　ہم ابھی آتے ہیں تم ٹھہرو ذرا
کہہ کے یہ تشریف اندر لے گئے　　اور اس بچہ کو بھی لیتے گئے
کوئی دس بارہ منٹ میں لوٹ کر　　آکے بیٹھے بادشاہ پھر تخت پر
ایک خادم کی بغل میں ساتھ تھا　　ایک صندوق آبنوسی خوشنما
شہ نے وہ صندوق رکھا روبرو　　اور یہ کی عورتوں سے گفتگو
اب بھی گر دونوں ہی نے دعوی کیا　　تو بڑا نقصان ہوگا دونوں کا
بند ہے وہ بچہ اس میں دیکھ لو　　کس کا ہے تم دونوں میں سے سچ کہو
جس کا ہے لے لے وہی ایمان سے　　ورنہ پھر کیا فائدہ نقصان سے
باوجود اس کے کہا ہر ایک نے　　میرا بچہ ہے مجھی کو دیجئے
زیر دربار ایک دریا بہتا تھا　　بادشاہ نے خادموں سے یہ کہا
پھینک دو دریا میں اس صندوق کو　　اور پھر ان دونوں کو بھی ڈال دو

پھینک کر صندوق شاہ کے حکم سے آئے خادم عورتوں کے واسطے

ایک تو بس جیتے جی ہی مر گئی ایک خود دریا میں فوراً جا پڑی

اور جا لپٹی اسی صندوق سے تا کہ اس کو ڈوبنے بہنے نہ دے

شاہ نے فوراً نکلوایا اُسے اور یہ تاکید کی خدام سے

لاؤ اس بچہ کو اندر سے ابھی • اصل میں اس بچہ کی ماں یہی ہے

شہ نے اس کا بچہ اس کو دیدیا اور اس میں یہ سنایا فیصلہ

مستحق بچہ کی ہے یہ نیک بخت دوسری کو دس برس کی قید سخت

دے کے بچہ ایک کو رخصت کیا دوسری کو قید میں ڈلوا دیا

تم نے دیکھا؟ کیسی کودی دوڑ کر مامتا کا ایسا ہوتا ہے اثر

جان کا اپنی نہیں بالکل خیال لیکن اس بچہ کا تھا از بس ملال

ماں کے رشتہ سے بڑا رشتہ نہیں ماں سے بڑھ کر چاہنے والا نہیں

جاگنا راتوں کو بچہ کے لئے اور پھرنا گود میں لے کر اُسے

بے مزہ ہو کچھ اگر بچہ کا جی پھر نہ پوچھو اس کے دل کی بیکلی

اور بچہ دودھ پیتا ہو اگر اور اس کے پیٹ میں ہو کچھ کسر

یا اگر ہو جائے بچہ کو زکام تو اسے دنیا کی سب چیزیں حرام

کھانے میں پینے میں دن میں رات میں جاگنے میں سونے میں ہر بات میں

الغرض ہر وقت ہی اسکو خیال یہ نہ ہو تکلیف پائے میرا لال

کس کو ہے ماں کی محبت میں کلام
بس میاں راشد کرو قصہ تمام

(۸)

دن آ رہے ہیں اور جا رہے ہیں۔ عمر دنگ ! تا نہ زمانہ کو قیام۔ روز روز صبح اور روز روز

شام۔ کل کی بات ہے۔ بی نسیمہ کے دودھ چھٹنے کی طیاریاں تھیں۔ آج ماشاء اللہ سات پھیر
کر انگتے ہیں۔ پڑھنے اور یاد رکھنے کا وقت اصل میں تو اب ہی تھا مگر سنجیدہ وہ سمجھدار اور
ہوشیار عورت جس کے پرچھاواں پڑنے سے آدمی تمیزدار ہو جائے۔ بھتیجی کے پڑھانے لکھانے
سے غافل نہ تھی۔ پانچ ہی برس کی کو اس نے ایسے رستہ پر لگا لیا کہ جو دیکھتا واہ واہ
کرتا۔ اس نے اپنی بنگالہ کی مینا کچھ ایسے ڈھنگ سے اٹھائی اور ایسے رنگ سے سدھائی
کہ خدا ساری دنیا کی بیٹیوں کو ایسی اُفتاد نصیب کرے پورے پانچ برس کی بھی نہ ہوئی تھی
کہ اس نے بسکٹ کی ننھی ننھی سی ٹکیاں بنا کر حرف لکھوائے۔ صبح ناشتہ کا وقت آیا اور
آٹھ دس ٹکیاں آگے ڈالکر کہا۔ حرف بتاتی جاؤ اور کھاتی جاؤ ایک مہینہ ہی بھر میں الف
سے لیکر ی تک سارے حرف ایسے ذہن نشین ہوئے کہ دس میں کیا ایک ہزار میں
چھپا دو تو جو حرف کہو الگ نکال لائے۔ حرف اچھی طرح پہچان چکی تو سنجیدہ نے
اپنے ہاتھ سے گڑیاں بنائیں ماتھے پر نام لکھے۔ جمنی کا نام خانم۔ گڈے کا احمد گڑیا
کا رحمت۔ کسی کا کلثوم کسی کا موسیٰ کسی کا مریم۔ کسی کا اسلم۔ گھر بنایا تو ایسا کہ اس
ننھی سی خانم منزل میں ضرورت کی تمام چیزیں۔ سرکنڈے کی تیلیوں کا پنکھا پٹا پٹی کے پردے
نواڑی پلنگ۔ بان کی چارپائیاں۔ مٹکا۔ گھڑونچی۔ لوٹا۔ صراحی۔ توا۔ پھکنی۔ کرچھا۔ کڑاہی
گرمی کا سامان الگ۔ جاڑوں کا اسباب جدا۔ ہر چیز پر نام لکھا۔ ڈھنگ سے رکھی۔ قرینے
سے لگی۔ غرض پڑھنے پڑھانے کا تو اس نے ابھی نام بھی نہ لیا اور کھیل ہی کھیل میں یہ کمال کیا کہ
چار حرف تک کے لفظ کیسے مشکل کیوں نہ ہوں مجال نہیں کہ اٹک جائے رات کو ساتھ
لے کر لیٹتی تاروں کا ذکر کرتے کرتے دوزخ جنت زمین۔ آسمان سب کے معنی بتا دیئے۔
دن کو پاس لیکر بیٹھی کھانا پینا ملنا جلنا ہر ایک کے متعلق تمام حالات سنا تی گئی۔ لڑکی
ذہین ایسی کہ جو بات ایک دفعہ سن لی ایسی تہ نشین ہوئی کہ پھر نہ بھولی۔ سات برس
کی نسیمہ تو اردو کی تیسری اور چوتھی ماشاء اللہ فر فر پڑھتی تھی۔ تصویروں کا شوق

بچوں کو قدرتی طور پر ہوتا ہی سنجیدہ یہ نئی ترکیب کرتی تھی۔ تھانوں پر سے چٹھیاں اُتاریں اور ہر چٹھی کے نیچے موٹی موٹی تین چار سطریں لکھدیں دو ایک باتیں منہ زبانی بتا کر ایسی چاٹ لگادی کہ جب تک سارا حال نہ پڑھ لیتی چین نہ پڑتا۔ تصویروں کا شوق نئی کتابوں کا ذوق۔ نسیمہ کو کتابوں کی ایسی لپٹی کہ سنجیدہ کا بھی جی اُکتا گیا۔ دن ہو یا رات صبح ہو یا شام جب دیکھو کتاب ہاتھ میں نگاہ حرف پر۔ ایک دن صبح کے وقت نسیمہ بیٹھی پھوپھی کو سبق سنا رہی تھی۔ اتفاق سے ماں بھی نکل آئی۔ دودھ پیتا بچہ گود میں تھا بیٹی کو پڑھتا دیکھ پاس آبیٹھی۔ نند نے پان بنا کر دیا۔ بیٹی نے پڑھنا شروع کیا۔ بادب بانصیب بے ادب بے نصیب۔ خوش نصیب ہیں وہ لڑکیاں جو بڑوں کا ادب کرتی ہیں اور رشتہ تک کی بوڑھیوں کا کہنا نہیں ٹالتیں۔ گھر بھر میں اُنکی دادا اور کنبہ بھر میں اُنکی تعریف ہوتی ہے۔ جو دیکھتا ہے وہ کہتا ہے کیسی سعادتمند بچی ہے کیسے ہی خفا ہو کتنی ہی نصیحتیاں کرو۔ جا بیجا کچھ ہی کہو مگر کیا مجال جو کسی بات کا بھی جواب دے۔ انا ہو یا ماما دادی ہو یا نانی۔ بزرگوں کا ادب عین شرافت کی نشانی ہے۔ حیف ہے اس لڑکی پر کسی بڑی بوڑھی نے کوئی بات کہی اور اس نے ٹکڑا توڑ کر جواب دیدیا۔ لڑکیو! اگر آج تم بزرگوں کا ادب کروگی تو کل تمہارے چھوٹے تمہارا ادب کریں گے۔ اگر اس وقت تم نے اپنی نالائقی اور ناسمجھاری سے ان کی بے توقیری کی تو یاد رکھو اس سے زیادہ تمہاری بے عزتی ہوگی۔ لے اس کتاب کی پڑھنے والی بچیو! بڑوں کی خدمت کرو ان کا ادب کرو۔ دعائیں لو مرادیں پاؤ۔ پھولوگی پھلوگی۔ خوش و خرم رہوگی۔ جب کسی بزرگ کے سامنے جانیکا اتفاق ہو یا وہ کسی ضرورت سے نکل آئے اس سے اوجھل ہو کر اپنی اوڑھنی سنبھالکر اوڑھو۔ بکل ٹھیک طرح سے لگاؤ۔ یہ نہیں کہ بازو کھلا۔ سر ننگا اوڑھنی کا جھمڑا کندھے پر۔ لڑکیوں کا سب سے بڑا جوہر شرم و حیا ہے۔ بعض لڑکیوں میں بدتمیزی سے پان کھانے کا سخت عیب ہوتا ہے۔ کپڑے ٹھیک کر لینے کے

بعد یہ دیکھو کہ پان کی سرخی باچھوں تک تو نہیں آ رہی۔ ہونٹ بیر بہوٹی ہو رہے ہیں تو کُلّی کرو منہ صاف کرو اور نہایت ادب سے آہستہ آہستہ چلکر سامنے آؤ۔ جھک کر سلام کرو اور سامنے سے ہٹ جاؤ۔ یہ بھی عیب کی بات ہے کہ بس تم پاس گھُس گئے۔ وہ بلائے تو پاس جاؤ سوال کرے تو جواب دو۔ بغیر بلائے سر پر سوار ہونا اور گھس کر بیٹھنا بڑی بیہودہ بات ہے۔ اگر کسی بات کے جواب دینے کی ضرورت ہو تو نیچی نگاہ کرکے ادب سے جواب دو۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر تڑاق پڑاق باتیں کرنی بھی عیب میں داخل ہیں۔ پاس بیٹھنے کا اتفاق ہو تو اتنی احتیاط ضرور کرنی چاہیئے کہ بولنے میں چھینٹیں منھ سے نہ اُڑیں۔ اگر کسی مجلس میں کوئی بزرگ کسی کام کو کہے تو اس کے حکم کی تعمیل شرافت کی عین دلیل ہے۔ اگر چند بیویاں بیٹھی کسی کا ذکر کر رہی ہیں تو سنی ان سنی کردو۔ خواہ مخواہ دخل دینا اور فضول باتیں کرنی سخت نالائق ہے۔ ایک بہت بڑا عیب لڑکیوں میں لترے پن کا دیکھا گیا ہے۔ اس کی بُرائی اس سے اور اس کی اس سے۔ خدا بھلے مانسوں کی بیٹیوں کو اس سے بچائے۔ پہلے پہل تو لوگ بہت عزت کرتے ہیں کہ یہ مخبر ہے۔ اِدھر اُدھر کا حال معلوم ہوگا۔ مگر تھوڑے ہی دنوں میں جہاں قلعی کھلی بس وہ جھوٹی عزت رخصت ہوئی۔ بلکہ اُلٹی ذلت حاصل ہوتی ہے۔ کھانا کھانے میں بہت سی باتوں کی احتیاط چاہیئے۔ خصوصاً آواز سے چپڑ چپڑ کرکے کھانا پرلے سرے کی بدتمیزی ہے۔ نوالہ اس طرح چبانا چاہیئے کہ برابر والے کو بھی آواز نہ آئے یہ نہیں کہ منہ میں نوالہ لینے کے واسطے زبان آدھ گز باہر آجائے جس برتن میں کوئی دوسرا شخص کھا رہا ہو اس میں بھی کھانا اچھا نہیں۔ لیکن اگر ضرورت مجبور کرے تو تمیز کے یہ معنی ہیں کہ اپنے آگے سے کھاؤ۔ نہ یہ کہ دوسرے کے آگے سے اُٹھا اُٹھا کر اپنا پیٹ بھر لیا۔ ایسے کھانے سے بہتر نہ کھانا۔ جو دوسرے نام رکھیں۔ مانگے تانگے پر فخر کرنا اکثر لڑکیوں میں دیکھا گیا ہے اور یہ ایسا بڑا عیب ہے کہ خدا کی پناہ دوسرے کی چیز پر غرور اور پرائی چیز پر ناز کرنا محض بیوقوفی ہے۔ اپنے پاس چیز

نصیب نہیں مگر دوسروں کی لیکر اترانا عام دستور ہو گیا ہے جو سخت بے شرمی اور بیحیائی کی بات ہے
اگر کسی کی کوئی چیز کھوئی گئی تو نقصان کا نقصان ہوا اعتبار کا اعتبار گیا شرمندگی ہوئی سو
الگ۔ دوسروں کے پلاؤ قورمے اور زردہ بریانی سے اپنی روکھی سوکھی دال دلیہ ہزار درجہ بہتر۔
جو کچھ خدا نے دیا اس پر قناعت اور جس حال میں رکھا اس پر صبر سب سے بڑی انسانیت اور سب
سے بڑی نعمت ہے۔ بنارس سے کوئی چودہ کوس پر ایک بستی ہے وہاں کے نواب صاحب کے
ہاں بیٹے کا بیاہ رچا۔ دور دور سے لوگ آنے شروع ہوئے۔ رئیس کے ہاں کی خوشی بیٹے
کا بیاہ۔ روپیہ۔ ارمان۔ دل۔ ساچق والے روز تو تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ صدر دالان
میں نواب کا کنبہ۔ اور بغلی کمروں میں بیگم صاحب کی میکہ والیاں اتری تھیں۔ نواب صاحب
کی منگی بھانجی تھی تو لڑکی۔ مگر لڑکی کیا آفت کا پرکالہ تھی۔ جب دیکھو کلا گرم۔ منہ میں گلوری
ٹھسی۔ کواری لڑکی کو یوں تک کا جل۔ آئینہ سامنے رکھا ادھر ادھر پھری اور شکل دیکھنے
بیٹھ گئی۔ چلنے کا وہ آکہ وہ آنت کہ جدھر نکل گئی قیامت غضب آنا غضب کہ ذرا سی دیر برابر
میں بیٹھنا مصیبت۔ چال ایسی۔ حال ایسا۔ سب بیویوں نے منہ جوڑنا شروع کیا۔ مگر وہ بیگمی خود ی
اسی طرح چاروں طرف اتراتی پھرتی تھی۔ دو ماماتیں ساتھ۔ ایک کے ہاتھ میں خاصدان۔ دوسری
کے پاندان۔ دم پہ دم پان اور گھڑی پہ گھڑی آئینہ۔ بدتمیزی کی یہ کیفیت کہ سفید انڈا سی
دیوار پیک کے دھبوں سے گلنار بنا دی۔ اجلی سفید۔ صاف شفاف چاندنی۔ پانی
جو گرا تو کیلی چوڑا۔ اس پر اوندھی کا جل کی ڈبیا۔ جگہ جگہ خاصے بڑے بڑے کالے
چکتے پڑ گئے۔ چاہیئے کہ لڑکی اپنی اس نادانی پر کچھ پشیمان ہوتی۔ لاحول ولا قوۃ۔ خیال
تو یہ تھا کہ دستور کے موافق ڈولی یا پالکی سے اتر پہلے سب سے مل ملالی ہو گی۔ مگر بی بی کی
صحنک کے وقت معلوم ہوا کہ کمبخت کو اتنی بھی توفیق نہ تھی کہ کسی بڑے کے واسطے
دو انگلیاں بھی ماتھے پر رکھتی۔ بیگم صاحب کے پاس گئی تو کس کا سلام اور کیسا ادب
دیدہ ہوائی۔ آنکھ میں صفائی۔ انگنائی ہی میں سے آواز لگائی ککوری سمانی

اچھی ہو؟ کھلکھلاتی چلی۔ جھومتی جھامتی آئی اور آلتی پالتی مار برابر میں آن بیٹھی۔ اسی عمر کی ایک اور لڑکی رشتہ میں بیگم صاحب کی دور پرے کی بھتیجی۔ گو غریب تھی مگر اچھا سلیقہ شعار۔ چاندی کی بالیاں ننگے ہاتھ خالی پاؤں ہوں تو ہوں مگر ایک جوہر شرافت اس کے پاس ایسا تھا کہ لاکھوں کا زیور قربان ہو جائے۔ ایک کونہ میں دبکی سکڑی گونڈے پر بیٹھی تھی۔ اس شیخی خوری مغرور لڑکی کو اتنی تاب کہاں کہ غریب لڑکی برابر میں بیٹھ جائے۔ پاؤں کا ایک ٹھوکا ایسا دیا کہ سکین سرک کر الگ ہو بیٹھی۔ اس پر بھی ٹھنڈک نہ پڑی تو کہنے لگی "لے ہے ممانی یہ کیا ست بجڑا کارخانہ کر رکھا ہے۔ پہلے ہم لوگوں کو کہلا دیا ہوتا۔ پھر ان بیچاریوں کو بٹھاتیں۔ دیکھو تو سہی اس لڑکی کے کپڑوں میں سے کیسی بو آرہی ہے۔ میرا تو جی بھی متلانے لگا۔ ماشاء اللہ عطر بھی نصیب نہیں تھا تو شادی میں آنے کی کیا ضرورت ماری جاتی تھی۔ اور پھر یہ بیحیائی کہ برابر گھسکر بیٹھنا" بیگم صاحب کو بھانجی کا یہ کہنا ناگوار تو بہت معلوم ہوا مگر سسرال کا معاملہ۔ سگی نند کی لڑکی۔ اپنے گھر کی مہمان کچھ سدپ ساپ دم بخود رہ گئیں۔ ہاں اور بیویوں کو یہ مکتوڑے بہت ہی زہر معلوم ہوئے مفلس غریب بے ماں کی بچی وہاں سے اُٹھ الگ کونہ میں جا بیٹھی۔ اس کی حسرت و بیکسی دیکھکر آخر ایک بڑی بی کو غصہ آگیا۔ کہنے لگیں۔ لڑکی ذرا اپنی ہستی کو دیکھکر بات کر۔ تو نے تو موئے کافروں کو بھی مات کیا۔ امیری اور گہنا کسی کی ذات نہیں ہے۔ جس جگہ سے تو نے اس وقت ایک بے ماں کی بچی کو اُٹھا دیا۔ تجھے خبر ہے یہ کس کا دربار ہے اور یہ صحنک کس بیوی کے نام کی ہے۔ یہ اس باپ کی بیٹی ہے جو مسلمانوں کے سر کا تاج یہ وہ بیوی ہے جس کا نام فاطمہ زہرا ؓ جو خود دکھیاری مصیبت کی ماری تھی۔ دو دو تین تین وقت کے فاقوں میں بھی جو کچھ میسر آیا وہ حاجتمندوں اور مسکینوں پر سے قربان کر دیا اور اپنی نیکیوں کا نمونہ ایک ایسی یادگار چھوڑ گئیں کہ آج مسلمان بیویاں اس نام پر فخر کرتی ہیں۔ لے شیخی میں چور اور دولت میں مغرور لڑکی تو نے سچے دربار سے ایک ایسی اصل سیدانی کو اُٹھا دیا جو تجھ سے زیادہ حقدار ہے۔

دنیا فانی اور یہ دولت آنی جانی ہی۔ اری ناوان کس چیز پر پھولی! خدا سے ڈر مرنے کو مرنا سمجھ۔ اس وقت اس یتیم بچی کا دل کیا کہہ رہا ہوگا۔ اس کی آہ بڑے دیکھے ہوئے دل کی فریاد ہے اور ایک ایسے بادشاہ کے حضور میں ہو جو تجھ سے بہت زیادہ اختیار والا اور منصف مزاج ہے۔ میری آج کی بات یاد رکھ کہ اگر اس کو راضی نہ کیا تو برباد ہو جائے گی۔ بڑی بی کی باتیں کچھ ایسی درد بھری تھیں کہ سب کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوگئے مگر نہ ٹس سے مس ہوئی تو وہی کمبخت۔ بہتیرا ہی سمجھانی نے کہا مگر اس کے کان پر جوں تک نہ چلی۔ اٹھی اور منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی سیدھی ہولی۔ سب گنوں پوری کوئی نہ کھونا ڈوری۔ اتنا کچھ اللہ نے دیا تھا مگر شیخی کہاں جاتی وہ تو بغل ہی میں تھی چلتی دفعہ پھوپی زاد بہن سے اینڈوی کے کنگن لیکر ہاتھوں میں ڈال لئے۔ رات کو پڑ کر سوئی تو نہ کڑوں کا خیال نہ گہنے کی احتیاط یوں ہی پہنے پہنے ڈھیر۔ بڑے ہاتھوں کے کنگن ڈھیلی کیلیں ایک کھلکر گر پڑا صبح اٹھی تو ہاتھ منہ کنگی چوٹی سرمہ کاجل سب ہی چیزوں کا ہوش اور نہ ہوش تو گہنے کا۔ ماما نے دیکھکر جتایا تو ڈھنڈیا پڑی۔ شادی کا ہنگامہ سینکڑوں آدمی بھرے کنگن کیا خاک ملتا ستم یہ ہوا کہ اس دینے والی بدنصیب کے بھی کنگن میکے کے نہ تھے بسسرال کے کنگن چڑھاوے کے آئے ہوئے۔ نقصان ہوا وہ الگ شرمندگی ہوئی سو جدا بیٹیو! اس واقعہ سے تم کو سبق لینا چاہیئے کبھی کسی کے مانگے کی چیز کا استعمال نہ کرو کہیں شادی میں جاؤ تو بڑوں اور چھوٹوں سے ملکر جو جگہ تمہارے واسطے تجویز ہوئی وہاں اپنا بچھونا بچھاؤ۔ اس بات کی سخت احتیاط کرو کہ تمہاری وجہ سے مکان میں دھبے وغیرہ نہ پڑیں۔ میزبان کا بچھونا خراب نہ ہو۔ جو کچھ خدا نے تمکو دیا ہو وہی پہن اوڑھ کر جاؤ۔ ملو تو اس طرح کہ جو دیکھے وہ خوش رہو تو اسطرح کہ جو بلائے وہ باغ باغ۔ جدا ہو تو اس طرح سے کہ دوبارہ ملنے کی آرزو باقی رہے جو کچھ تار تنکا تم جہاں میسر ہو اسکو نگاہ میں رکھو سوتے وقت سب چیزیں اتار کر کسی بڑی بوڑھی کے سپرد کرو۔ بالیوں کی گونجیں، پونچیوں کی گھنڈیاں، کڑوں کے گھونگرے، بازوبند یا جوشن کے ڈورے مگر مرکیوں کا نشان سب

چیزوں کی طرف سے اطمینان کر لو کہ ٹھیک ہیں اور گرنے والی نہیں۔ صبح اٹھتے ہی منہ ہاتھ دھونے کے بعد جن زیورات کو پہننا ہو اس کی جانچ کرو۔ بدصورت لڑکیوں پر کبھی نہ ہنسو ممکن ہے کہ انکی سیرت تم سے بہت اچھی ہو کسی کو حقارت اور نفرت سے دیکھنا بڑی بھاری غلطی ہے

ایک لڑکی کہ ذرا کالا تھا رنگ
اور اس کے بھائی کا گورا تھا رنگ

کھیلتے تھے مل کے دونوں باہم
کچھ نہیں تھا ان کے دل کو رنج و غم

ایک دن ان کو کہیں گھر میں پڑا
اتفاقاً ایک آئینہ ملا

دیکھی صورت آئینے میں دونوں نے جو ہیں
کھلکھلا کر ہنس پڑا لڑکا وہیں

اس کے ہنسنے کا سبب وہ پا گئی
اور اپنے دل میں شرمندہ ہوئی

آئی پھر روتی ہوئی وہ ماں کے پاس
اور یوں کہنے لگی ہو کر اداس

بھائی کو بلوا کے اماں جان ابھی
کہہ دو آئینہ نہ دیکھیں وہ کبھی

مائی اس کی جو بہت تھی ہوشیار
پونچھ کر آنچل سے آنسو کر کے پیار

اس کی ٹھوڑی کو پکڑ کر یہ کہا
کون اس صورت کو کہتا ہے برا

خاصی اچھی شکل ہے اے میری جان
کچھ نہ کر تم اپنے دل میں اسکا دھیان

اور اگر ایسا ہی تمکو ہے خیال
اور صورت کی برائی کا ملال

تو کرو بیٹی ہمیشہ نیک کام
تا کہ ہو دونوں جہاں میں نیک نام

صورت اچھی گر نہیں تو شرم کیا
سیرت اچھی چاہیئے اے باحیا

اور پھر بلوا کے لڑکے سے کہا
تم کو دعویٰ ہے بہت کچھ حسن کا

کیوں ہنسے تھے تم بہن کی شکل پر
کیا برائی اس میں آئی تھی نظر

یہ جو صورت ہے تمہاری چاند سی
ہے نہیں باتوں سے کچھ مانند سی

گر کسی کی شکل ہو سچ مچ بری
تو بھی اس میں کیا خطا اس شخص کی

اور جس کو اچھی صورت دے خدا
اس کو بھی کچھ ہے نہیں حق فخر کا

ہاں مگر جو کوئی اپنے ہاتھ سے — اپنی صورت کو بنائے آپ سے
شرم بھی جائز ہی بیشک فخر بھی — یہ نہیں ممکن مگر بیٹا کبھی
کام اچھے کر کے تم اے میرے چاند — اپنی صورت کو لگاؤ چار چاند
اس کو بخشتا ہی خدا نے جو شرف — یہ نہ ہو لگ جائے اس میں کچھ کلف

اچھی صورت سے ہیں اچھے کام
ختم کر راشد حکایت والسلام

(۹)

یہاں تک پہنچکر نسیمہ ہٹکی تو ماں نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور نند سے کہا لے بی آپا اس غریب لڑکی کا حال سنکر تو میرا جی بہت ہی کڑھا۔ مگر ایک بات کہتی ہوں لڑکیوں کے پڑھانے لکھانے سے فایدہ کیا۔ ان کو کہیں نوکری نہیں کرنی۔ روٹی نہیں کمانی سارے جہان کا حال بتا کر اور دیدہ دلیر کرنا ہی۔

نند۔ اللہ کا شکر ہی۔ میں بھی مسلمان ہوں اور تم بھی۔ ہمارے حضرتؐ نے فرمایا ہی کہ علم ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہی۔ نسیمہ کی ماں تم بھی کیا بچوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ پڑھنے سے اور عقل آئیگی یا دیدہ دلیر ہوگا۔

بھاوج۔ حضرت کے فرمانے کی تو مجھے خبر نہیں مگر میرے ابا اللہ بخشے آخر اتنے بڑے مولوی تھے۔ لیکن ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ لڑکیوں کا پڑھانا بہت ہی بری بات ہی۔

نند۔ میں تمہارے والد کی شان میں تو کچھ نہیں کہتی مگر جن بزرگوں کا یہ خیال تھا وہ غلطی پر تھے۔ وہ بات کی تہ کو نہ پہنچے اور مسلمانوں کو جان بوجھکر کنوئیں میں دھکیل دیا۔ مائیں رہیں جاہل بچوں کی تربیت اچھی نہ ہوئی۔ خاصی بھلی چنگی قوم کا ناس ہو گیا۔ پیغمبر زادیاں اور پیغمبر صاحبؐ کے زمانہ کی مسلمان عورتیں علم کا دریا تھیں۔ یہ تو موٹی سی بات ہی کہ علم آدمی کو آدمی بنا دیتا ہی۔ پڑھ لکھکر عورتیں خدا کو خدا سمجھنے لگیں گی۔ گناہ سے

بچیں گی برائی سے پرہیز کریں گی۔ ایمان کو ایمان۔ عزت کو عزت۔ بڑوں کو بڑا۔ چھوٹوں کو چھوٹا ہر چیز کی اصلیت معلوم ہو جائیگی۔ دیدہ دلیر کی جو کہتی ہو تو کیا ان پڑھ عورتیں چلتی ہوئی نہیں ہوتیں۔ جاہل تو ایسی چلتر ہوتی ہیں کہ بڑی بڑی پڑھی لکھیوں کے کان کاٹیں تم کو کچھ بسنت کی بھی خبر ہے۔ کبھی اخبار دیکھو اور دنیا کا حال سنو تو معلوم ہو کہ مسلمان کتنے ذلیل ہو گئے روز بروز بد تمیز نالائق جھوٹے کمینے ہوتے جاتے ہیں۔ یہ کیوں صرف اس وجہ سے کہ عورتیں جاہل ہیں اور گود ہی میں دنیا بھر کے عیب بچوں میں پیدا کر دیتی ہیں۔

بھاوج۔ واہ بوا واہ عورتیں جاہل ہیں تو مردوں سے واسطہ یا وہی کہاوت ہے کہ کمہار پر بس نہ چلا۔ گدھیا کے کان اینٹھے۔

نند (ہنسکر) ہاں ہاں بہت بڑا واسطہ ہے۔ بچوں کا سب سے پہلا مدرسہ سمجھو تا یا اتالیق سمجھو جو کچھ بھی ہے ماں کی گود ہی جو سنیں گے وہ جانیں گے جو دیکھیں گے وہ سیکھیں گے اماں کی یہ حالت کہ نہ خدا کی نہ رسول کی تہذیب سے کوسوں دور جہالت میں چکنا چور عقل نہ ہوش برکت نہ نور۔ چہرہ پر پھٹکار صورت پر خدا کی مار۔ نالائق طریقے۔ بیہودہ اطوار وہی اثر بچہ پر ہوگا یا کچھ اور۔ بچپن کی پڑی ہوئی عادتیں قبر تک ساتھ جاتی ہیں اور کسی طرح چھپائے نہیں چھپتیں۔ جھوٹ۔ مکر۔ دغا۔ بے ایمانی۔ بس اسی کا نام مسلمانی رہ گیا ہے۔ تم بھی تو مسلمان ہو۔ تمہارا دل یہ نہیں چاہتا کہ مسلمان دنیا میں عزت حاصل کریں اور اس مصیبت سے چھٹکارا پائیں۔ کل ہی تو میں نے اخبار میں پڑھا ہے جیل خانہ کے قیدیوں میں اسی فیصدی مسلمان ہیں یعنی سو میں اسی۔ باقی بیس میں اور سب قومیں۔ یوں سمجھو اگر شہر میں پانچ آدمی پکڑے جائیں جو چور دغاباز بے ایمان ہوں تو ان میں چار مسلمان ہیں۔ کیسے شرم کی بات ہے۔ اگر آج لڑکیاں پڑھ لکھ کر ان دنیا نوسی ڈھکوسلوں سے کسی طرح چھٹی پا جائیں تو چاہے ہم ہوں یا نہ ہوں مگر ایک بچاس برس بعد جو جیتا رہیگا وہ دیکھ لیگا۔

کہ ایمان جس پر انسانیت کا دارومدار ہی۔ کیسا درست ہوتا ہو۔ اور جب ایمان یعنی آدمی کی طبیعت ٹھیک ہی تو دنیا اور دین دونوں اچھے۔ مجھکو تعجب اور افسوس ہوتا ہی کسطرح لوگ دوسروں کو دھوکا دیکر اپنا کام کر لیتے ہیں۔ انسانیت کے یہ معنی ہیں کہ جو بات آدمی اپنے واسطے پسند نہ کرے دوسرے کے لئے بھی روا نہ رکھے۔ نہیں تو وہی کہاوت ہو گی اپنا پوت اور کا ڈھینگڑا۔ تعلیم سے بچے کے خیال چاہے لڑکا ہو یا لڑکی کچھ نہ کچھ کیا بہت کچھ درست ہو سکتے ہیں۔ خدا وہ دن کرے کہ مسلمانوں کی لڑکیاں پڑھنے لکھنے لگیں پھر تم دیکھنا کہ ان ہی گودوں سے ایسے بچے نکلیں کہ واہ واہ سبحان اللہ کہو۔ کیا سمجھیں۔ سچ ہے یا جھوٹ۔

بھاوج۔ سچ جھوٹ تو میں جانتی نہیں۔ مگر ہاں یہ ضرور کہوں گی۔ سو میں کہوں ہزار میں کہوں کہ اگر ایسا ہی پڑھانا ہے تو قرآن شریف پڑھا دو۔ نماز سکھا دو۔ بس اس کے آگے ٹھیک نہیں۔ لکھنا سکھانے کی تو میری صلاح ہرگز نہیں ہی۔ کون سے دفتر لکھنے ہیں۔ لکھنا آتا ہی تو جس کو جی چاہا لکھ بھیجا۔

نند۔ جی نہ ہوا پاگل ہوا کہ جس کو جی چاہا لکھ بھیجا۔ بے پڑھے لکھے جی چاہا تو جہاں جی چاہا نکل کھڑے ہوئے۔ ایک اس بیہودہ خیال نے ہم کو کچھ سے کچھ بنا دیا۔ بیوی علم تو اور بری باتوں سے روکتا ہی یا الٹا تم اور یہ الزام لگاتی ہو۔ میرا اتنا سمجھانا بھی بیکار گیا۔ اچھا اور ایک بات بتاؤ۔ میاں بیوی کا رشتہ کیسا ہوتا ہی۔ سینکڑوں باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ دوسروں کے بتانے کے قابل نہیں۔ اگر میاں پردیس میں ہی اور لکھنا نہیں آتا تو اول تو ایک ایک کی منت خوشامد کرو۔ دوسرے تمام دنیا میں اپنے بھیدوں کا ڈھنڈورا پیٹو۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ اپنی ضرورت کے وقت کچھ نہ معلوم ہوا لیکن جب سر پر آپڑی تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ بولو بیوی لوہاں تاں کا کچھ تو جواب دو۔ چپ سی کی سہی نہیں کہی۔

بھاوج۔ ہاں یہ تو سچ ہی۔ مگر آپا پڑھنے لکھنے سے ذرا عقل زیادہ تیز ہو جاتی ہی اور

پھر دوری کی سوجھتی ہی۔

نند۔ پھر عقل زیادہ ہونا بھی عیب ہی۔ برا تو مانتا نہیں اس اپنے گوشت کے لوتھڑے منجھلی کو ہی دیکھ لو۔ کیا چیز نہیں ہی۔ آنکھ۔ ناک۔ کان۔ ہاتھ پاؤں۔ انگلیاں کسی کی ہوں پانچ۔ اس کی جھہ۔ خفا ہوگی تو ہو لیتا۔ ایک نہ پڑھنے کی وجہ سے جانور ہو گئی

بھاوج اس کی تقدیر کیا کروں۔ میں آپ اس کے ہاتھوں نالاں ہوں باتوں ہی باتوں میں سب کچھ کہہ دیتی ہوں مگر وہ تو اس کان سنا اور اس کان اڑا دیا۔ چکنا گھڑا بوند پڑی پھسل گئی موئے کتے کی بھی آدر ہوگی اور اس کی نہیں۔ غیرت ہو تو سب کچھ ہی۔ جب تار لی منہ کی لوئی تو کیا کرے گا کوئی۔ مسلمان کی بچی اور کبھی خدا کو سجدہ نہ کرے۔ کرے کہاں سے دل میں خوف ہو تو کرے۔ کوڑی کوڑی پر قسم۔ بات بات میں قرآن جان رڑکی ہتھی لینی۔ موٹی تازی۔ کھانے کو سب سے پہلے موجود۔ کام کے نام موت۔ بس بی آپا اب میں جاتی ہوں۔ دیکھو کتنی دیر ہوگئی۔ اب ان کے آنے کا بھی وقت ہوگیا۔ جاؤں کھانے کا ٹھیک ٹھاک کروں۔

(۱۰)

بھاوج مزاج کی کیسی ہی ضدی کیوں نہ ہو مگر نند نے آج ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ وہ ہی باتوں میں ستی بھول گئی۔ کچھ بات کی پچ کچھ مرے ہوئے باپ کی غیرت کا خیال منہ در منہ قائل نہ ہوئی تو کیا۔ دل میں تو اتنا سمجھ ہی گئی کہ نند جو بات کہہ رہی ہی وہ باون تولے اور پاؤ رتی کی۔ دور کیوں جاؤں پہلے اپنی ہی لڑکیوں کو نہ دیکھوں کہنے کو تو دونوں ایک ہی پیٹ کی اولاد ہیں۔ ایک ہی ماں کا دودھ پیا ایک ہی گھر میں رہیں سہیں ایک ہی محلہ میں پلی بڑھیں مگر زمین آسمان کا فرق ہی۔ وہ بیگم یہ گستاخ۔ وہ آدمی یہ جانور۔ کہنے کو جو جی چاہے سو کہہ لوں۔ مگر ایمان کی بات یہ ہی قصور میرا ہی ہی۔ ایک تربیت اچھی نہ ہونے سے لڑکی ہاتھ سے جاتی رہی۔ ڈیڑھ گز کی زبان ساتویں آسمان پر مزاج۔ لڑکی کیا

فرعون بے سامان ہے۔ نرگس کی دشمن۔ سوسن کی قاتل۔ باگھی ہے وہ شما کی۔ تاباں ہے وہ تالاں
پھوپی ناخوش۔ باوا بیزار۔ خدا کی قسم اس مردار نے تو میرا دم ناک میں کر دیا۔ ننھیال اور
ددھیال ایک بھی تو خوش نہیں۔ پھر یہ کیسی آفت ہے۔ کنبہ تو کنبہ اندر محلہ تو محلہ شہر بھر میں نام
اُچھل رہا ہے۔ بیچاری دلہن لینے میں نہ دینے میں۔ آس نہ پاس۔ پرسوں بیٹھے بٹھائے اسی کی
جان کو آگئی۔ زبان ہے کہ الامان الحفیظ۔ سینکڑوں کوسنے اور ہزاروں فضیحتیاں۔ بچہ نہیں
نادان نہیں۔ پاگل نہیں سڑن نہیں۔ یہاں تو خیر جیسی گذرنی تھی گذر گئی اور جیسی گذرنی ہو گی
گذر جائے گی۔ مجھکو تو آگے کا اندیشہ ہے۔ کون بھرے گا اور کیا کریگی۔ نسیمہ کی طرف سے ٹھنڈی
ہوا آرہی ہے۔ الٰہی دنیا بھر کی خوبیاں سکو۔ دودوں نہائے پوتوں پھلے۔ باپ کی اچکن میں
کھڑے کھڑے ایسا بخیہ کیا کہ میرے تو باپ سے بھی نہ ہو۔ سگھڑ۔ بے زبان۔ مسکین۔ تمیز دار۔ بڑی
بی تک جو چاہیں کہدیں کیا مجال جو اُلٹ کر جواب دے۔ کیسا دل خوش ہوا ہے۔ جب بھری
محفل میں ملانی جی نے کہا ہے کہ میرا تو منہ نہیں جو نسیمہ کی تعریف کروں۔ مجھہ اندھی دھندی کا
جیسا خیال رکھتی ہے۔ رونگٹا رونگٹا دعا دیتا ہے۔ محلہ بھر پڑا ہے اور ایک سے ایک افضل
اور اعلیٰ۔ اللہ رکھے کھاتے پیتے مگر کوئی بات بھی نہیں پوچھتا۔ لیکن وہ اتنی سی بیگم ولی
کہوں فرشتہ کہوں جب تک مجھکو کھانا نہ بھیجدیگی اپنے منہ میں ڈالنا حرام۔ کون کسی کو
پوچھتا ہے۔ اس عمر میں وہ دل ہے کہ میں نے تو اتنی عمر میں دیکھا نہیں۔ یہ کرتہ اور پاجامہ اسی
کے ہاتھ کا ہے۔ جان سے مال سے ہاتھ سے پاؤں سے ہر وقت اور ہر لحظہ تیار۔ اور دو چار
گھڑی کہیں کو نکل جاؤں تو زردہ پر زردہ۔ پانچوں وقت نماز کے بعد دعا مانگتی ہوں الٰہی
دنیا کا عیش اس بچی کو نصیب ہو۔ عزت آبرو تو خدا کے ہاتھ ہے۔ مگر میرے ساتھ تو اس نے
ایسا سلوک کیا کہ میرے مرے باپ دادا کی لاج بڑوں کی عزت سادات کی شان اسی کے
دم سے باقی رہ گئی۔ ورنہ بھیک مانگتی تو ٹکڑا نصیب ہوتا۔

رات کا وقت گھر بھر پڑا سوتا تھا اور وہ نیک بخت پلنگ پر لیٹے لیٹے کبھی ہنس رہی تھی

کبھی نہ رہی تھی۔ ان دونوں کے جھگڑوں سے چھٹی پائی تو بڑی کا دھیان آیا۔ پردیس کا خیال آتے ہی ایک جھکڑ بندھ گیا۔ سوچنے لگی کہ جمعہ جمعہ آٹھ جمعہ جمعہ پندرہ۔ جمعہ جمعہ بائیس ہفتہ تیئس، اتوار چوبیس، پیر پچیس، منگل چھبیس، آج ستائیسواں دن ہے۔ خط نہ پتر۔ خیر نہ خبر۔ کس سے پوچھوں کیا کروں۔ پڑے ہوتے اُڑ کر جاتی۔ دیکھ کر آتی۔ ننھے کا جی بے مزہ لکھا تھا۔ خبر نہیں اب کیسا ہے۔ خراب خراب باتیں بُرے بُرے وہم دل میں آرہے ہیں۔ خدا کرے اچھی ہو۔ گرمی کا موسم، دن ایسے۔ بھلی گرمی۔ بچہ کا ساتھ خدا اپنا فضل رکھے۔ دو حرف لکھوا کر بھیج دیتی۔ تو یہ پریشانی نہ ہوتی۔ مگر اس بیچاری کا قصور ہی کیا۔ پرائے ہاتھ کی محتاج کہاں جائے۔ کس سے لکھوائے۔ میاں دورے پر گیا ہوگا۔ غریب اسی اُدھیڑ بن میں تھی کہ لوٹھا بیٹی نے بلبلانا شروع کیا۔ سات دن سے آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ بہتیرا ہی سب نے کہا۔ دو دن گھر لگائے تیسرے دن تماراسی آنکھیں ہو جائیں گی۔ مگر وہ کس کی سنتی تھی۔ پھوپی نے ہر چند سمجھایا کہ ادھی کی پھٹکری کرچھے میں کھیل کر بھوت لو پھوبجائے تو سرمہ سی پیس کر گلاب میں حل کرلو اور چھان کر شیشہ میں بھر لو۔ پر کا قلم میں بھیج دونگی۔ دو تین دفعہ کے ڈالنے میں دیکھنا کتنا فرق معلوم ہوتا ہے آلکسی معلوم ہو تو اس کو بھی جانے دو۔ ایک پیسہ میں پوست پھٹکری۔ چھوٹی ہڑ۔ بہیڑہ۔ یہ چار چیزیں منگوا کر دو پوٹلیاں باندھ پانی میں ڈال لو وہ پھیرتی رہو۔ دیکھنا ایک ہی دن میں آنکھیں چندن سی ہو جائیں گی۔ چاکسو تو لگتا بہت ہے۔ کہو میں رات کو آکر سفیدہ بھر دوں ذرا سی تکلیف تو ہو گی۔ صبح اٹھتے ہی یہ کھٹک دُکٹک کچھ بھی نہ رہیگی۔ اگلے برس میری آنکھیں کیسی ٹوٹ کر آئی تھیں۔ ڈاکٹر کی دوا دو تین ہی دفعہ ڈالی تھی بالکل صاف ہو گئیں۔ آنکھوں کا معاملہ ہے کھٹائی مٹھائی چھوڑ دو۔ غرض اپنی اپنی جگہ سب ہی نے سمجھایا مگر منجھلی بیگم کی سرکار میں کہنا سنا، سمجھانا بیکار۔ کیسا علاج اور کس کی دوا۔ چاہیئے کہ نون مرچ یا دی ثقیل کسی چیز کا تو پرہیز کرتی۔ تو یہ سب ہی کچھ کھایا اور سب ہی کچھ پیا۔ ستم یہ کیا کہ ادھر تو کھائی بریانی اوپر سے پیا ڈٹ کر پانی۔ دوپہر کو آئی کا چھت اس سے بنوا کے کچی لوا اور وہ بھی امرود کے۔

کھانا تھا کہ آنکھوں میں دُنبے پڑ گئے۔ سونے لگی تو آنکھوں کا حال کچھ اور ہی تھا۔ دم بھر کو چین نہ آیا لیٹی۔ اُٹھی بیٹھی۔ تڑپی۔ آخر رونا شروع کیا۔ ماں پہلے ہی بیٹی بیٹی کی تقدیر کو جھینک رہی تھی۔ غصہ تو آ گیا تھا مگر خدا نے ہی کچھ سمجھ دیدی کہ چپکی پڑی رہی۔

رات تو خیر جوں توں گزر گئی صبح کو نسیمہ کی ماں خاصی اچھی طرح اُٹھی منہ دہویا زردہ کھایا ترکاری میٹھی بنا رہی تھی کہ سر چکرانے لگا۔ سمجھی زردہ ہرا مپوری۔ گھمس کا وقت۔ دماغ کو چڑھ گیا۔ مگر سر نے تو وہ گھمیری لی کہ خدا کی پناہ۔ گود کے بچے نے ضد شروع کی تو ایسی کہ اللہ دے اور بندہ لے۔ دے ایڑیاں اور دے پٹخنیاں! ہر چند دودھ دیا بہلایا۔ کھڑی ہوئی لئے لئے پھری۔ سینیاں بجائیں۔ کنڈیاں کھٹکھٹائیں۔ چمکارا پیار کیا۔ میاں کہا دولہا کہا۔ سب ہی کچھ کہا۔ اور سب ہی کچھ کیا مگر وہ ہارونی کس کی سنتا تھا۔ گھر بھر کو سر پر اُٹھا لیا۔ چکروں نے پہلے ہی جان پر بنا رکھی تھی۔ بچہ کی ضد اور مرے کو مارے شاہ مدار ہو گئی۔ کھڑی ہو کر ٹہلے تو ذرا تالو سے زبان لگ جائے جہاں بیٹھی اور پھر وہی چیخم دہاڑ۔ سر پکڑے کہ ذرا ہلی اور دم نکلا بچہ کہے کہ ذرا دم لیا تو جیتا دفن کر دوں گا۔ بھائی کا چیخنا بلکنا سنکر نسیمہ آئی۔ دیکھتی کیا ہے کہ بچہ پچھاڑیں کھا رہا ہے اندیاں سے ہلا نہیں جاتا۔ بیٹی کی صورت دیکھکر ماں کی جان میں جان آئی۔ کہنے لگی نسیمہ دیکھ تو سہی۔ میری تو جان نکلی جا رہی ہے اور یہ ہے کہ کسی عنوان نہیں مانتا کیونکر کھڑی ہوں۔ ذرا ہلتی ہوں تو بھیجا نکلا پڑتا ہے۔ خدا کے واسطے اس کو اپنے ہاں لیجا۔

نسیمہ میرے تو سبق کا وقت ہے۔ ذرا قرآن شریف پڑہ لوں تو پھر لے لوں گی۔

پھوپی بھی بھتیجے کے یہ فیل سنکر کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ بھتیجی کا جواب سنکر دنگ رہ گئی اس سے تو کچھ نہ بولی۔ مگر آپ آ کر لڑکے کو لے لیا۔ بچہ کی فقط ضد تھی۔ پھوپی نے جو کندھے سے لگا کر لگا تار پھیرے کئے منہ رکھکر سو گیا۔ الگ سے جھولے میں لٹا چار پانچ جھونٹے دئیے۔ بھاوج پاس آ بیٹھی۔ درد بدستور رہا۔ ماما کو بلا بھیج دیا۔ وہ ہیلے کے ذکر کے

پھول منگوائے پیسکر لگانے تھے کہ درد کا پتہ بھی نہ تھا۔ سبق پڑھ پڑھا چکی تو نسیمہ بھی ماں کے پاس آئی مگر پھوپھی اس کی صورت دیکھتے ہی وہاں سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور کھڑ کی کھول اپنے اِس۔ بچہ تو سو ہی گیا تھا نسیمہ بیٹھی ماں کا سر دباتی رہی۔ کھانے کا وقت آیا تو ماں کہنے لگی۔ بس بیٹی تو ٹھنڈی رہ۔ اب جا کر کھانا کھا پھوپھی راہ دیکھ رہی ہوں گی۔ گئی تو پھوپھی کا منہ پھولا ہوا۔ کچھ دیر تک تو وجہ سوچتی رہی۔ جب کوئی بات سمجھ میں آئی تو کہنے لگی۔

کھانا تیار ہے نکالوں۔

پھوپھی۔ تم کو بھوک ہو تو کھا لو۔ میں تو ابھی نہیں کھاؤں گی۔

نسیمہ۔ کیوں؟ آپ کو بھوک کیوں نہیں ہے۔

پھوپھی۔ اس بحث سے کیا حاصل۔ میں تم سے بات بھی کرنی نہیں چاہتی۔ تم لپر لپر بولے جاتی ہو۔

نسیمہ۔ مجھے اپنا قصور معلوم ہو جائے کہ مجھ سے کیا خطا ہوئی۔

پھوپھی۔ مجھے کیا خبر نہیں۔ میں سب سُن رہی تھی۔ ایسی کٹر بیٹی الٰہی دشمن کو نصیب نہو۔ ماں کی یہ حالت کہ درد کے مارے بات تک نہ کی جائے۔ کتنی خوشامد سے اس نے کہا بیٹی ذرا اس کو سے لے اور تیرا دل نہ پسیجا۔ بے سود ہیں وہ بیٹیاں جو اس طرح بھر منہ ماں کے ہاتھ میں ٹکا سا جواب دیدیں۔

نسیمہ۔ آپ نے خیال نہیں کیا۔ میں نے کیا عرض کیا تھا۔ وہ سبق کا وقت تھا اس لئے میں نے کہا پڑھ کر لے لونگی۔

پھوپھی۔ ہاں ہاں میں نے سُن لیا تھا۔ سبق تھا نماز تو نہ تھی کہ قضا کا ڈر ہوتا۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر پڑھ لیتیں۔ ہاں کھانے کو ذرا دیر ہو جاتی۔

نسیمہ۔ لے ہے پھوپھی اماں۔ مجھے تو کھانے دانے کا بالکل بھی خیال نہ تھا اگر یہ قصور ہے تو اماں جان سے ابھی معاف کروا لیتی ہوں! میں سچ عرض کرتی ہوں

صرف پڑھنے کی وجہ سے اس وقت عذر کیا۔ ورنہ ایسی خطا ہرگز نہ ہوتی۔

پھوپھی۔ پڑھنے کا تو میں جواب دے چکی۔ تم کو یہ سوچنا چاہیئے تھا کہ اس وقت کی تعمیل فقط ماں ہی کا حکم نہیں ایک حاجتمند کی مدد بھی ہے۔ تم نے اپنا ذاتی فائدہ ان دونوں باتوں سے بہتر سمجھا۔ کس کام کا وہ آدمی جو اپنے فائدہ کی وجہ سے دوسروں کی پرواہ نہ کرے۔

نسیمہ وہ لڑکی جس نے آجتک کسی کی آدھی بات نہ سنی ہو پھوپھی کا اعتراض سنتے ہی بے اختیار ہوگئی۔ بس تھا تو لے دیکر اپنی آنکھوں پر۔ کھانا چھوڑ چھاڑ الگ کونہ میں جا بیٹھی اور لگی پھوٹ پھوٹ کر رونے۔ ماں سے زیادہ چاہنے والی پھوپھی جس نے آٹھ نو برس میں کبھی بھتیجی کو ہوں تاں تک کی کہنے کو تو اتنا کہہ گئی مگر بچی کے آنکھ سے آنسو نکلنا تھا کہ اس کی اپنی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہوگئی۔ مگر سمجھدار عورت دور اندیش آدمی دل بہت تڑپا اور اور جی بہت تلملایا۔ لیکن خوب جانتی تھی کہ اگر اس وقت اس کو چمکارتی ہوں تو یہ ناز برداری میرے واسطے نہیں اسی کے واسطے اندھیر ہوگی۔ طبیعت بھر آئی تو کمرہ میں جا آپ بھی رو آئی مگر اس کے سامنے آئی تو خاصی اچھی طرح۔ نسیمہ رو دھو چکی تو آکر پھوپھی کے قدموں پر گر پڑی اور کہنے لگی میرا قصور معاف کر دیجیئے۔ بھتیجی کا آکر گرنا تھا کہ تڑپ اٹھی سر اٹھا کر کلیجے سے لگایا اور کہا میرا تو کچھ قصور نہیں۔ جاؤ اپنی ماں سے معاف کراؤ۔ میں بھی پیچھے پیچھے آتی ہوں اماں غریب ان قرینوں سے کیا واقف وہ تو اس بیٹی کی ماں تھی۔ جس نے آجتک کبھی کہا ہی نہ مانا۔ اسکو یاد بھی نہ تھا کہ میں نے کیا کہا اور اس نے کیا۔ مگر نسیمہ کی اس فرمانبرداری سے دل باغ باغ ہوگیا۔

(۱۱)

بات رفع دفعہ ہوگئی وقت گزر گیا۔ سنجیدہ اس وقت تو چپ ہوگئی۔ مگر رہی تاک میں کہ کب موقع ملے اور میں اسکو ٹٹولوں! برسات شروع ہوگئی تھی ایک دن رات کے وقت لڑکیاں بالیاں جھولا جھول رہی تھیں۔ پہلے بیاہی لڑکیوں نے ملار گائے۔ پھر چھوٹی چھوٹی ننھی

یہ گیت شروع کیا۔

نیم کی نبولی پکی ساون بھی کبھی آوے گا

جیوے میری ماں جایا ڈولی بھیج بلاوے گا

دونوں پھوپی بھتیجیاں برابر بیٹھی سُن رہی تھیں اور چھوٹے کی لڑکیاں لہک لہک کر گا رہی تھیں دیوار بیچ گھر تھا۔ صاف آواز آرہی تھی۔ سنجیدہ نے بھتیجی سے کہا نسیم تم نے یہ گیت سُنا۔

نسیمہ۔ جی ہاں مجھے پہلے سے بھی معلوم ہے۔

پھوپھی۔ کچھ اس کا مطلب بھی سمجھتی ہو۔ کہنے کو تو ایک معمولی سا گیت ہے۔ مگر ذرا غور کرو اور بہن بھائیوں کی محبت کا اندازہ لگاؤ۔ بھائی جیسی چیز بھلا کہیں دنیا میں نصیب ہوتی ہے۔ یہ بیچاری لڑکی اپنی سسرال میں ہے۔ جہاں میکے کی چڑیا تک نصیب نہیں۔ نیا نیا بیاہ اجنبی آدمی۔ غیر لوگ۔ رہتے رہتے جی اُکتا گیا اور میکے والوں کی صورت دیکھنے کو آنکھیں ترس گئیں ماں اور باپ دونوں کا سایہ سر سے اُٹھ چکا ہے۔ جنکے دم سے میکہ تھا جب وہی چل بسے تو اب کون بات پوچھنے والا رہا۔ بچپن کے دنوں کو یاد کر رہی ہے۔ گھر چھوٹا گھر والے چھوٹے جن کے ساتھ کھیلی بڑھی اُٹھی بیٹھی اُن کی باتیں خواب خیال ہو گئیں۔ کوئی اتنا بھی نہیں کہ وہاں والوں کی خبر تو لادے۔ جس گھر میں اس وقت ہے وہاں نیم کا درخت لگا ہے ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھی پچھلے زمانہ پر آنسو بہا رہی ہے۔ اس رنج و غم کی حالت میں جب کلیجہ پر چھریاں چل رہی تھیں اور چاروں طرف نظر دوڑا رہی تھی خیال آیا کہ ماں مر گئی تو کیا "ماں جایا موجود ہے"۔ ساون کے مہینے میں جب بھاوج کے واسطے جھولا پڑے گا اس وقت تو بھائی مجھکو یاد کرے گا۔ نند بھاوجیں بیٹھکر جھولیں گی۔ اتنا سوچتی تھی جو اوپر نگاہ گئی تو پکی پکی نبولیاں دکھائی دیں۔ یہ کسی سے سن رکھا تھا کہ نبولی ساون کے قریب پکتی ہے۔ بے اختیار ہو کر کہتی ہے۔

نیم کی نبولی پکی ساون بھی کبھی آوے گا

یہاں تک تو وقت آگیا کہ بولی پک گئی۔ کبھی نہ کبھی تو ساون بھی آوے ہی گا۔ یعنی میں کب تک اس طرح ترسوں گی اور اپنے عزیزوں کے دیدار سے محروم رہوں گی۔ ساون آیا اور میکے پہنچی۔ اس یقین کے ساتھ ہی بھائی کی محبت کا جوش دیکھو پہلے اس کی درازی عمر کی دعا مانگی۔ پھر اپنی خواہش ظاہر کی۔

جیوے میری ماں کا جایا ڈولی بھیج بلاوے گا

تم نے یہ مثل سنی ہو گی۔ بہن سو برس کی اور بھائی پانچ برس کا۔ بہن کتنی بڑی کیوں نہ ہو چھوٹا سا بھائی بھی اس سے رشتہ میں بڑا ہے اس کا مان رکھنے والا۔ اس کی ناک بڑھانے والا بڑی خوش نصیب ہیں وہ لڑکیاں جنکو اللہ نے یہ نعمت دی اور کیسی بد نصیب ہیں وہ لڑکیاں جو اس نعمت سے نفرت کریں۔ بھائی جیسی چیز بھلا کہاں نصیب ہوتی ہے۔ اپنا دم ہے تو سب کچھ ہو جائیگا مگر یہ چیز کہاں! شاید ہی کوئی دن جاتا ہو گا کہ میں تمہارے چھوٹے چچا کو نہ یاد کرتی ہوں۔ کیسے ہنستے ہوئے دروازے میں گھستے تھے اور وہیں سے کہتے تھے آپا کدھر ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ برسات کے دنوں میں رومال بھر کر امرود لائے۔ کمبخت کو کیا غرض پڑی [illegible] دھو دھلا کر دیتا کیچڑ میں لتھڑے مٹی میں سنے سنائے حوالے کئے۔ میں حکیم جی کے ہاں ڈولی میں جا رہی تھی۔ کارچوبی دوشالہ سر پر تھا۔ انہوں نے رومال الٹا میں نے جھولی میں امرود لیئے۔ سچ کہتی ہوں وہ کیچڑ کارچوب سے زیادہ عزیز تھی۔ وہ دوشالہ خراب ہو گیا تو ہو گیا۔ اب بھی اس جیسے چار دھرے ہیں مگر اس محبت سے لانے والا پیدا نہیں۔ نہ اماں نہ ابا قبر میں سے اٹھکر آئیں گے نہ بھائی پیدا ہو گا۔ چھوٹے بہن بھائیوں کی خدمت تو عین سعادت ہے۔ ہم کو پال پوس کر اس لئے بڑا کیا ہے کہ ہم ماں کا ہاتھ بٹائیں۔ دکھ درد میں ساتھ ہوں جیسی ہماری خدمت کی ہے۔ اس کا بدلہ تو ممکن نہیں۔ مگر انسانیت کے معنی یہ ہیں کہ چل کر پھر کر اٹھکر بیٹھکر جس طرح بھی ہو اور جتنا کچھ بھی ہو ان کے شریک ہوں۔ مجھے تعجب نہیں سخت رنج ہوا کہ اس روز تم جیسی سعادتمند بیٹی

اور ایسی کٹر۔ ماں کا حکم۔ بھائی کی خدمت اور انکار۔ وہ بیچاری تو اس معاملہ میں پہلے ہی بدنصیب ہے ایک ہے وہ ہزاروں کوس پڑی ہے۔ مہینوں خیر صلاح کی خبر نہیں۔ دوسری صاحب ہیں وہ "نور" علی نور۔ ماں مرتے مرجائے اور اس کی بات پوچھنی حرام۔ بہن بھائی تو دوسرے درجہ پر رہے۔ اس کا بس چلے تو ایک کو سنکھیا دوسرے کو زہر آج ہی گھر بھر کا صفایا کر دے۔ رہیں تم سو خیر کبھی امرت کبھی زہر مہربان ہوئیں ماماؤں تک کی دعائیں لے لیں۔ تیہر دان ہوئیں تو ماں جائے تک کی پرواہ نہیں۔ بات کرو تو ایسی کہ دنیا بھر تعریف کرے اور کام کرو تو ایسا ہو دیکھے وہ خوش ہو۔ چند روز میں یہ میکہ کا زمانہ خواب خیال ہو جائیگا۔ نہ ماں خدمت کی طالبگار ہو گی۔ نہ بہن بھائی عنایت کے خواستگار۔ ماشاء اللہ سمجھدار ہو اس وقت کی قدر کرو اور موقع کو ہاتھ سے نہ دو۔ یہ وقت پھر آنیوالا نہیں۔ بہت جلد ختم ہونے والا ہے ایسے کام کر جاؤ کہ تمہاری محبت کا سکہ سب کے دلوں پر بیٹھ جائے۔ دلوں میں گھر کرو اور منجھلی بہن کی ریس نہ کرو۔ جو ماں جیسی عاشق زار کی دشمن اور باپ جیسے شفیق کی قاتل۔ اگر احتیاط نہ کرو گی تو آج کی میری بات یاد رکھنا روؤ گی اور پچھتاؤ گی۔ بس اب رات زیادہ آگئی سو رہو۔

(۱۲)

برسات نکل چکی۔ گلابی جاڑا شروع تھا۔ شبرات سر پر آئی۔ محلہ کے لڑکے لڑکیوں نے صلاح کی کہ ہر سال بیسیوں روپے آتشبازی میں اٹھتے ہیں اب کے سب سے پہلے اکھٹے کریں اور قاضی جی کے ہاں سے آتشبازی بنوالیں کسی نے روپیہ۔ کسی نے اٹھنی۔ کسی نے چونی کسی نے دونی جمع کر کرا گندک یارو نہ کوئلہ لوہچون سب چیزیں وزن سے منگوالیں تین چار دن سے سب لڑکیاں صلاح کر رہی تھیں کہ کچھ نہ کچھ چندہ نسیمہ سے بھی وصول کرنا چاہیئے۔ مگر ادہر تو سنجیدہ کا خوف ادہر نسیمہ کے مزاج سے ڈر۔ ہمت نہ پڑتی تھی آخر ایک دن دل کڑا کر کے دوپہر کے وقت ادہر تو پھوپھی بھتیجیاں کھانے سے فراغت

یا مینا پرونا لیکر بیٹھیں۔ اُدھر تین لڑکیاں پھٹی جوتی ٹوٹے کٹے گتے کے چھلکے چوستی آئیں۔ دعا نہ سلام بات نہ کلام۔ کچھ دیر تک تو گم سم کھڑی رہیں اور پھر کہنے لگیں۔ لاؤ بی نسیمہ آتش بازی میں چندہ دو۔ ابھی نسیمہ کچھ جواب نہ دینے پائی تھی کہ پیچھے سے دو اور آدھمکیں محلہ کا محلہ گمراہ اور آوے کا آوہ اندھا۔ پچھلی دو پہلی سے بھی بڑھ گئیں۔ چبوترے پر پسکڑا مار لگیں چندہ مانگنے۔

نسیمہ۔ تم اندر آجاؤ۔ میں سمجھی نہیں کیسا چندہ

ایک لڑکی۔ اب کے ہم سب لڑکیوں نے ملکر یہ تجویز کی ہے کہ باہر سے منگوانے کے بدلے گھر ہی میں آتشبازی بنالیں۔ ایک روپیہ کی کمی ہے تم بھی شریک ہوجاؤ۔

نسیمہ۔ مجھے ان چیزوں سے بالکل رغبت نہیں اور اُلٹی نفرت ہے۔

سنجیدہ۔ تعجب ہے۔ تم لوگ ایسی محنت سے تو گھر گھر پھر کر چندہ وصول کرو اور ایسے فضول کام میں صرف کردو۔ بہت سی ضرورتیں ایسی ہیں کہ وہاں بھیجو۔ آتشبازی تو نہایت خوفناک چیز ہے۔ ہر سال دو ایک آدمی اس کی نذر ہوجاتے ہیں۔ یہی روپیہ اگر کسی نیک کام میں لگایا جائے تو کیسی اچھی بات ہے۔ ہمیں تو اگر تالی بھی بلاؤ تو مشکل سے آئیں۔ اگلے برس اخبار میں دیکھا تھا کہ اسفندیار خان زیر سردار پور کی اکلوتی بچی انا کے ساتھ ڈیوڑھی میں آرہی تھی۔ انا تھی نمک حرام۔ لڑکی کو اکیلا چھوڑ داروغہ سے باتیں کرنے لگی۔ ڈیوڑھی میں چل رہی تھی ڈبیا۔ طاق تھا نیچا۔ بچی ہاتھ میں اُٹھا اندر لے آئی۔ انگنائی تک پہنچی ہوگی لو کرتہ میں لگ گئی۔ مہین پھوار کا کرتہ چٹکی بجاتے بجاتے بھر بھر ہوگیا۔ بلبلا اُٹھی جب تک لوگ آئیں چڑیا نکل چکی تھی۔ میں تو کہتی ہوں کہ ڈبیا تک ایسی جگہ چلاؤ کہ بچوں کا ہاتھ نہ پہنچے نہ یہ کہ آتشبازی میں چندہ دینے دوں۔

(۱۳)

ادھر تو یہ گزری اور اُدھر ماہٹیوں میں خاصی اچھی جھوڑ ہوگئی۔ کمبخت کچھ معاملہ

بھی تو نہیں۔ فقط اتنی سی بات پر کہ سندر گھر کی لگی بندھی کاچھن چھپیا بھر کر ترکاری لائی۔ چاروں طرف سے بچے ٹوٹ پڑے منجھلی بیگم بھی تشریف لائیں۔ چھوٹے موٹے بچے تو صورت دیکھتے ہی تفرقہ ہو گئے۔ بیچ کی راس کے ادھر ادھر دبک گئے جو رہ گئے ان میں سے کسی کے تہبند کسی کے چٹکی کسی کے کھونسا کسی کے لپڑ۔ غرض چھپٹ جھپٹا کر دو تین بچے ہولے گئے۔ وہ بھی سہمے ہوئے اور ڈرے ہوئے۔ صاحبزادی نے پہلے تو دس بارہ کھلی کھلی جامنیں چکھکر دیکھیں پھر ان کا بھاؤ پوچھا۔ کاچھن نے کہا بیگم جو چاہے دیدو۔ بھلا میں تم سے بڑھتی لوں گی۔

منجھلی۔ پھر بھی آخر معلوم تو ہو۔

کاچھن۔ دو آنہ سیر یک رسی میں ہی دونگی۔

منجھلی۔ چھوٹی لپاٹن۔ لوٹنے کو یہی گھر رہ گیا ہے۔ دنیا جہان میں تو ٹکیں ٹکے سیر تو کہے دو آنہ۔ ایسی ایسی نامرادیں یہاں آن مرتی ہیں۔ جنکو رزق نہ موت۔ بہت دنوں تک آسامی بناتی رہی۔ اب یہ داؤں یہاں چلنے والا نہیں۔ بے ایمانی تو دیکھو دگنے نہ تگنے اکھٹے چوگنے۔ اور موئی جامنوں میں جامنیں بھی تو نہیں اینٹ پتھر۔ کچی کچی اٹھالائی کے سیر کے بھی تو لائق نہیں۔

کاچھن۔ سرکار۔ زبردستی تھوڑی ہے نہ لو۔

منجھلی۔ چل مردار۔ نہ کیوں لو۔ پہلے تو بچوں کو لگا دیا اب لگی باتیں بنانے۔ لے تول آدھ سیر۔

زیادہ نہیں فصل کا میوہ سمجھکر کاچھن ایک ڈھیری لے آئی تھی جو ملا کر کے ڈیڑھ پونے دو سیر ہونگی۔ اس میں سے آدھ پاؤ تین چھٹانک تو بانگی میں ختم ہوئیں باقی میں سے آدھ سیر چھانٹیں تو اس طرح کہ جامنوں کی جان نکال لی۔ کوڑا چھوڑا۔ ایک پیسہ آگے پھینک لگی چلنے۔

ایمان کی بات یہ ہے کہ سندر بن یا ٹین سر کی کا چھن منجھلی کی داڑھی تک کو سودا کھلائے ہوئے بھلا منجھلی کے منہ کیا لگتی۔ مگر بھیڑ کی لات گھٹنوں تک دن بھر ٹخ ٹخ کرتی زردہ پھرتی اور گھر گھر جھانکتی تو شام تک چار پانچ آنے بچ جاتے۔ دو آنے کا نقصان دیکھا جیب سناٹے میں آگئی۔ پیسہ پھیر دیا اور کہنے لگی۔ بیوی میری بچی نے نہ کہا ئیں تم نے کہا ئیں پیسہ رہنے دو۔

منجھلی۔ چڑیل زیادہ پھیلے گی تو اتنی جوتیاں ماروں گی کہ عمر بھر یاد کریگی۔

ماں۔ لڑکی دیوانی ہوگئی ہے؟ اس کا مال ہے چاہے دے چاہے نہ دے۔ جوتیاں مارنے کی کیا بات ہے۔ ہاتھ بیچارے ذات نہیں بچی۔ زبان کا ٹانکا ہی ٹوٹ گیا ہے۔

بیٹی۔ بس بی بس۔ میں تمہارے منہ کے لائق نہیں ہوں۔ آئیں بڑی بیچاری وہاں سے حمایت لینے۔

ماں بیچاری تو اتنی سی بات کہکر چور بن گئی۔ بیٹی نے جو جو کچھ منہ میں آیا سب ہی کچھ کہہ ڈالا اور تو کچھ بن نہ آئی۔ میکے سے تین آدمی آچکے تھے کہ کہا وہ پردیس سدھار رہی ہے آکر ملجاؤ۔ ڈولی منگوا چلی گئی۔ ایک بج چکا ہوگا۔ میرزا ہد گھر میں آئے چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ بیوی کا پتہ نہیں۔ بیٹی سے پوچھا اس کو اس سے اچھا موقع اور اس سے بہتر وقت کون سا ملتا جو ماں سے بدلے۔ چھوٹتے ہی کہنے لگی خالہ حمیدن کے ہاں گئی ہیں۔ خالہ حمیدن وہ بشر تھیں جن سے اور میرزاہد سے تین سال سے تین برس مقدمہ لڑا۔ دونوں ایک دوسرے کی جان کے دشمن تھے خون کے پیاسے۔ آمد و رفت میل ملاپ۔ ملنا جلنا سب بند۔ حمیدن کا نام سنتے ہی میرزاہد کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ عقلمند اچھی طرح جانتا تھا کہ میرے سامنے سالے کے ہاں سے صبح سے تین آدمی بلانے آچکے ہیں اور بیوی کہہ چکی ہے کہ ذرا کھانا دے دلالوں تو آتی ہوں۔ مگر بیٹی کا کہنا خدا معلوم قرآن تھا یا حدیث کہ فوراً ہی ایمان لے آیا۔ پہنچنا تھا ہوا باہر نکلا تو ادھر سے ڈولی کو بھی آتی

اترنے سے پہلے ہی بوچھاڑ شروع کردی۔ آگے آگے بیوی۔ پیچھے پیچھے آپ اندر پہنچی تو پلنگا
چپکی کھڑی میاں کا منہ تک رہی ہو کہ یہ فرما کیا رہے ہیں۔ بات نہ چیت۔ واسطہ نہ غرض۔
غصہ کا ہیکا اور خفگی کس کی۔ لڑکی نابیچاری اتنی کم بخت اور مردار کہ ماں آٹھ آٹھ آنسو رو رہی
ہے اور آپ گردن مٹکا مٹکا کر ٹپٹے لگا رہی ہے۔ پھر والد بزرگوار اتنے بڑے سمجھدار کہ پوچھا
نہ گچھا اور بیوی کو گھر سے نکالنے تک پر آمادہ ہو گئے۔ غصہ کی کوئی حد اور خفگی کی کوئی
انتہا۔ کچھ دیر تک تو بدنصیب چپکی کھڑی دیکھتی اور سامنے بیٹھی روتی رہی۔ مگر جب دیکھا کہ
اب میاں کے منہ سے شرافت کے پھول جھڑنے لگے تو وہاں سے اٹھ کوٹھری میں گھس اندر
کنڈی لگا بیٹھ گئی بہن دوڑی آئی تو کیا دیکھتی ہو کہ بھائی غصہ میں آگ۔ بھاوج کوٹھری
میں بند اور بھتیجی دورے میں باغ باغ۔ بھاوج سامنے تھی نہیں۔ بھائی سے پوچھنا مناسب سمجھا
لے دے کر بھتیجی ہی بھتیجی نظر آئی۔ اس سے پوچھا تو وہ کیا کہتی ہے۔ جیسا کیا ویسا پایا میں صبح
کی گئی اب آئی ہیں۔ اور پہنچی کہاں اسی حمیدن کے ہاں۔

بھائی۔ آپا تم نے بھی بیویوں کے یہ ڈھنگ دیکھے ہیں۔ وہ مردار حمیدن میری جان
کی دشمن جس نے مجھکو بھیک تک منگوا دی اس کے گھر بیٹھے گئیں۔ اس سے زیادہ اور کیا ستم ہوگا۔

بہن۔ تم نے خود جاتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے آپ کہا یا کسی سے سنا۔

بھائی۔ نہ میں نے دیکھا نہ انہوں نے کہا منجھلی کہہ رہی ہے۔

سنجیدہ گو میرزا اہد جیسے بھائی کی بہن تھی مگر زمانہ دیکھے ہوئے اور منجھلی جیسی بھتیجی جنے
ہوئے۔ سنتے ہی تاڑ گئی کہ یہ صاحبزادی نے گل کھلایا ہے۔ بھائی کو دھیما کر اپنے ہاں لے گئی
کوٹھری کی کنڈی کھلوا اندر گئی تو بھاوج نے کہا آپا۔ یہ اس مردار نے مجھ سے بدلہ لیا ہے۔ میں
تو حمیدن کی صورت سے بھی واقف نہیں۔ سلیم کی دلہن رات کو ہرات جا رہی
ہیں۔ ان سے ملنے گئی تھی۔ گھڑی سواری گئی اور آئی۔ اتنا قصور ہوا تھا سندر
کی چال کو آ رہی تھی۔ میں نے منع کیا۔ اس کے بدلے اس کمبخت نے یہ آفت ڈھائی

خیر میں تو کچھ نہیں کہتی۔

سنجیدہ نے بھاوج کی رام کہانی سُن اُسے تو نہیں چھوڑا اور بھائی کو جا کر ٹھیک بنا یا کہ وہ بھی یاد کرتا ہوگا۔ مگر دور اندیش عورت بھائی کو شرمندہ کیا بھی تو اس طرح کہ بھتیجی پر زیادہ بات نہ آنے دی۔ ورنہ مرزا ور غصے میں بھرا۔ خدا معلوم کیا کر بیٹھتا۔ بھائی شرمندہ صورت اپنے اوپر لعنت ملامت اور لعنت بھیجتا ہوا باہر گیا تو ماں بیٹیاں اور پھوپھی بھتیجیاں چاروں ایک جگہ بیٹھے تھے۔ سنجیدہ نے منجھلی سے تو بات کی نہیں مگر نسیمہ کی طرف دیکھکر کہا۔

(۱۴)

دنیا میں جھوٹ سے بڑا عیب کوئی نہیں اور آج کل لڑکیوں میں یہ عام طریقہ ہے کہ اس کی بالکل ہی پروا نہیں کرتیں۔ ان بیوی کا تو کچھ نہیں بگڑا۔ ایک بات تھی منہ سے نکالدی نتیجہ یہ ہوا کہ گھر میں خون خرابے پڑ گئے۔ جھوٹا آدمی سب کی نظروں میں ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ دنیا کی کسی بات پر ہمیشہ پردہ نہیں پڑا رہتا۔ کسی نہ کسی وقت کیسا ہی بھید کیوں نہ ہو ظاہر ہوکر رہتا ہے۔ جھوٹی بات کا پہلے پہل تو سب یقین کر لیتے ہیں لیکن جب کھل جاتی ہے اور پتہ چل جاتا ہے اس وقت سے جھوٹے کی وقعت بالکل جاتی رہتی ہے۔ اس کی سچی بات کا بھی کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ خدا نہ کرے کہ کسی لڑکی میں یہ عیب ہو جس محفل میں ذکر ہوتا ہے سب ایک منہ ہوکر کہتے ہیں وہ تو بڑی لپاٹن ہے۔ اگر تم سے کوئی قصور ہو جائے اور تم کو یہ یقین ہو کہ اس کے اقرار میں بڑی آفت اور سخت مصیبت کا سامنا ہے تو بھی آنکھ بند کرکے صاف صاف کہدو سانچ کو آنچ نہیں نہیں تو یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ قصور تو ظاہر ہو کر رہیگا۔ البتہ اس قصور کے ساتھ جو اتفاق سے ہو گیا۔ یہ دوسرا قصور جھوٹ کا اور کہلا جو جان بوجھ کر کیا اور دیدہ و دانستہ بولا۔ قصور جتنے ہیں سب معاف کرنے کے قابل۔ مگر جھوٹ ایک ایسا قصور ہے جو کسی حال میں معاف نہیں ہو سکتا۔ جھ

لڑکی سدا سچ بولے اس کی عزت سبحان اللہ سب اس سے محبت کرتے ہیں۔ مجھکو اس وقت ایک بات یاد آئی آنحضرت صلعم کے بعد جو مسلمانوں میں چار بادشاہ ہوئے ہیں جنکو خلیفہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ رسول خدا کے جانشین تھے۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ عمر فاروقؓ۔ عثمان غنیؓ۔ علی مرتضیؓ۔ ان میں سے دوسرے خلیفہ عمر فاروقؓ جن کے رعب سے بڑے بڑے بادشاہ تھراتے تھے اُن کے زمانہ کا ذکر ہے۔ ایک روز بھرے دربار میں جبکہ چاروں طرف عہدہ دار جمع تھے اور بزرگ آدمی موجود۔ ایک شخص ایک دوسرے شخص کو پکڑے حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔ امیرالمومنین (مسلمانوں کے سردار) اس شخص نے میرے باپ کو مار ڈالا۔ حضرت عمر نے اس پکڑے ہوئے شخص سے پوچھا۔ اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا اور کہا یہ سچا ہے۔ میں ایک پتھر مارتا تھا ایسا لگا کہ مرگیا۔ جب مجرم نے اقرار کر لیا تو مقدمہ صاف تھا۔ گواہ موجود تھے۔ حکم ہوا کہ بدلا لیا جائے اور قاتل کو موت کی سزا دیجائے۔ جلاد حاضر ہوا تو مجرم نے کہا خلیفۃ المسلمین (مسلمانوں کے خلیفہ) چار روز کی اجازت دیدیجئے۔ میرے پاس ایک یتیم بچہ کی امانت ہے جو اس کا باپ مرتے وقت میرے سپرد کر گیا تھا وہ ایسی جگہ دفن ہے جس کا حال میرے سوا کسی کو معلوم نہیں اب میں مرتا تو ہوں ایسا نہ ہو بن باپ کے بچہ کا مال میرے ذمہ رہجائے اور میں پکڑا جاؤں حضرت عمر نے فرمایا اگر کوئی تیری ضمانت دے تو چلا جا۔ یہ حکم سنتے ہی اس کی حسرت بھری نظر سب سے پہلے جس پر پڑی وہ ایک بزرگ آدمی تھے۔ ان سے کچھ کہا نہ سنا۔ حضرت عمر سے عرض کیا کہ یہ میری ضمانت دیں گے۔ اب ان بزرگ کا حال سُنو وہ کون تھے پیغمبر خدا کے دوست اور اُن کے ساتھ رہنے والوں میں۔ فاروق اعظم یعنی حضرت عمر نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ فرمانے لگے " ہاں میں ضامن ہوا "۔

قاتل چھوڑ دیا گیا تین دن گذر گئے چوتھے دن ٹھیک اسی وقت دربار فاروقی گرم تھا۔ مدعی نے جس کا باپ مارا گیا تھا عرض کیا امیرالمومنین قاتل کو آپنے چھوڑ دیا۔

میں آپ سے لے لوں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر قاتل ابھی حاضر نہ ہوا تو ان بزرگ پر قصاص ہے۔ ان کو وہی سزا دیجائیگی۔ یہ حکم سنتے ہی سب دنگ رہ گئے۔ دفعتہً قاتل ہشاش بشاش حاضر ہوا اور کہنے لگا امیر المومنین خلیفۃ المسلمین۔ الحمد للہ میں امانت سے سبکدوش ہوا۔ جلاد کو حکم دیجیئے کہ اب دیر نہ کرے۔ اس شخص کی یہ گفتگو سنکر اہل تمام درباری اور خود حضرت عمرؓ سب سناٹے میں تھے۔ پوچھا کہ یہ بزرگ تیرے کون ہیں جنہوں نے ضمانت دی۔ ان بزرگ سے پوچھا کہ آپ کو اس کی حاضری کا کیونکر یقین ہوا جو ضامن ہوئے۔ قاتل مسکرایا اور کہنے لگا۔ فاروق اعظم تعجب نہ کیجیے میں نظر پڑتے ہی سمجھ گیا تھا کہ مسلمان اور اتنے بڑے ضرور رسول اللہؐ کی خدمت کی ہوگی۔ ایک مسلمان کو مدد دینے میں دریغ نہ کریں گے۔ اب ان بزرگ کی باری آئی فرمانے لگے۔ میں نے اس شخص کو اس وقت سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مگر جس وقت اس نے مجھکو ضمانت میں پیش کیا ہی مجھکو یہ یقین تھا کہ مسلمان ہی مسلمان ہو کر جھوٹ نہ بولیگا۔ درباریوں میں سے ہر شخص نے اس قاتل کی سچائی پر تعریف کے نعرے بلند کئے اور درخواست کی کہ اسے چھوڑ دیجیے قتل کا روپیہ ہم ادا کرتے ہیں مگر مدعی نے خوں بہا لینے سے انکار کیا اور کہا ایسے سچے شخص کو میں نے اپنے باپ کا خون معاف کیا۔

یہ صرف سچ بولنے کا نتیجہ ہے۔ چاہے جان جاتی رہے مگر زبان سے جھوٹی بات نہیں نکلنی چاہیئے۔

پھوپی کی اس گفتگو کا کوئی نتیجہ یا اثر لاحول ولا قوۃ الا باللہ منجھلی جس کا نام تھا اسکو اتنی بھی خبر نہ ہوئی کہ یہ باپ سے بڑی پھوپھی کیا کہہ رہی ہیں۔ چین سے بیٹھی ہنستی رہی۔ بہت جی گھبرایا تو اٹھی چبوترے کا ایک آدھ چکر لگایا اور پھر وہیں آن بیٹھی۔ ایمان کی بات پوچھو تو خود پھوپھی ہی کو کیسا یقین اور کس کا شبہ وہم و گمان تک نہ تھا کہ یہ کان دھر کر میری بات سنے گی۔ اس کی غرض اور خواہش جو کچھ بھی سو یہ کہ کسی طرح دل کی بھڑاس نکال لوں۔ کہہ چکی تو بچی کو ساتھ لے اپنے گھر چلی گئی۔

لڑکیوں کے واسطے غیرت اور حمیت بڑی چیزیں ہیں خدا نہ کرے کہ کسی بیٹی پر منجھلی کا پرچھاواں پڑے۔ اس دن کے بعد سے ماں غریب نے تو بات کرنی ہی چھوڑ دی۔ مگر ہاں مامتا کا جوش یا موقع و محل کی مصلحت اتنا ضرور کیا کہ میاں کے کان تک اس کی بدعنوانیاں نہ پہنچائیں اور الٹا اس دن کا الزام بھی پورا نہیں تو آدھا پاؤ اپنے ہی سر تھوپ لیا۔ یہ اس کی غلطی بیوقوفی مجبوری کچھ بھی ہو تاہم ہم بھی کہیں گے کہ اگر علم ہو جاتا تو باپ ایسی ناہنجار بیٹی کا آیندہ یقین نہ کرتا۔ اور اگر زیادہ نہیں تو اتنا فایدہ منجھلی کو بھی ہوتا کہ وہ پھر کبھی اتنی بڑی جرات نہ کرتی۔ سچی بات یہ ہے کہ ادھر تو رہی تعلیم سے کوری ادھر ماں نے توجہ کی نہیں صحبت ملی خراب چھوٹی چھوٹی عادتیں میل کا بیل بن گئیں۔ اگر خدا سمجھ دیتا تو کچھ بڑی بات نہ تھی کہ ماں شروع ہی سے ان نالائق لڑکیوں کو گھر میں نہ گھسنے دیتی۔ صبح ہوئی اور محلہ بھر کی بدتمیز ناہنجار اتیاں ضیاں کوئی بھٹیارے والی ہے تو کوئی سقنی۔ ادھر ادھر سے آجھٹیں۔ وہاں نسیمہ نماز سے فارغ ہو قرآن شریف پڑھ رہی ہے اور یہاں آنکھ مچولی ہو رہی ہے۔

(۱۵)

میرو بھٹیارے نے ایک دن اپنے پیر پھکپنی شاہ کی دعوت کی۔ سیر بھر گوشت۔ ڈیڑھ سیر چاول بیوی کو لاکر دیئے۔ وہ بیچاری گوشت کو چینی سے ڈھانک چاول پوٹلی میں باندھ پیاز لینے کوٹھری میں گئی۔ لڑکی چاول کھول تین چار مٹھیاں جھولی میں ڈال آٹھ دس بوٹیاں اچھی اچھی چھانٹ منجھلی کے ہاں پہنچی۔ ماں کوٹھری میں سے نکلکر دیکھتی ہے تو چاول اور گوشت دونوں غائب۔ برقع اوڑھ پیچھے پیچھے آئی تو بی منجھلی ہنڈکلیا چولھے پر رکھ آگ پھوں پھوں کر رہی تھیں۔ بیٹی کو تو خیر جو منہ میں آیا سناتی رہی مگر منجھلی کو بھی ساتھ ہی ایسی کھری کھری کہیں کہ کوئی دوسرا ہوتا تو چینی بھر پانی میں ڈوب مرتا۔ مگر بے غیرتی ہو تو اتنی کہ اس کے کہاویں بھی نہیں۔ بھٹیاری چیخی چنگی تو اتنا فایدہ تو ہوا کہ یک تھک آدھی پاؤ

اونے پونے چاول گوشت لے لوا گھر آگئی۔ مگر منجھلی کیا چوکنے والی بشر تھیں ماں کی آنکھ بچا
کوٹھڑی میں گھس۔ گڑ۔ گھی۔ چاول۔ کھانڈ۔ جو ہتے چڑھا نکال لائی۔ ماں جو کسی ضرورت
سے اندر گئی تو کیا دیکھتی ہے چاول پھیلے ہوئے۔ گھی گرا ہوا۔ کھانڈ کی ہنڈیا ٹوٹی ہوئی سمجھ
تو فوراً گئی مگر بیٹی کی جان کو صبر کر چکی ہو بیٹھی۔ منجھلی کس کی بیٹی اور کس کی پوتی لیکن نصیبوں پیٹی
شروع ہی سے کچھ ایسی صحبت میں بیٹھی کہ جو کام کیا وہ بے ڈھنگا اور جو بات کی وہ بے تکی۔
کھیل کھیلے تو کمبخت ذلیلوں کے۔ ریس کی تو موئے فقیروں کی۔ ہاتھ میں کانٹا گود میں ترٹا۔ پاؤں ہے
کہ زمین پر چھپا چھپ چل رہا ہے۔ سر پر چھپیا ہاتھ میں گنے۔ بغل میں پنکھا۔ گنڈیریوں کی
آواز لگ رہی ہے۔ خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے کہ ایک ان سقنی والی نے کہا آؤ بی منجھلی بیگم چور چور
کھیلیں۔ تم تو بنو چور۔ ستمو میں سپاہی اور ہم صاحب۔ دیکھو وہ جو تمہاری الماری میں نارنگیاں
رکھی گئی ہیں اس طرح چرا لو کہ ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو۔ منجھلی بیگم کو کیا عذر تھا۔ پان کے
بہانے پٹاری پاس آئی اور اٹھتی دفعہ نارنگیاں جھولی میں ڈال رفو چکر۔ کھیل کا تو تھا بہانہ
مطلب تھا نارنگیاں کھانا۔ مفت کا مال ان موئیوں کیا برا تھا۔ تینوں چار نے مل کر دسوں
ختم کیں۔ مزہ یہ تھا کہ کولے کٹھے ناگپوری کے وہ بھی بازار کے نہیں سوغات کے۔ رات کو میرزا
نے مردانے میں منگوائے۔ گھر والی جا کر دیکھتی ہے تو الماری صاف۔ نارنگیوں کے بدلے اللہ
کا نام۔ بھیجیں کیا اپنا سر۔ کونہ کونہ چپہ چپہ ڈھونڈھ ڈالا۔ سوئی تو تھی نہیں جو چھپ جاتی۔
ادھر میاں ہیں کہ آدمی پہ آدمی۔ تقاضے پر تقاضا۔ ادھر بیوی ہیں کہ چور بنی بیٹھی ہیں۔ جب کچھ
سمجھ میں نہ آئی تو دوڑی دوڑی نند کے پاس آئیں اور لگیں قسمیں کھانے کہ آپا جل جائے
زبان جو ایک پھانک بھی کھائی ہو۔ یہ سب منجھلی کے بھینٹ چڑھ ہیں۔ اب بتاؤ کیا
کروں۔ میں تو ایسی ذلیل عمر بھر نہیں ہوئی۔ دونوں نند بھاوجیں ایک دوسرے
کا منہ دیکھنے لگیں۔ میرزا لاکھ بیٹی سے الگ رہتے ہوں مگر اس کے گنوں سے
اچھی طرح واقف تھے۔ دیر پر تو غصہ آیا تھا۔ مگر جب بالکل ہی ناامیدی ہوئی تو

سمجھ گئے۔ دل ہی دل میں جل بھن چپ ہو رہے۔

(۱۶)

ہوتی شدتی رمضان کا مہینہ تھا۔ چوتھا یا پانچواں روزہ ہوگا نسیمہ اُگالدان لینے
ماں کے ہاں آئی۔ چلنے لگی تو بہن نے بلا اپنے پاس بٹھا لیا۔ پانچ چھ لڑکیاں اور بھی
تھیں نسیمہ کا بھی اُن کی باتوں میں دل لگ گیا۔ ایسی بیٹھی کہ دوپہر ہو گئی اور اُٹھنے کا نام
نہیں۔ پھوپھی نے آکر دیکھا تو انجو والی کلو سے گھٹ گھٹ کر باتیں ہو رہی ہیں۔ بلا کر ساتھ
لے گئی اور گھر لیجا کر کہا۔ بیٹی تم اُگالدان لینے گئیں تھیں یا وہاں بیٹھنے۔ یہ رذیل بدتمیز لڑکیاں
مجھے تو ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ تمہیں ان کے پاس بیٹھنا کیا ضرور تھا۔ بھلے کے پاس بیٹھے چبائے
ناگر پان۔ برے کے پاس بیٹھے کٹائے ناک اور کان۔ سوائے اس کے کہ اُن کی خراب
عادتوں کا اثر تم پر بھی پڑے اور کوئی فائدہ مجھکو نظر نہیں آتا۔ خربوزے کو دیکھکر خربوزہ
رنگ پکڑے۔ آدمی کو دیکھکر آدمی ڈھنگ پکڑے۔ تم کو اُنکی بیہودہ حرکتیں دیکھکر اُن سے
بچنا اور پرہیز کرنا چاہیئے۔ نہ یہ کہ اُن کی رفیق بنکر اُن ہی میں گھس بیٹھو۔ تھالی گری جھنکار
ہوئی۔ کیا خبر بھری تھی یا خالی۔ دیکھنے والے تو یہ سمجھیں گے کہ یہ بھی اُن ہی جیسی ہی جاہل
کلثوم کا حال سُن چکی ہو۔ ایک تیلن کی صحبت نے عزت آبرو سب پر پانی پھیر دیا۔ بہتیرا
ہی سب نے منع کیا۔ مگر جب دیکھو وہیں گھسی ہوئی۔ اس کا باپ تھا چور۔ شیخ دھومی کے
یہاں ہوئی چوری تلاشی اُن کے ہاں بھی ہوئی۔ مال ملا نہیں پولیس کا نام سُنکر وہاں
سے بھاگ اپنے ہاں آئی۔ تھانہ دار کو ہوا شبہ وہاں سے اُٹھ سیدھا اُن کے ہاں
ایک ذرا سی بات تھی مگر جس وقت خالہ کے گھر کی تلاشی ہوئی ہے محلہ بھر نے دانتوں میں انگلیاں
دے لیں۔ یاد رکھو بُرے کی صحبت میں بیٹھنے سے سوا بُرائی کے اور کچھ نہیں ملتا۔ اگر ایک
رومال میں تھوڑے سے پھول رکھو تو رومال پھول نہیں ہو جاتا مگر پھولوں کی صحبت کا اتنا
اثر ضرور ہوتا ہے کہ رومال میں بھی خوشبو پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی گلدستے کو غور سے دیکھو خوش رنگ

پھولوں کے ساتھ گھانس پھونس پر بھی عجیب ونق ہو جاتی ہے۔ ذرا اپنے ہاتھ دیکھنا۔ سونے کی پونچیاں اور یہ معمولی ڈورا۔ مگر سونے کی وجہ سے اس ڈورے کی وقعت کچھ اور ہی رہی ہے۔ ساتھ ایسے لوگوں کا اختیار کرنا چاہئے جو سچے ہوں اور اچھے۔ نہ یہ کہ مکار اور نا ہنجار۔ لڑکا ہو یا لڑکی۔ پڑی ہوئی عادت اور لپکا پھر چھٹائے نہیں چھٹتا۔ تمہاری آپا کیوں بگڑیں صحبت ہی کی وجہ سے ناس ہوا یا اور کچھ۔ رات دن جب دیکھو یہی کمینی لڑکیاں موجود ہیں۔ محلے میں اتنے بھلے مانس ہیں کبھی ان میں سے بھی کسی لڑکی کو آتے دیکھا۔ میں تو اس دن گڑیا کے بیاہ میں دیکھ رہی تھی کہ بڑی سے چھوٹی تک جو تھی وہ ایسی ہی۔ نام کو کسی اشراف کی لڑکی نہ تھی۔ سچ پوچھو تو موری کا کیڑا موری ہی میں خوش رہتا ہے۔ خود منجھلی کا دل انہیں میں لگتا ہے۔ وہ بھلے مانسوں کی قدر کیا جانے بیٹی اب کبھی جا کر نہ بیٹھنا۔

(۱۷)

سنجیدہ کی چچا زاد بہن پڑھی لکھی۔ عربی فارسی کی خاصی اچھی عالم فاضل پانچ برس کے بعد بیت اللہ سے واپس آئیں۔ آکر دیکھتی ہیں تو محلہ میں کچھ رنگ ہی اور چھایا ہوا ہے کیا کواری اور کیا بیاہی۔ جو لڑکی ہے مذہب سے غافل۔ خدا سے لاپروا کیسی نماز اور کس کی خیرات۔ کہاں کا روزہ اور کدھر کی زکوٰۃ۔ دن ہو یا رات بیہودہ خرافات۔ بچہ ہو یا جوان فرعون بے سامان۔ ان بیچاری کے تو دیکھکر کان کھڑے ہو گئے تین چار دن تو خون کے سے گھونٹ پی کر چپ ہو گئیں۔ جمعہ کے روز ظہر کے بعد وعظ کے بلاوے بھیجدیئے۔ دور دور سے بیویاں آکر جمع ہوئیں۔ استانی جی نے وعظ شروع کیا۔

بہنو، بیٹیو! میں تم سب کی بہت احسانمند ہوں کہ اپنے اپنے کام کاج بند کئے اور میری درخواست پر یہاں جمع ہو گئیں۔ چلو اس بہانہ سے ملاقات تو ہو گئی۔ اس لحاظ سے تو میں ضرور خوش ہوئی کہ تم سب کو اب تک میرے ساتھ وہی محبت ہے جو چلتے وقت تک تھی لیکن یہ دیکھکر مجھکو بڑا افسوس ہوا کہ میں نہ کہیں ایک پانچ ہی برس کے عرصہ میں

نہ وہ آسمان رہا نہ وہ زمین سب چیزیں بدل گئیں۔ میں نہیں چاہتی کہ لڑکیاں پرانی لکیر کی فقیر بنی رہیں۔ زمانہ کا رُخ دیکھکر کام کرو۔ مگر نہ ایسا کہ دوسرے کی ریس میں اپنی اصلیت بھی کھو بیٹھو۔ کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا۔ کون کہتا ہے کہ انگریزی جوتی پہننی حرام۔ مگر ہاں یہ میں کہتی ہوں اور کھلم کھلا کہتی ہوں کہ نماز کے وقت گراموفون سننا ناجائز قطعی۔ نام لینے سے کیا فائدہ۔ مگر کل ایک کواری لڑکی کو دیکھا کہ آب رواں کا کرتہ ململ کی اوڑھنی۔ نیک بخت تو معاف کرنا تمہارے کان ننگے۔ تمہارے پاؤں خالی تمہارے ہاتھ سونے سے ہوں تو ہوں۔ مگر تمہارا سب سے بڑا زیور شرم و حیا عفت و عصمت ہے۔ یہ وہ چیز ہے کہ سینکڑوں ہزاروں کیا بلکہ لاکھوں کروڑوں روپے کے جواہر اس پر سے قربان۔ بُرا نہ ماننا۔ اس آب رواں سے گاڑھے کا کرتہ اور وہ ہوتر کی چادر ہزار درجہ بہتر ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ میں تعلیم نسواں کی ہمیشہ موافق رہی۔ ہاتھ پاؤں سے جو کچھ بھی ہوسکا اور جتنا کچھ بھی ہوسکا اسی میں لگی لپٹی رہی۔ دو چار حرف جو آتے تھے اس کے بتلانے میں کبھی دریغ نہ کیا۔ مگر میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ مذہب کو پیٹھ کے پیچھے ڈالدو۔ سُن لو اور یاد رکھو۔ جن قوموں نے دنیا میں ترقیاں کیں اور جن لوگوں کو آج ہر قسم کی عزت حاصل ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ اور کہتے کیا ہیں اُن کو کہنا پڑتا ہے کہ مذہب سے الگ آدمی جانور سے بدتر ہے۔ تعجب ہے کہ تم سب کی سب اپنی ترقی اور اصلاح کی اتنی کوشش کر رہی ہو کہ اس چار دن کے عرصہ میں جب سے میں آئی ہوں وہ جلسہ سُن چکی ہوں۔ مگر کیا تم اس کو ممکن سمجھتی ہو کہ اپنے سچے مذہب کو چھوڑ کر کسی لائق ہو جاؤ اور اچھی بن سکو۔ جب اتنی موٹی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی تو تم کیا خاک ترقی کرسکتی ہو۔ لڑکی ہو یا بڑی عورت بلا ایمان ایک پھول ہے جس میں نام کو خوشبو نہیں نہ وہ بات کرنے کے قابل نہ اس کی بات سُننے کے لائق۔ میں مسلمان ہوں اور میرا عقیدہ ہے کہ دنیا کی درستی جب تک نہ ہوگی۔ دین درست نہیں ہوسکتا۔ میں مقبلے لا پرواہ ہونا اور دین کی آڑ میں دنیا لینی سخت گناہ سمجھتی ہوں کیا کروں میرا سچا مذہب میری

مقدس کتاب مجھکو یہی بتا رہی ہو کہ ہم یہ دعا کریں الہٰی دین اور دنیا کی خوبیاں ہم کو دے اب دنیا کی خوبیوں سے علیحدہ رہنا اور محض دین ہی دین پر صبر کرلینا پرلے سرے کی احسان فراموشی اور حد درجہ کی غلطی ہے۔ اب تم کو یقین ہوگیا کہ میں ہرگز ہرگز اس خیال کی آدمی نہیں ہوں کہ دنیا کو فانی بتا کر تمہیں اس کے کاموں سے روکوں۔ لیکن اے اللہ کی بندیو! ذرا آنکھ ملا کر بات کرو۔ جلسہ کے واسطے تو گھر کو نہایت آراستہ و پیراستہ کیا۔ فرش فروش۔ دری۔ چاندنی میز کرسیاں خوب بچھائیں اور خوب سجائیں مگر کبھی اس گھر کے آراستہ کرنے کا بھی خیال آیا۔ جہاں سدا سدا رہنا ہے۔ بڑا خطرناک سفر ہے اور جانا ضرور۔ راہ کٹھن منزل کڑی۔ سنگ نہ ساتھی۔ اکیلی جان اللہ نگہبان۔ ڈولیاں لگی کھڑی ہیں اور جانیوالیاں صبح و شام چلی جا رہی ہیں۔ تمہارے اوپر دنیا میں دو قسم کے حق ہیں ایک خدا کا اور دوسرا بندوں کا اگر خدا کے حق ادا کرنے میں غفلت کرو گی تو سزا کے بعد یا سزا سے پہلے غرض اس کے معاف ہونے کی امید ضرور ہے۔ اور اس لئے ہو کہ ایک ایسے زبردست بادشاہ کی خطا ہے جو بہت بڑا رحم کرنے والا ہے اور جس کے حق سے ادا ہونا آسان کام نہیں اس لئے جہاں تک ہو سکے کوشش کرو کہ کوئی قرض باقی نہ رہجائے اور یہ یقین رکھو کہ وہ مالک حقیقی شفیق رفیق۔ عزیز رحیم سب ہی کچھ ہے اپنے فضل و کرم سے بیڑا پار کردے گا۔ اب رہا دوسرا حق یعنی بندوں کا وہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ ماں باپ بہن بھائی عزیز اقارب۔ ہمسایہ۔ پڑوسی نوکر۔ ماما۔ سائل فقیر وغیرہ وغیرہ۔ غرض جتنے آدمیوں سے کچھ بھی واسطہ ہے اگر ان میں سے کسی کا ذرہ بھر حق رہ گیا اور کسی کو رتی بھر بھی تکلیف پہنچ گئی تو اس بات سے بالکل ناامید ہو جاؤ کہ وہ نکتہ نواز ہو۔ اس کو اپنے معاملہ میں چاہو وہ درست مگر پرائے معاملوں میں وہ رحم نہ کرے گا۔ کیسے خوف کا وقت ہو کہ خدا جیسا مہربان جو ہر وقت اور ہر حال میں مددگار رہا اسنے اگر بندوں کو کسی معاملہ میں ناامید کیا ہو تو صرف اسی معاملہ میں۔ اب بتاؤ اس سے زیادہ ذمہ داری کا کام اور کون سا ہوگا۔ ذرا مجھ کو بھی تو بتاؤ تم میں سے

کتنی لڑکیاں ایسی ہیں کہ ماں باپ اُن سے راضی بہن بھائی اُن سے خوش۔ عزیزوں پر مہربان غریبوں پر رحم۔ ہمسایہ سے نیکی۔ حاجتمندوں سے سلوک۔ سچ پوچھو تو مجھ سمیت کوایاں دو بیاہیاں بالیاں اور بوڑھیاں یہاں تو جتنی بیٹھی ہیں سب نور علیٰ نور جھوٹ۔ مکر و دغا۔ دہوکا اُلٹے ہاتھ کا کھیل ہے۔ کسی سے فریب کسی سے چال۔ اس کو بھڑکایا اس کو لڑوایا۔ یہاں لگائی وہاں بجھائی۔ غرض صبح سے شام تک یہی شغل اور یہی کام۔ کمزور پر غصہ آیا تو کھا جانے کو تیار۔ جانوروں سے مزاج بگڑا تو مار ڈالنے کو آمادہ۔ کیوں میری بچیو اسی برتے پر ترقی کی کوشش اور اسی بوتے پر اصلاح کے جتن۔ پہلے اپنے تئیں درست کرو۔ پھر دوسروں پر نظر ڈالنا پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ آدمی بنجاؤ۔ پھر یہ سب باتیں معلوم ہوں گی ابھی تو یہ حالت ہے کہ اپنی غرض ہوئی تو چماری تک کی خوشامد کر لی۔ دوسرے کا کام آکر اٹکا تو سیدھے منہ بات کرنی گناہ۔ پرسوں کے جلسہ میں ایک بات سنکر بہت ہی افسوس بلکہ صدمہ ہوا مسلمانوں کی بیٹیاں مسلمانوں کی پوتیاں مسلمانوں کے گھر میں مسلمانوں کے ہاں پلیں مگر اچھا اسلام کو بٹہ لگایا سنتی ہوں اودہر برابر کی مسجد میں مغرب کی نماز ہو رہی تھی۔ اُدہر جلسہ میں گراموفون بج رہا تھا۔ خیال تو کرو چند اللہ کے بندے دن بھر کے تھکے ہارے کام کاج سے فراغت پا کر اپنے معبود حقیقی کے حضور میں سچے دل سے عبادت کو حاضر ہوں اور تم اسی حالت میں داغ کی غزل کے مزے لوٹو۔ آخر بتاؤ تو سہی تم نے مذہب کو کیا ہنسی ٹھٹا سمجھ رکھا ہے۔ مرنا ہے رہنا نہیں اور مرنے کے بعد ایک دربار میں پیش ہونا ہے۔ جانتی ہو وہ کیسا دربار ہے۔ ایک منصف حقیقی تخت عدالت پر ہوگا۔ یہ سب تمکنت اور بل تکلے کے بل کی طرح نکل جائیں گے۔ یہ مال متاع دولت حشمت جس نے فرعون بنا دیا یہیں کی یہیں رہجائے گی ایسی چیز جمع کرو جو وہاں بھی ساتھ جا سکے۔ میری بیٹیو وہ بڑا نازک وقت ہوگا نہ کسی کی سفارش کام آئیگی نہ کوئی مددگار ہوگا۔ مظلوموں کی دعا لو کہ یہاں پھولو پھلو اور وہاں بیڑا پار ہو۔ عصر کی اذان ہو رہی ہے جاؤ اور احکم الحاکمین کی درگاہ میں سر جھکا کر سچے دل سے توبہ کرو اور عزم ارادہ کر لو کہ جب تک دم میں دم ہے ایسی زندگی بسر کریں گے کہ

دیکھنے والے تعریف اور سننے والے واہ واہ کریں۔

(۱۸)

عصر کے وقت تو اُستانی جی نے وعظ ختم کیا۔ مغرب کی نماز سے فراغت پا کر بیٹھیں تو خیال آیا سب سے مل لی۔ مگر چھوٹی بیگم نہیں آئیں۔ ان سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے چلو میں خود ہی کیوں نہ چلی چلوں۔ تین گھر بیچ چوتھا گھر چھوٹی بیگم کا تھا وہاں پہنچیں تو بڑی بیگم بیٹھی پان کھا رہی تھیں۔ اُستانی جی کو دیکھتے ہی نہال نہال ہوگئیں۔ اٹھیں عزت سے لائیں خاطر سے بٹھایا۔ خاطر مدارات ایسی کہ بچھی جاتی تھیں آؤ بھگت اتنی کہ پان پر پان اور زردہ پہ زردہ۔ ادہر ادہر کی باتیں ہو چکیں تو اُستانی جی نے کہا بچی، کہاں ہے آج وعظ میں بھی بہت دیکھا۔ ملنے کو جی تڑپ رہا ہے۔ میں نے کہا چلو میں ہی چلکر مل آؤں۔

بیگم صاحبہ۔ وعظ میں جانے کو تو وہ بھی کہہ رہی تھی۔ مگر میں نے مناسب نہ جانا سیانی بیٹی کو کہاں کہاں لئے پھروں۔

استانی جی۔ میری نظر میں تو ابھی وہی بچہ ہے۔ کل ہی کی تو بات ہے کہ پاؤں پاؤں پھرتی تھی۔ بڑی ہو گئی تو کیا ہرج تھا وہاں تھا ہی کون غیر آپس ہی کی لڑکیاں بالیاں جمع ہو گئی تھیں۔ اور اگر غیر بھی ہوتا تو کیا تھا مجھے تو کوئی نقصان نہیں معلوم ہوتا۔

بیگم صاحبہ۔ یہ تو آپ کا فرمانا درست ہے۔ مگر پھر بھی ہشیار لڑکی کا باہر نکلنا حاصل کیا۔

استانی جی۔ آپ نے اس میں کیا خرابی دیکھی۔

بیگم صاحبہ۔ کچھ بڑوں ہی سے یہ رسم چلی آتی ہے۔ کچھ تو فایدہ دیکھا ہی ہو گا جو رکھی۔

استانی جی۔ ایک تو یہ خرابی سمجھی ہو گی کہ غیر محلہ پرایا گھر انجان لوگ سیانی لڑکی کا ناواقف لڑکیوں کی صحبت میں جانا اچھا نہیں۔ یہ وجہ تو بہت معقول ہے مگر وہ اپنا ہی محلہ دیکھا بھالا گھر جانے بوجھے لوگ اور جب آپ خود ساتھ تھیں تو کیا قباحت تھی دوسری خرابی یہ ہو گی کہ جب لڑکی بڑی ہوئی تو نسبت ناتے کا وقت آیا۔ لوگ دیکھیں گے تو عیب و ہنر

سے آگاہ ہوں گے صورت شکل کو پرکھ لیں گے۔ کالی بدصورت ہی تو سب کو معلوم ہو جائیگا کون قبولیگا سو بیگم صاحب معاف کیجئگا۔ اس سے زیادہ بے ایمانی اور کیا ہو سکتی ہے کہ بیٹی کا عیب اس کی بدصورتی کھلنے نہ پائے اور کسی نہ کسی طرح گھیر چپیک کر دوسرے کے سر منڈھ دیں ناخوش نہ ہوجیئگا۔ یہ میں آپ ہی کہہ رہی ہوں کہ سمجھدار لڑکی کا غیر عورتوں کی صحبت میں آزادی سے جانا اچھا نہیں ہے۔ اتنی ڈھیلی ڈوری ہرگز نہیں چھوڑنی چاہیئے مگر اتنی قید بھی اچھی نہیں۔ یہ تو مسلمانوں کا کام نہیں یہی آج میں وعظ میں سنتے رہی تھی کہ جس طرح ہو ایمان درست کرو۔ کواری لڑکیوں کو بدتمیز عورتوں اور بے ڈھنگی لڑکیوں کی صحبت سے بچانا بیشک بہت دوراندیشی کی بات ہے لیکن آج کے وعظ میں نہ لانے کا سبب ہے تو نہیں معلوم ہوتا اور کچھ ہو تو مجھے خبر نہیں۔ بیگم صاحبہ میرا خیال تو یہ ہے کہ بیٹی کے بیاہ کے وقت بیٹے والیوں کو خوب اچھی طرح بیٹی کو دیکھ لینے کی اجازت دیدینی چاہیئے تاکہ پیچھے بے ایمانی کا الزام نہ لگے اور سچ پوچھئے تو معاملہ کے معنی یہی ہیں۔ اب اجازت دیجئے۔ دیکھئے اگر موقع ہوا تو کل ول پھر آؤں گی۔ میری طرف سے دعا کہدیجئگا۔

اس وقت تو استانی جی چلی گئیں مگر اگلے زمانہ کی آدمی دل کی صاف وضع کی پابند صبح کی نماز سے فراغت پا قرآن شریف پڑھ پھر آگئیں۔ اترتے ہی دیکھتی ہیں تو لڑکی بیخبر پڑی خراٹے لے رہی ہے۔ استانی جی کی صورت دیکھتے ہی بڑی بیگم صاحبہ نے بیٹی کو جگایا۔ اور کہا ننھی استانی جی صاحبہ رات کو بھی تشریف لائیں۔ اب بھی آئیں اٹھو ہاتھ منہ دھو کر ملو۔ کل سے جی اچھا نہیں ہے اس واسطے لیٹی ہوئی ہے۔

لڑکی اٹھی تو سہی مگر کس طرح۔ تیوری چڑھی ہوئی۔ مزاج بگڑا ہوا۔ آکر بیٹھی ادھر ادھر کی باتوں سے چھٹی ہوئی تو استانی جی کیا چوکنے والی تھیں فرمانے لگیں۔

بیٹی مجھے تو بڑا ہی تعجب ہوا۔ مغرب کے وقت سے پڑکر سوئی اور سوا پہر دن چڑھے سوکر اٹھو چھوٹی بیگم تم نے تو وہی مثل اصل کردی۔ چراغ میں بتی پڑی لاڈو میری

تخت چڑھی۔ نیند کیا ہوئی بلائے جان ہوگئی نور ظہور کا وقت نماز نہ قرآن۔ خدا نہ رسولؐ۔ پڑے اینڈ رہے ہیں۔ ایسی سستی بھی کس کام کی۔ لڑکیوں کا کام یہ ہے۔ جاڑے کی پہاڑ سی راتیں گھر کے کام دھندوں سے چھٹکارا پا عشا کی نماز پڑھ کر کوئی کتاب لے بیٹھیں۔ آپ پڑھی دوسروں کو سنائی۔ دس گیارہ بجے سوئے۔ نماز کے وقت اٹھ بیٹھے۔ سویرے اٹھنے سے بڑا فایدہ تو یہ ہے کہ دن بھر آدمی چونچال رہتا ہے۔ کاہلی کسی نام کو پاس نہیں آتی۔ دل خوش رہتا ہے۔ ہاتھ پاؤں میں چستی بدن میں پھرتی۔ کام میں مستعدی یہ سب باتیں سویرے اٹھنے کی بدولت ہیں۔ اب تم اتنے دن چڑھے اٹھی ہو۔ دیکھ لینا دن بھر ہاتھ پاؤں ٹوٹیں گے۔ چکر اور جمائیاں سستی اور انگڑائیاں ہر وقت موجود۔ جی چاہیگا تو یہ کہ کپٹ تعے لے اور پڑ کر سوؤں۔ اس کے علاوہ ایک ایسا زبردست نقصان ہوا کہ اگر ہزار روپے خرچ کر ڈالو تو بدلہ نہیں ہوتا۔ نماز فجر جس کو تم نے محض غفلت سے نیند میں کھو دیا۔ ایسی چیز ہاتھ سے گئی جو اب عمر بھر ملنے والی نہیں۔ دین سے یوں گئیں دنیا سے یوں گئیں۔ اگر تم کو اس کی عادت پڑ گئی تو آج میرے کہنے سے اتنا کرو کہ کل صبح کی نماز پڑھ لو۔ پھر دیکھنا دن کیسا گزرتا ہے۔ بیٹی برا نہ ماننا۔ بس بیگم صاحب اللہ بیلی۔

(۱۹)

زمانہ اڑا چلا جا رہا ہے اور عمریں کہیں کی کہیں پہنچ رہی ہیں۔ نسیمہ کا چھوٹا بھائی دو برس پورے کر تیسرے میں لگا تو ختنہ کی شادی ٹھہری۔ تین بہنوں میں ایک بھائی۔ چار بہنوں میں ایک بچہ۔ جتنی اللہ آمین ہوتی کم تھی۔ ہوت کی جوت ہی۔ دھوم دھام سے تیاریاں ہوئیں۔ میاں بیوی کی صلاح سے تجویز یہ ہوئی کہ تین دن کی مہمانداری۔ دو دن گوڈ پیٹ ایک دن عام۔ مکان پر سفیدی ہوئی۔ دروازہ پر ٹھاٹر بندھے۔ شادی کا دن آیا تو مہمان آنے شروع ہوئے۔ ڈولیوں پر ڈولیاں اور گاڑی پر گاڑیاں۔ گرمیوں کا موسم آدمیوں کی بھرمار۔ کرایہ کی چیخ پکار۔ میزبان اور مہمان سب گھبرائے ہوئے تھے۔ بیچ کی رات کا

مکان۔ بیویوں کی کھچ کھچ۔ شام کا وقت ہوا ہند۔ کوٹھا اور سائبان انگنائی اور دالان کچا کچھ بھر گئے۔ مزا یہ کہ بس اب بھی نہیں۔ ڈولیاں بند نہ گاڑیاں ختم۔ مرد ہیں کہ دروازہ پر چیخ رہے ہیں آوازوں پر آوازیں اور تقاضوں پر تقاضے کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ نسیمہ کی ممانی شاہ پور کے محلے سے آکر اتریں۔ ڈیوڑھی میں تند تھی اس سے ملکر آگے بڑھیں۔ ادھر نسیمہ نے ماں سے آکر کہا اب تلے اوپر بھی جگہ نہیں۔ ماں ہنسکر کہنے لگی بیٹی میں تو بلانے سے جھجکی پچتائی اب کہاں اپنی چندیا پر بٹھاؤں۔ کچھ دلوں کے بخار کچھ بیوقوفی۔ ممانی کی سمجھ میں یہ آئی کہ میرا آنا نند کو ناگوار گزرا۔ پیچھے پیچھے بیٹی اس سے پوچھا۔ پھوپھی جان کیا کہہ رہی تھیں۔ بیٹی کیا آفت کا پرکالا تھی۔ عادت سے مجبور موقع کی منتظر۔ کہتی کیا ہے ہم تو پہلے ہی جانتے ہیں۔ ہم غریب یہ امیر۔ ہمارا ان کا میل ہی کیا اور امیر غریب کا رشتہ کیسا۔ یہ سینکڑوں جھاق بھرے پڑے ہیں وہ ان کے اپنے ہیں سر آنکھوں پر بٹھائیں گی۔ ہماری ڈولی کے چار آنے بھی دوبھر ہیں۔ اب میں کیا کہوں تم سن تو رہی تھیں۔ کہاروں نے پیسے مانگے وہ لگیں خفا ہونے۔ کہ کسی طرح بس ہی نہیں۔ جو ہے وہ اٹھا چلا آرہا ہے۔ تم ہی بے عزت ہو۔ خدا کی قسم میں تو کھڑے پانی نہ پیوں۔ تمہارے دل میں دل کیونکر ڈالدوں۔ تقدیر کی ذلت ہے وہ ہو رہی ہے۔ آپ ذلیل ہو۔ اپنے ساتھ اوروں کو کراؤ۔ لو اب کہاں بیٹھتی ہو کہیں جگہ بھی تو دکھائی دیتی ہے۔ کسی نے آکر جھوٹ موٹ بھی بات نہ پوچھی۔

ماں۔ ہم کوئی آپ سے تھوڑی ہی آئے ہیں۔ نہ وہ دعوت دیتیں نہ آتے۔ ایک دفعہ کھائی خود لگے ہم کیا گرے پڑے ہیں۔ جا سلیم سے کہدے کہاروں کو ٹھہرالے۔ چلو ہم لیٹے۔ نفیس ہیں تو اپنے گھر کے۔

انگنائی میں کھڑے ہو کر اللہ کی بندی ہتیرا ہی چیخی چلائی اور مطلب صرف اتنا کہ ان سینکڑوں میں خدا کسی کو اتنی توفیق دیگا کہ پوچھے بی کیا ہوا۔ مگر شادی کا

ہنگامہ۔ بچوں کی چیخم دھاڑ۔ بڑوں کا غل غپاڑہ۔ طوطی کی آواز نقار خانہ میں سنتا کون تھا۔
پوچھنا تو درکنار کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ بات تو کچھ ایسی بڑی نہ تھی۔ دو گیا تو سہی دل صاف
ہو جاتا مگر اس فتنی نے کچھ ایسے کان بھرے اور ایسا پڑھایا کہ ساتھ ہی لیجا کر ٹلی۔ آدمیوں کا
تانتا اب بھی لگا ہوا تھا۔ کسی کو یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ بیوی کیوں آئیں اور کیوں گئیں۔ رات
گزر گئی۔ صبح اُٹھکر جو گھروالی کو خیال آیا تو کہنے لگیں ہیں! بھابی جان تو ایسی بگڑ کر ڈھیر ہوئیں کہ
بھلے بچے کو آکر دیکھا تک بھی نہیں۔ اب چاروں طرف ڈھنڈیا پڑ رہی ہے۔ بھابی کہیں ہوں
تو ملیں۔ کوئی کہتا ہے آئیں۔ کوئی کہتا ہے نہیں۔ نند بیچاری سینکڑوں قسمیں کھا رہی ہے
کہ میں خود ڈیوڑھی میں ملی ہوں۔ دونوں ماں بیٹیاں ساتھ تھیں۔ اتنی بڑی عورت کا چھلاوں
میں سے غائب ہو جانا جہاں ہنسی کی بات تھی وہاں تشویش کی بھی۔ منجھلی اُٹھکر کیا فرماتی
ہیں! ماں بی الماری میں تو دیکھو چھپ گئی ہوں۔ عورتوں نے بہت ٹھٹے لگائے مگر نند بیچاری
حیران پریشان کہ یہ ستم کیا ہوا۔ آئی اور آئی بھاوج کہاں غائب ہوگئیں۔ ماما کو بھیجکر کہلوایا تو
معلوم ہوا کہ گھر میں بیٹھی اوجھیل رہی ہیں میاں کو بھیجا تو یہ عقدہ کھلا کہ بھاوج سوجی پھولی
بیٹھی ہزاروں باتیں سنا رہی ہیں۔ نند بیچاری اور کیا کرتی۔ شادی کو اسی طرح چھوڑ
چھاڑ ماما کو ساتھ لے بھاوج کے ہاں پہنچی۔ وہ تو رات ہی سے بھری بیٹھی تھیں صورت دیکھتے
ہی ایسی ٹانگ لی کہ کچھ کہتے سنتے بن نہ آئی۔ انکار پر انکار کر رہی ہے اور قسموں پر قسمیں
کھا رہی ہے مگر بھاوج ہے کہ وہی کہے جاتی ہے میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے
کوئی اور کہتا تو میں جھوٹ سمجھ لیتی۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کھٹ پٹ رہی بڑی مشکلوں سے
مصیبتوں ہزاروں منتوں اور خوشامدوں سے خدا خدا کرکے غصہ فرو ہوا۔ ادھر تو
تو یہ گزری ادھر مہمان بیچارے بھوک سے بند سے سوکھ گئے۔ آنتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی
ہیں۔ مختصر یہ کہ دوپہر بعد کہیں ایک بجے کے قریب بھاوج کو سمجھا بجھا ساتھ لے کر
گھر آئی شادی تو خیر ہوتی تھی ہو ہی گئی۔ شام کو مہمان رخصت ہوئے مگر نسیمہ

کی ماں لاکھ بھاوج سے صفائی کر چکی تھی لیکن دل میں کچھ ایسی شرمندہ شرمندہ رہی کہ زمین میں گڑی جاتی تھی۔ چلنے کا وقت آیا تو کہنے لگی۔ بھابی روز روز تو کوئی کسی کے ہاں آتا نہیں۔ کبھی کبھار گھر سے نکلنا ہوتا ہے۔ آج جا کر کیا کروگی۔ اس ہنگامہ میں تو بات کرنے کی فرصت ملی نہیں کل چلی جانا نند کے اصرار پر تو بھاوج رہتی یا نہ رہتی مگر نسیمہ نے جھٹ پٹ کر ممانی کو ایک اٹوا اور ٹھہرایا۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو استانی جی کہنے لگیں بوا تم نے بھی کمال کیا۔ پوچھا نہ گچھا بات کو سمجھیں نہ بوجھیں جو اپنی سمجھ میں آیا یقین کر بیٹھیں۔ غلط فہمی سے تو دنیا میں بہت بڑے بڑے نتیجے پیدا ہوتے ہیں عقلمندی کا کام یہ ہے کہ اگر کسی عزیز کی طرف سے رنج پہنچے تو اس کو خوب اچھی طرح تحقیق کرلے۔ بلکہ خود اُسی عزیز سے دریافت کرنا چاہیئے۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ کہنے والے کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے سمجھنے والا کچھ اور سمجھ جاتا ہے اور پھر بیچ کے لگانے والے جو بات کا بتنگڑ بنا دیں۔ ان کو اسی میں مزا آتا ہے۔ اپنے دل میں کھوٹ ہے تو بس بات جم گئی اور خواہ مخواہ کا بیج پیدا ہوگیا۔ کچھ آپ کہے۔ کچھ دوسرا کہیا۔ دلوں میں پوری رنجش ہوگئی۔ رفتہ رفتہ دونوں ایک دوسرے کی صورت سے بیزار۔ بولنا چھوڑا ملنا چھوڑا آنا چھوڑا جانا چھوڑا۔ خدا سمجھ دے تو اسی وقت بات کھلے کھلے اور جا کر دریافت کرے کہ میں نے تمہاری طرف سے یہ سُنا ہے سچ ہے یا جھوٹ۔ مردوں کی تو میں کہتی نہیں مگر عورتوں میں یہ بات عام طور پر دیکھی ہے کہ قصور دونوں میں سے ایک کا نہیں اور ایک دوسرے کو دشمن سمجھ رہی ہیں۔ اچھی بوا ماشاء اللہ آٹھ بچوں کی ماں اتنا تو سمجھا ہوتا کہ رذیل سے رذیل اور ذلیل سے ذلیل بھی تو گھر پر آئے کو نہیں نکالتا۔ نہ یہ کہ اللہ آمین کا بچہ ختنوں کی شادی اور سگی بھاوج کا آنا ناگوار۔ بیوی قربان جایئے تمہاری عقل کے اور صدقے تمہاری سمجھ کے اور خیر تم نے کمال کیا سو کیا۔ صاحبزادی بلند اقبال نے اور بھی غضب کر دیا۔ کواری لڑکی اور اکتائی بھابی۔ شرافت تو یہ ہے کہ جس کی جہاں سُنی

میں چھوڑ دی۔ یہ نہیں کہ سُنی ایک جڑ میں چار۔ لڑکی شاباش حیف ہے ایسی بیٹیوں پر جو
دلوں میں بیر ڈلوائیں۔ پھر غیر بھی تو نہیں سدھا دیں۔ آخر کیا ہاتھ آیا سینکڑوں آدمیوں
میں عزت کس کی گئی جس نے سُنا تبرا بھیجا۔ لڑکی ہے کہ آفت کا پرکالا بیٹھے بٹھائے
کیا آفت برپا کی ہے۔ بیٹی روتی کیوں ہے۔ یہ کلنک کا ٹیکہ تو عمر بھر کو لگ گیا۔ اب آنسو
بہانے سے کیا حاصل۔ خدا ایسی بیٹی سے بچائے۔

(۲۰)

نسیمہ کی ماموں زاد بہن جس نے یہ گُل کھلوایا تھا کنواری مگر ماں کی لاڈو نانی دادی
کی چہیتی دونوں گھروں میں ایک بچی۔ مگر کیسی بے ڈھنگی اور پھوہڑ کہ خدا کی پناہ۔ ماں
بارہ مہینے کی بیمار تو پہلے ہی سے تھی۔ برسات کے دن گُردا ہوا کھایا باسی خشکہ ٹھنڈے
باسی چاول۔ جوڑ جوڑ میں درد ہو گیا۔ جاڑوں میں ہوئے مسہل اور پھر کیا غسل اعضا
کمزور تو تھے ہی۔ پانی پڑتے ہی دونوں ٹانگیں رہ گئیں۔ نہ اُٹھنے کی ہمت۔ نہ چلنے کی طاقت
بہت دل کیا تو کھسک کھسکا چبوترے پر آ گئیں گھسٹا چوکی پہ گھر میں لے دیکر گھر والی
سمجھو منتظم سمجھو۔ داروغہ کہو جو کچھ بھی صاحبزادی برخوردار۔ مگر لڑکی کیا جانور تھی منوں چیز
گھر میں آئے مگر جب دیکھو خاک اُڑ رہی ہے۔ ماں چلنے سے معذور خفگی سے مجبور بیٹی کی طرف
سے کچھ ہوتا ہو دونوں یکساں۔ ماماؤں کی جوتیوں کو کیا غرض تھی کہ مصیبت بھگتیں اور
گھر بنائیں۔ گھر تھا تو گھر والی کے دم سے وہ اس قابل ہی نہیں۔ لڑکی پھوہڑوں کی
بادشاہ بے ڈھنگیوں کی سردار۔ گھر کیا بازار تھا۔ چار ہی دن میں یہ کیفیت ہو گئی
کہ گھسنے کو جی نہ چاہے۔ جس ماں کی یہ کیفیت کہ بچھونے پر سلوٹ ہو تو بے چین اس کی
بیٹی کا یہ حال کہ دنوں اور مہینوں گھر میں جھاڑو نہ ملے تو پروا نہیں جس انگنائی میں
سوئی گرے تو آنکھ اُٹھا لو۔ اب اس میں صاحبزادی کی سہیلیوں اور ماماؤں کے بچوں نے
کنوئیں کھود کھود کر گڑھے ڈال دیئے۔ مرغیوں کے بڑے بڑے دڑبوں نے گھر کی حیثیت

دو کوڑی کی کر دی کہیں کیچڑ کے ڈھیر کہیں خاک کے تودے۔ یہاں چولھے وہاں کھڈیاں
دنوں کے پتے۔ کوڑا کرکٹ۔ صحن کیا دنیا بھر کا مجموعہ تھا۔ پھکنی دست پناہ اس میں
دانہ کی کنڈلیاں۔ پانی کے کونڈے مرغیوں کی بیٹ۔ کبوتروں کے پر۔ بوریئے
کے ٹکڑے۔ کپڑوں کے چیتھڑے۔ چاروں طرف وہ جھاڑ جھنکاڑ اٹھا ہوا کہ دم بھر بیٹھنے
کو جی نہ چاہے۔ کہنے کو ماشاء اللہ ایک چھوڑ دو دو مائیں۔ مگر ان بیچاریوں کا کیا قصور۔ کام
لینے والا ہوتا تو وہ کام کرتیں۔ گھر والی کی یہ کیفیت کہ اگر کبھی بھولے بسرے دنیا جاتی
دیکھکر کسی ماما نے چاہا بھی کہ جھاڑو ہاتھ میں لے دو جھٹکے دیدوں تو اس کو جھٹ دوسرا کام
بتا دیا۔ پل بھر کی دیر ہوئی تو سینکڑوں کوسنے پڑ گئے۔ ستم یہ کہ جو کام بتایا وہ الٹا
اور جو بات کی وہ ٹیڑھی۔ ماماؤں کا کیا بگڑتا تھا جس رخ پر ڈالا پڑ گئیں۔ دن بھر اٹھی
مرغیوں کے دڑبے تھوتیں اور کبوتر کی کابکیں جھاڑتیں چکنی مٹی کے بورے۔ کچی اینٹوں کے
ڈھیر۔ تغار بنے ہوئے۔ پانی پڑا ہوا۔ پختہ سنگین گھر چار دن میں غارت ہو گیا۔ دیواروں پر
نظر ڈالو تو اینٹیں گری ہوئی۔ چونا جھڑا ہوا۔ کوٹھے کو جا کر دیکھو تو گھاس اگی ہوئی ملبا
پڑا ہوا۔ موری بند۔ قدمچے ٹوٹے۔ جھلنگے کھڑے۔ بھاڑ پڑے۔ خدا کی شان نواب
چھمن کی محلسرا اور دیکھکر جی متلائے۔ دالان کی وہ کیفیت کہ حلوائی کی دکان بھی اچھی
ہو گی۔ چاروں طرف مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ بڑی بی کے زمانہ کا بنا ہوا گھر کا گھر خاک میں مل گیا
تھا۔ دری۔ چاندنی۔ چادر۔ غالیچے موجود سب چیزیں تھیں لیکن وہی چیزیں جو کسی وقت مکان
کی زینت اور آرائش کا سامان تھیں آج بیٹھنے والے کو بھی لاج لگتی تھی۔ چونے کے دھبے
کتھے کے چکتے سیڑوں چھلکے ٹوکروں کوڑا ڈھیروں راکھ منوں خاک بڑی بڑی فرشی دریاں
مٹی میں اٹی ہوئی۔ چھپی ہوئی جاجمیں۔ جنگلی جنگی چاندنیاں زمین سے بدتر۔ مرزاپور کا
مہین غالیچہ دیکھنے دکھانے کے لائق اور اس کی یہ قدر کہ انگلی لگی اور خاک اڑنی
شروع ہوئی۔ چبوترے کی چوکیاں جیٹھ بیساکھ میں ہوئیں خاک سے گرد آلود

اوپر سے پڑا مینہ ہشیشم اور سال سب گلگر آٹا ہو گیا۔ سامان کا حال یہ کچھ قرینہ اور ڈھنگ نہ کچھ کہ خدا کی پناہ۔ اُگالدان اوندھا ہوا۔ پٹاری پھکی ہوئی۔ کتھا گرا ہوا۔ چونہ لپا ہوا نواڑ کے پلنگ بان کی ادوان۔ پائے دور ننگے پٹیوں میں کان۔ بچھونوں پر قینچیاں۔ پلنگوں پر توشکیں۔ چاندنی پر آبخورے۔ غالیچہ پر کٹورے کہیں پانی گرا ہوا۔ کہیں رنگ پڑا ہوا۔ کونڈے لڑکے ہوئے۔ رکابیاں پھیلی ہوئی۔ گھر کیا ایک طوفان بدتمیزی تھا لیٹو تو مصیبت بیٹھو تو آفت۔ جھاڑ و نہ بہار و صفائی نہ ستھرائی ہو کہاں سے اور کرے کون۔ نہ کوئی کرنے والا نہ کہنے والا۔ ماں بیچاری عجیب مشکل میں تھی۔ کچھ کرتے دھرتے بن نہ آتی تھی۔ شروع شروع میں تو دو چار دفعہ بیٹی سے کہا مگر ہاں تو چکنا گھڑا تھا بوند پڑی اور پھسل گئی اس کان سنا اور اس کان اڑا دیا۔ خدا نہ کرے کہ کسی کے گھر کی ایسی خاک اڑے۔ ہوتے ساتے خدا نے سب کچھ دے رکھا تھا۔ ایک بدتمیزی نے وہ گھر کی مٹی پلید کی کہ خدا دشمن کی نہ کرے۔ موئے فقیروں کا گھر بھی تو اچھا ہوگا۔ خدا معلوم کیسی منحوس طبیعت کی لڑکی تھی کہ نہ کبھی دل گھبرایا نہ جی اُکتایا۔ لحاف توشک سادے اور ریشمین کہنے کو تو مچان چڑھے مگر کس کام کے۔ گرمی۔ جاڑا۔ برسات۔ تینوں ہی موسم گزرے۔ مگر نکال کر دیکھا نہ اُتار کر اوڑھا۔ چوہوں نے کاٹ کاٹ کر وہ لنبائے ڈالے کہ تونت یا نہ ہینے کی جگہ نہیں۔ رہی صندوقوں کے کپڑے کچھ ٹپکے میں گئے۔ رہے سہے کیڑوں نے کھائے اور کیون کھاتے اکھٹی دو دو برساتیں آئیں اور گئیں۔ مگر دھوپ نہ ملنی تھی اور نہ ملی۔ غرض روپے اور اشرفیوں کی چیزیں کوڑیوں کے مول رہ گئیں۔

غسل خانہ کو جا کر دیکھو کیسی کھلی بین کس کا صابن منجن۔ میلے کپڑوں کا ڈھیر چھت سے باتیں کر رہا ہے۔ وہ کس طرح اوڑھنی گیلی۔ کرتا چوڑا۔ پتھر سیلے۔ پیڑا گیلا۔ مڑی ہوئی کنگھی ٹوٹا ہوا جھانواں۔ بدبو ایسی کہ ناک نہ دی جائے۔ موری بند۔ پانی بھرا ہوا۔ باورچیخانہ سبحان تیری قدرت۔ دست پناہ بچکا ہوا۔ پھکنی پھٹی ہوئی چولھے

گنتی میں دو بلکہ تین۔ مگر جو ہے وہ بے ڈھنگا۔ ایک کا بازو نہیں تو دوسرے کا کولا ندارد۔ آٹا
گندھا رکھا ہے تو مرغیاں بھر بھر چونچیں کھا رہی ہیں۔ دال کبھی شمشوٹ[1] اور کبھی کا دہونا۔ آدھی سے
زیادہ تو کبوتروں نے کھائی۔ بچی بچائی جیسی جس کی سمجھ میں آئی پانی ڈال چولھے کے حوالے
کی۔ روٹی پک کر تیار ہوئی تو کوئی کچا اور کوئی جھڑا۔ ایک کھنگٹ[2] تو دوسری تنکڑ[3]۔ سالن میں
گھی تو پڑے آدھ پاؤ کے بدلے تین چھٹانک۔ مگر ڈھبر ڈھبر[4] قلیا۔ نمک زہر۔ مرچیں ہلاہل۔ نیلا تھوتھ
بھٹیلے کا شوربا۔ چاول پکے تو کچے پکے۔ برابر کے لکڑ۔

ایے ہے برتن اُن کا یہ حال کسی میں ناک کسی میں زنگ۔ بھینوں کی قلعی۔ مدتوں کے
منجھے کیچڑ میں تیرتے پھرتے ہیں۔ انگنائی میں تپیلیاں دالان میں تشتریاں۔ موری پہ طباق
دہلیز میں کٹورے۔ پانی کی گھڑونچی خدا نہ دکھائے۔ مٹکے میلے ٹھلیا کچیلی۔ جبتی نہ ڈھکنا جو آیا
غڑپ سے آبخورہ ڈال پانی پی پٹخ پٹخا چلتا ہوا۔ گرمی کے دن اور پانی ادہن۔ جس گھر میں
آج سے دو برس پہلے جو کام تھا وہ ڈھنگ کا اور جو بات تھی وہ سلیقہ کی۔ اسی گھر
میں آج ایک بدتمیز لڑکی کی بدولت ہر چیز کو ایسی آگ لگی کہ دیکھی نہ سُنی۔ ہاتھ پکڑا نہ
پاؤں پکڑا۔ دن بھر اِدہر اُدہر اُچھلتی کودتی پھرتی اور گھر کی طرف خاک دھیان نہ کرتی
بھرے ہوئے گھی کے کنستر آٹا۔ دال گیہوں چاول سب لفنگوں کے پیٹ میں جاتے۔
کم بخت اپنی آنکھ سے دیکھتی کہ یہ نمک حرام مامائیں بھر بھر چمچے گھی اور بھر بھر جھولی اناج۔
بلا وجہ بلا ضرورت لا رہی اور لیجا رہی ہیں اور خاک منہ سے نہ پھوٹتی۔ مالک کا یہ ڈھنگ
دیکھکر نوکروں نے اپنا گھر بھرا تو کیا بُرا کیا۔ دھیلے کا دہی اور دو پیسے وصول۔ پیسہ کی
چیز اور دو آنہ دام۔ آج کٹورا غائب کل تشتری ندارد۔ بھرا پُرا گھر چار دن میں اُف
ہو گیا۔ کپڑے اور برتن اوڑھنا اور بچھونا سب غارت۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ چمچا کفگیر

---

[1] دال دہونے میں احتیاط کہ اس میں کنکر وغیرہ نہ رہنا چاہیئے [2] سوکھی ہوئی [3] جلی ہوئی
[4] پتلا پانی جس میں بوٹی نام کو نہ ہو ۱۲

کچھ نہ رہا۔ بیوی سالن نکالنے کو حیران بیٹھی ہیں۔ ماما دوڑی دوڑی گئی اور پیسہ والا ٹھیکری کا
چمچہ ہاٹکے والی ڈوئی لا حوالے کی۔ آدمی کچھ کھو کر سیکھتا ہے۔ چاہیئے کہ اس پر کچھ کان ہوتے
کیا مجال۔ کرتہ چیتھڑا۔ جوتی لیترا۔ بدن پر تار نہیں۔ مگر ایسی بے حمیت کہ وہ دلیپ نہ چھوڑتے
تھے نہ چھوڑے۔ سنجیدہ جو اتفاق سے اس محلہ میں پہنچی تو دھیان آیا کہ لاؤ آئی تو ہوں یہاں بھی
ہوتی چلوں دیکھتی ہے تو ڈھنگ ہی اور کچھ ہیں۔ ایمان کی بات ہے کہ اگر سنجیدہ جیسی سچی آدمی
کا بیان نہ ہوتا تو ہم یقین بھی نہ کرتے کہ دنیا میں ایسی ایسی لڑکیاں بھی موجود ہیں۔ پھوہڑ بے
ڈھنگی نکمی۔ کام چور سب ہی طرح کی لڑکیاں دیکھی بھی اور سنی بھی مگر یہ رنگ دیکھا نہ سنا۔
تقدیر میں تو کسی کا زور نہیں۔ بہت سی اللہ کی بندیاں ایسی نکلیں گی کہ سینکڑوں ہزاروں کا
میکے سے لیکر گئیں اور سب سسرال کی نیاک لگا۔ سونے جھونے والیاں جن کے قدموں کے
نیچے ماں باپ آنکھیں بچھاتے تھے۔ گھربار کی ہوئیں تو یہ پتھر پڑے کہ عمر بھر پاپڑ بیلے سلائیاں
اور پسائیوں سے پیٹ پالا۔ رونا تو اُن بدنصیبوں کا ہے جنہیں خدا نے سب کچھ دیا۔ مگر اپنی اس
اُلٹی مت کے ہاتھوں وہ تھڑی ہوئی کہ ساری دنیا میں جوتیاں پڑیں۔ اس بدنصیب
کو کس چیز کی کمی تھی۔ معقول آمدنی بھرا گھر ماما کی جگہ ماما نوکر کی جگہ نوکر مگر کم بخت نے سب
چیزیں خالصے لگا دیں۔ غضب خدا کا ڈھائی سو تانبے کا برتن جا کر چھوٹی چینی کی تشتریاں
مٹی کے پیالے ہاتھوں میں آگئے۔ مامائیں نمک حرام اپنے مطلب کی آشنا۔ غرض کی دوست
خوب سر سہلایا اور بیچا کھایا۔ وہی بنی کی ماں جس کا بیگم بیگم کہتے کہتے منہ خشک ہوتا تھا
وہ دو دو تین تین دن غائب رہتی۔ بنی کے سوگرڑی کا ایک نہیں۔ اس نالائق پر تو جو کچھ
بھی پڑتی درست اور بجا تھی۔ ہمیں تو افسوس بیچاری بڑی بی کا ہے۔ بڑھاپے میں کیسی مٹی
پلید ہوئی۔ ماما گئی بیٹھ۔ بیٹی کو چولھے پاس جانا قسم۔ آٹا گوندھنا کیسا۔ سوندہ ساندہ
تندور پر بھیجدیا۔ نیلا شوبا پانی تیل سے بگھرا۔ چربی میں پکا۔ جلے ہوئے موٹے
موٹے تندور کے ٹکڑے۔ دانت سے چبیں نہ حلق سے اتریں۔ پھر ماما بنا کر پیٹ

میں ڈال لیتیں۔ چور کی ماں گھٹنوں میں سر دے اور روئے۔ کس سے کہتیں اور کیا کہتیں۔ جو آئی وہ بھگتی۔ جو پڑی وہ اٹھائی۔ سنجیدہ تو یہ رنگ دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ لڑکی کو دیکھتی ہے تو سر جھاڑ منہ پہاڑ۔ اٹھنا نہ اٹھانا۔ سلام نہ آداب۔ شہر کی نظر بیٹھی گھور رہی ہے۔ آگے بڑھی تو۔ جو چیز ہے نور علیٰ نور۔ جدھر گئی تعجب اور جہاں دیکھا افسوس۔ چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ خدا خدا کر کے بیچاری بڑی بی دکھائی دیں۔ بیٹھنے کی تھگلی جیسے چوک کا بازار۔ صورت جیسے برسوں کا بیمار۔ توشک ہے تو الٹی نہ سیدھی۔ لحاف ہے تو روئی کے بوٹے باہر۔ قرنوں کا تکیہ۔ برسوں کی رضائی۔ پرانی کمری۔ میلہ کرتہ۔ بیچاری بڑی اللہ اللہ کر رہی ہیں۔ سنجیدہ تو صورت دیکھتے ہی بے اختیار ہو گئی اور دوڑ کر گلے جا لپٹی۔ پوچھنا تھا کہ بڑی بی کا دل بھر آیا۔ برسوں کا جما ہوا مواد نشتر کی دیر تھی۔ لڑکی کا نام آتے ہی آنکھیں پھوٹ پھوٹ کر روئے ذرا جی ٹھیرا تو رام کہانی سنائی۔ سنجیدہ کا بس چلتا تو وہ اس کو کچا ہی کھا جاتی مگر سمجھدار عورت۔ سوچا کہ زبان درازلڑکی کیوں دریا میں پتھر ڈالا جو چھینٹیں اڑیں۔ پرائے شگون کے واسطے اپنی ناک کٹانی کس خدا نے بتائی۔ پیاس لگی پانی مانگا۔ ماما تو چپ ہو گئی۔ مگر سہیلیوں میں سے ایک لڑکی سات آٹھ برس کی ڈھینگری ننگے سر ننگے پاؤں ناک بہہ رہی تھی ہاتھ پاس تھا پانی پلانے اٹھی گھڑونچی کے نیچے آبخورا لڑھکا پڑا تھا جھٹ اٹھا غڑپ سے ڈال پانی بھر لے آئی۔ بی سنجیدہ دیکھتی ہیں تو گرد کا منکا میلا کچیلا مانگنے کو تو پانی مانگ لیا۔ مگر پانی تو سانپ کی چھچھوندر ہو گیا۔ نہ اگلے بنے نہ نگلے۔ گلاس نہ کٹورا اتھرا ہوا آبخورا ہیتیاں ہیں تو کرا ہیت۔ نہیں پیتیں تو شرمندگی۔ اٹھی آبخورا لے باہر آئی اور ہاتھ دھو پاس آ بیٹھی۔ جی تو یہی چاہتا تھا کہ ماں کے منہ در منہ ایسا ٹھیک بناؤں جو بھلی مانس ہو تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرے۔ مگر پھر سوچا کہ کیوں انہیں ہوتا اور کیوں دنیا سے۔ پیاس زہر کی لگ رہی تھی۔ تھوڑی دیر اور بیٹھ رخصت ہوئی۔ مگر چلتے وقت اتنا کہہ گئی استانی جی آنے کو کہہ دیجئیں وہ ایسی تھی انشاء اللہ میں ان کے ساتھ پھر

آؤں گی۔ گھبرائی۔ پانی پیا اور استانی جی سے سارا حال کہا۔ پیاس کا ذکر سنکر تو آپا استانی جی اور ان کے ساتھ کی اور سب کے پیٹ میں مارے ہنسی کے بل پڑ گئے۔ سنجیدہ کہنے لگی استانی تو جب جانوں جب اس لڑکی کو ٹھیک کرو۔ کمبخت نے گھر کا گھر دا کر رکھا ہے۔ خدا کی قسم بوا اس نے تو سب کے کان کاٹے۔ خبر نہیں کس قماش کی لڑکی ہے۔ میرا تو اوپر کا سانس اوپر۔ نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اتنا بڑا محلہ ماشاء اللہ پچیس تیس آدمیوں کا کنبہ اور کوئی گھر جھانکتا بھی نہیں۔ جہاں کسی نے قدم رکھا اور لڑکی نے ٹانگ لی۔ اسفندیار خاں سگے ماموں اور ایسے الگ تھلگ جیسے بالکل غیر۔ میں تو کہتی ہوں خدا اس کا پردہ ڈھانک لے۔ یہ رسوائی تو نہ ہوگی۔ کسی طرح ماں بیچاری اس مصیبت سے چھٹکارا پائے ایکدم چالیس پچاس روپے فقط کرایہ کی آمدنی۔ پنشن الگ ہے ہی۔ جہاں بیٹھ جائیں گی لالوں کی لال۔ اسی مردار کی بیڑی پاؤں میں ہے جو نہ کہیں جا سکتی ہیں نہ آ سکتی ہیں۔ دکھ بیماریاں کیا ہوتی نہیں۔ ان کو تو اسی صدمہ نے بٹھا دیا۔ اسلم سے نسبت ہوئی تھی مگر بوا کس کے سر پر لٹنے بال تھے۔ دیوار بیچ گھر تھی رتی رتی اور تل تل باتوں کی خبر پہنچتی تھی کانوں پر ہاتھ دھر صاف الگ ہو گئے۔ مجھے تو امید نہیں کہ یہ لڑکی رستے پر آئے۔ استانی جی یہ حال سنکر تھوڑی دیر تو سناٹے میں رہ گئیں۔ پھر کہنے لگیں اے ہے میرا دل تو ان سے ملنے کو آپ ہی چاہ رہا ہے۔ اب تو وقت نہیں رہا۔ زندہ رہی تو انشاء اللہ کل صبح ہی چلونگی۔

دوسرے دن صبح ہی استانی جی اور سنجیدہ چلنے کو تیار ہوئیں تو نسیمہ نے بھی خواہش ظاہر کی۔ پھوپھی کا منشا تو تھا نہیں مگر استانی جی نے کہا کیا ہرج ہے۔ گھڑی بھر تو بیٹھنا ہی ہے ساتھ جائیگی ساتھ آئیگی۔ لیجئے تینوں ڈولیاں آگے پیچھے روانہ ہوئیں۔ اور دم بھر میں وہاں جا پہنچیں۔ پہلے استانی جی اتریں اور ڈیوڑھی میں ہی کی کھڑی ہو گئیں۔ سنجیدہ اتری نسیمہ آئی۔ تینوں آگے بڑھیں۔ بھلا استانی جی کو تاب کہاں وہ تو جب سے ذکر ہی سنا تھا۔ خون کے سے گھونٹ پی رہی تھیں۔ بڑی بی سے گلے تو مل لیں اور پھر تو وہ آئیں تو جانیں کہاں کیسی خیر صلاح اور کس کا مزاج۔ لڑکی سے کہنے لگیں۔ دلہن بھاگ ان

ماؤں کے جن کے ہاں ایسی ناشدنی بیٹیاں پیدا ہوں اس سرے سے اس سرے تک سارے گھر کو آگ لگا دی۔ موئے چماروں حلالخوروں کا گھر بھی تو اچھا ہوگا۔ یہ تو نہ ہوگا کہ گھستے ہی جی متلائے غضب خدا کا یہ پانی پینے کا آبخورا جو غڑپ غڑپ مٹکے میں پڑے مرغی کے دڑبے پر پڑا ہے۔ انوکھے جانور تمہارے ہی یہاں نہیں پلے دنیا پالتی ہے مگر یہ اندھیر کہیں نہیں دیکھا کہ چاروں طرف مرغیاں منہ ڈالتیں پھریں اور برتن تتر بتر۔ گھر کیا کنجڑے کی دکان یا گاڑیوں کا اڈا ہے کہ کٹی اور پولیاں گاجریں اور مولیاں۔ دنیا بھر کے آخور گھر کے اندر۔ یہ چاندنی ہے جس پر پاؤں رکھنے کو جی نہ چاہے۔ توبہ ایسا بے ڈھنگا کارخانہ ہو ذرا گھڑونچی کی تو صورت دیکھو یہ موا مٹکا ہے یا رنگریز کی راجن گول۔ اور لو طباق دیکھنا کیچڑ میں کھڑا ہے لئے ہے دس بجنے کو ہیں اور اب تک بچھونے اٹھنے نصیب نہیں ہوئے وہ ہیں بھی تو زلیفت اور کم خواب کے۔ جو دیکھے وہ خوش ہو جائے الٰہی توبہ۔ خدا ایسی پھوہڑ لڑکی کی صورت نہ دکھلائے۔ بیٹی عورت ہے یا پتھر آدمی ہے یا جانور ذرا اپنا پڑا تو دیکھ فقیرنیوں کا سا حال لونڈیوں کی سی گت اور تو اور موئے چھینکے کی بھی کوئی ہستی ہے بے ڈھنگے ادھکے کا بے ڈھنگا کام۔ اچھی بوا سنجیدہ تمہیں خدا کی قسم الٹا لٹکا ہوا ہے؟ کیوں بیٹی ذرا جواب تو دے یہ اشت الان میں پوڑیاں بنائی ہیں یا جلیبیاں تلی ہیں کہ مکھیوں کی بھنکار نے ناک میں دم کر دیا۔ کھانا کھا کر رات کو دسترخوان بھی تو اٹھانا نصیب نہیں ہوا روٹیوں کے ٹکڑے جہاں تہاں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ گھر ہے یا بھٹیار خانہ۔ میرے تو ہوش اڑے جاتے ہیں۔ ماشاء اللہ سب صفتیں موجود ہیں۔ کمرے میں اوپلے سبحان اللہ بیٹی ہاتھوں میں دم نہیں تو چارپائی پر سوتا کیا ضرور۔ یہ جھلنگے ہیں یا اڑن کھٹولے میں تو ایک ایک چیز کو دیکھ کر جی الٹ رہا ہے۔ اور یہ اور یہ اندھیر بھی دیکھا [illegible] کو ملاحظہ کیجئے ایک کلیا تانبے کی ایک مٹی کی۔ غریبی نہیں نوبت نہیں۔ نہ ہو تو میسر آ جائے۔ پھوہڑ نگی نے اپنے گنوں سے گھر کا گھر دا کر دیا اور سری کی ہوتی تو شکل نہ دکھاتی یہی کوتک تھے جو ماموں ممانی نے جوتی اور ہانڈی سیج

بھی ہے نیکے میں یہ آفت ڈھا رکھی ہے تو سسرال جا کر کیا آگ لگائے گی ننھی نہیں نادان نہیں۔ اس سے چھوٹی چھوٹی لڑکیاں وہ گھر سنبھالتی ہیں کہ آدمی دیکھتا رہے۔ بیٹی کے ڈھنگ سوئی تو ہیں نہیں کہ چھپ جائیں نکلی ہونٹوں چڑھی کوٹھوں۔ کس کی شامت آئی ہے کہ جیتی مکھی نگلے گا کیوں بوا جھوٹ تو نہیں کہتی۔ آخر تمہارے گھٹنے سے لگی کب تک بیٹھے گی۔ بادشاہ وزیر کی نہیں بیٹھیں یہ تو کس گنتی میں ہے۔ آج نہیں کل اور کل نہیں پرسوں یہ وقت تو آنا ہی ہے سسرال والوں کی جوتی کو کیا غرض پڑی ہے جو گھر کا ناس کرائیں گے آپا جان آپ کو تو خالہ بستی کی بہو یاد ہوگی ان ہی کی بہن تھی یا کچھ اور۔ ساس غریب کو خبر بھی نہیں اور بہو نے ایک ایک کر کے نو جوڑے غارت کر دیئے۔ روپوؤں کا مصالحہ کوڑیوں کے مول بیچ ڈالا۔ وہ تو خدا کو ہوا کرنا تھا کہ گھر پر آیا زری گوٹے والا۔ لڑکی نے ادھیڑی پاجامہ پر سے چمپا۔ ماما گئی لیکر ادھر سے آ رہے تھے سسرے۔ بیوی سے آکر پوچھتے ہیں تو اُن کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔ ماما سے بلا کر پوچھا۔ لگی ادھر اُدھر کی باتیں بنانے۔ خالہ کو آیا غصہ جوتی لیکر کھڑی ہوگئیں۔ پہلے تو بہت ڈر بڑائی مگر چارہ ہی کیا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر سارا حال کہدیا۔ اب تو بی خالہ کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے آکر دیکھیں تو جو تھی کا جوڑہ کارچوب ٹانکا مہینہ ڈیڑھ مہینہ کا پہنا اور بیچ کی بیلیں غائب۔ کونوں کے ترنج ندارد۔ بہتیرا چیخیں پیٹیں مگر ہونا کیا تھا۔ بہو تھی زبان کی چٹوری سب ہی کچھ کر ڈالا مگر بھلا چھٹین کی عادتیں یوں جاتی تھیں۔ دس دس بارہ بارہ قلفیاں ایک سانس میں چٹ کر جاتی۔ ہار جھک مار میکے پہنچوا دیا۔ اب دیکھ لو اٹھتے بیٹھتے جوتی لات کیا اکڑ ہوگئی ہے۔ اُن کا کیا بگڑتا تھا ایک دفعہ بیچ ملیٹ کر خبر نہ لی کہ بہو تھی یا گھر کا کوڑا۔ خدا نہ کرے کہ کسی لڑکی میں یہ لپکا ہو۔ میرے تو آج دیکھ کر اوسان جاتے رہے۔ میں تو کہتی ہوں ایسی لڑکی شاید شہر بھر میں تو ہوگی نہیں

(۲۱)

بیٹیو کے کام یہ ہیں۔ صبح اُٹھکر وضو کیا۔ نماز پڑھی۔ قرآن پڑھا۔ ماما میسر ہوئی تو اس سے نہیں تو آپ بچھونے تہہ کئے اندر کوٹھری میں لیجا کر رکھے۔ چارپائیاں اُٹھا کر کونے میں

بڑی کیں۔ رات کی پھیلی ہوئی چیزیں سمیٹ کر قرینے سے رکھیں۔ جھاڑو دی یا دلوائی صحن
اس پتھر کا فرش ہی تو آپ کھڑے ہو کر دھلوایا۔ دالان کمرے میں جھاڑو بہار و ل چکی تو دری
چاندنی جو بچھا ہے اس کا ٹھیک ٹھاک کیا مگر جھاڑو دی تو ایسی کہ جھاڑو معلوم
ہو یہ نہیں کہ پنجے مار دیئے پھوہڑ کی جھاڑو سگھڑ کا لیپا۔ جس چیز کے واسطے جو جگہ
مقرر ہے وہ اس جگہ رکھدی تاکہ ڈھونڈھنے میں دقت نہ ہو۔ غرض بیٹی کا سب سے پہلا کام
یہ ہے کہ گھر چندن بن جائے۔ کیا اندر کا بچھونا اور کیا باہر کی انگنائی ایسی صاف ستھری ہو کہ
ایک سوئی بھی گر پڑے تو الگ دکھائی دے۔ جن چیزوں کو دالان اور کمرے سے کوئی واسطہ
نہیں ہے وہ ہرگز وہاں نہ آنے پائیں۔ میز کرسی، صندوقچے اور الماریاں دونوں وقت
جھاڑن سے جھاڑ دینی چاہیئے۔ بعض لڑکیوں میں یہ عیب دیکھا گیا ہے کہ اگر کوئی چیز ٹیڑھی
ترچھی ہے تو بلا سے کچھ پرواہ نہیں مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا میں بعض مزاج ایسے بھی ہیں
بچھونے میں سلوٹ بھی دیکھ لیں تو جی الٹنے لگتا ہے اگر ان کو کوئی چیز ٹیڑھی ترچھی دکھائی
دے جائے تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے اگر دیواروں پر تصویریں نقشے یا قطعے
وغیرہ ہوں تو ان کو روزمرہ جھاڑنے پونچھنے کے علاوہ یہ بھی احتیاط ضروری ہے کہ ذرہ بھر کجی
نہ ہو۔ کپڑے لٹکانے کے واسطے اول تو کھونٹیاں اور نہیں تو خیر الگنی نہایت مناسب ہے کپڑے
ہمیشہ اسی پر لٹکانے چاہئیں یہ نہیں کہ اجلی براق اوڑھنی جہاں جی چاہا اتار پھینکی اور چار دن
میں میلی چکٹ ہو گئی ایک اجلا صاف شفاف تولیہ ایک طرف ضرور لٹکا ہونا چاہیئے تاکہ
ضرورت کے وقت ہاتھ منہ پونچھنے میں تکلیف نہ ہو۔ تولئے کے سوا کسی اور کپڑے اوڑھنی
یا آنچل یا کرتہ کے دامن سے ہاتھ منہ پونچھنا بڑی بدتمیزی کی بات ہے۔ دیوار پر کسی قسم کا
داغ دھبہ کوئلے کی لکیریں پان کی پیک وغیرہ نہایت پھوہڑ پن ہے۔ پان کھانے والے کو
لازم ہے کہ کم سے کم ایک اگالدان اگر میز کرسی ہو تو میز کے قریب ورنہ گاؤ تکیہ کے پاس
ایک کونے میں ضرور رکھدیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی چیز جس کی ضرورت نہ ہو کمرے یا

دالان میں آنی چاہیئے۔ کوٹھری کے آگے پلنگ بچھانا بھی تکلیف دہ ہے۔ اگر مجبوری ہو تو یہ مناسب ہوگا کہ رات کو بچھا لیا جائے۔ مگر صبح کو اٹھا دینا چاہیئے۔ کیونکہ کوٹھری میں جانے کے واسطے بار بار پلنگ پر چڑھنا تکلیف کے علاوہ پلنگ کو بھی جھولا کر دے گا۔ ایک لڑکی کا ذکر سنا کہ صبح ہی اٹھ کر منہ ہاتھ دھو اچھے اچھے کپڑے پہن ماں سے پوچھتی اماں میں کیسی معلوم ہوتی ہوں؟ ماں ہنستی اور کہتی بہت ہی بری۔ ایک دن لڑکی نے اپنا تکلف چھوڑ گھر بھر میں جھاڑو دی اور سب چیزوں کا ٹھیک ٹھاک کیا۔ پھر اسی طرح خاک میں بھری بھرائی میلے کچیلے کپڑے ماں سے کہنے لگی۔ اچھا اب کیسی معلوم ہوتی ہوں۔ ماں نے کہا بہت اچھی۔ وہ مثل سنی ہوگی۔ "گھر کی بیوی کوتے ہکتی۔ گھر کتوں جوگا" بیٹی سیانی ہوئی تو گھر کے تمام کام کاج کی وہ ذمہ دار ہے۔ اگر کسی گھر کی خراب حالت دیکھو اور یہ بھی دیکھو کہ وہاں ہشیار لڑکی موجود ہے تو یقین کرلو بہت ہی بدسلیقہ اور بے ڈھنگی ہے۔ بعض لڑکیوں میں یہ عیب دیکھا گیا ہے پان کھایا نہ کھایا تھوکنے کی ضرورت ہوئی۔ فرش پر بیٹھی ہیں۔ دری کا کونہ اٹھایا تھوک دیا۔ ناک سنکی دیوار سے پونچھ دی۔ اس سے زیادہ بدتمیزی اور کیا ہوگی۔ لڑکیوں کو ہر وقت ایک رومال اپنے پاس رکھنا چاہیئے۔ مرزاپور میں ایک صاحبزادی کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بہت سی بیویاں محفل میں بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھیں اور اس کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا۔ دانت کرید کرید کر دیکھتی جاتی تھی۔ کسی کے سامنے خلال کرنا خاصی اچھی نالائقی ہے بہت سے آدمیوں کو گھن آتی ہے۔ گو لحاظ کی وجہ سے کچھ نہ کہیں مگر دل میں تو ضرور بدتمیز سمجھنے لگتے ہیں۔ اسی لڑکی میں ایک دوسری صفت دیکھی۔ پہلے تو یہ کیفیت کہ تنکا مسوڑھوں میں ڈالکر نکالتی اور دیکھتی۔ دیواروں سے پونچھتی ہونٹوں سے چوستی کبھی میز پوش سے رگڑ دیا کبھی دری میں مل دیا۔ دوسری تعریف یہ کہ ہم سب تو باتیں کر رہے تھے اور اسکو جو قل قل ہنسی سوجھی تو ایک ایک کی صورت دیکھ رہی ہے اور لوٹے جا رہی ہے۔ اس کا اس بیہودگی سے ہنسنا بہت ہی ناگوار معلوم ہوا۔ اتفاق کی بات ہے کہ ایک بیوی ہنسنگی تھیں وہ بیچاری تو بس

یہی سمجھیں کہ مہینہ بیس رہی ہے بہتیرا منع کیا سمجھایا گھر کا مگر اس کی ہنسی ہی بند نہ ہوئی کسی محفل میں اگر شریک ہونے کا اتفاق ہو یا اجنبی آدمیوں سے ملو تو بلاوجہ ہنسنا اور قہقہے لگانا بہت ہی بری بات ہے ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ گھر ایسا بنا سنورا۔ دیواریں ایسی صاف ستھری چاہئیں کہ دیکھنے والے کا دل خوش ہو جائے۔ یاد رکھو کہ تاڑنے والی عورتیں ایک نگاہ میں بھانپ لیتی ہیں۔ گھر کی حالت دیکھکر گھر والی کے سلیقہ کا پتہ لگانا کچھ بڑی بات نہیں اپنی تو میں کہتی ہوں مجھکو لیجا کر ایسے گھر میں چھوڑ دو جہاں کبھی نہ گئی ہوں۔ ایک نظر ڈالکر گھر والی کا سارا رنگ ڈھنگ نہ بتا دوں تو سہی۔ موٹی سی بات ہے جس کے مزاج میں آپ ہی ستھرائی نہ ہوگی وہ گھر کو کیا بنائیگا۔ بیوی جب کوار پتے ہی میں ڈھنگ نہ آیا تو سسرال میں جاکر کیا خاک آئیگا۔ غریبی ہو یا امیری کوئی سینکڑوں ہزاروں کا کام نہیں۔ گھر کا ایک دالان یا کمرہ ٹھیک کر کے انتظام کر لینا کچھ بڑی بات نہیں کہ بچے ادھر نہ جا سکیں۔ اتنا ہو جانے کے بعد انگنائی سب سے پہلے غور کرنے کے قابل ہے۔ کوڑا کرکٹ چھلکے دونے کوئی چیز نہ ہونی چاہئیے نہ یہ کہ دن بھر پلنگ چارپائیاں دھوپ میں پڑی ہیں بعض جگہ دیکھا ہے کہ جھاڑو دیکر کوڑے کا ڈھیر کسی کونے میں لگا دیا۔ مناسب یہ ہے کہ دروازے کے باہر ڈالدیا جائے حلالخوری سے آتے ہی اٹھوا دو اگر باہر پھنکواؤ تو ذرا فاصلہ پر یہ نہ ہو کہ دروازہ پر ڈلاؤ لگا ہوا ہے۔ اندر گھر کے رہنے والوں کو معلوم نہیں ہوتا مگر باہر کے آنے جانے والوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ یہ بھی دیکھا ہے کہ دن بھر پڑوالے انگنائی میں پڑے رہے۔ اگر رات کو پلنگ یا چارپائیوں کے نیچے پڑوالے لگانے کی ضرورت ہو تو صبح ہی انکو اٹھا لینا چاہیئے۔ ایک جگہ کا ذکر کرتے ہوئے تو رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ سیپارے کے ورق سارے گھر میں مارے مارے پھر رہے تھے تکیہ نہ رحل لوگ اوپر چڑھے بیٹھے ہیں اور سیپارہ نیچے پڑا ہے غضب خدا کا مسلمانوں کا گھر اور کلام اللہ کی یہ عزت جس چیز پر ایمان کا دارومدار وہ پاؤں میں رلتی پھر رہی ہے دریا یا کنوئیں میں ڈالدو۔ موکھوں میں کہہ دو۔ خالہ جی یہاں کا ذکر ہے۔

میں بیٹھی تھی اور ماما الحمد کا ورق جھاڑ رہی تھی۔ گھر میں ماشاءاللہ اتنی لڑکیاں بالیں اور
بڑی بوڑھیاں مگر پھوٹیں اُبلی آنکھیں جو کسی نے بھی دیکھا ہو۔ میں نے ٹوکا تو چاہیے کہ بی
خالہ سب کاموں کو چھوڑ چھاڑ سر سے لگاتیں آنکھوں پر رکھتیں تو یہ پرواہ بھی نہ کی۔
ماما سے آنا کہہ دیا کہ دیوار میں اڑس دے تم انجانوں کے آگے کہتی ہوں اُسی دن میرا ماتھا ٹھنکا تھا
کہ خدا خیر کرے۔ تین دفعہ ان کے ہاں یہی پھیر پھرتی دیکھی۔ آخر خدا کے کلام کا ایسا صبر پڑا
کہ وہی بھرا ہوا گھر جس میں بڑے اور چھوٹے بچے اور کچے آدھی رات تک کچریاں سی
کرتی رہتی تھیں ایک چھ مہینے میں کیسا تباہ ہوا کہ اکیلی ٹھنڈی ٹھوں بیٹھی مکھیاں مار رہی
ہیں۔ خدا کی لاٹھی لیکر تو مارتا نہیں کیسی برباد ہوئیں کہ تنکا تک نہ رہا۔ مال اور جان
سب ہی کچھ کھو بیٹھیں۔

ایک اور عیب میں نے لڑکیوں میں دیکھا جو ظاہر میں تو کچھ ایسا بُرا نہیں معلوم ہوتا۔
مگر غور سے دیکھو تو بہت ہی تکلیف دینے والا ہے ضرورت کے وقت چیز کہیں سے اُٹھالی
اپنا کام کر کرا جہاں جی چاہا پھینک دی۔ ایک دفعہ تو مجھی پر یہ مصیبت گزر چکی ہے برسات
کے دنوں میں چراغ جلا کر میں نے اپنے ہاتھ سے دیاسلائی کا بکس دیوارگیری پر رکھ دیا
تھا۔ کے بعد مولوی صاحب کھانا کھانے آئے۔ میں سلیم کو سلا رہی تھی۔ خدیجہ کھانا دینے
اُٹھی۔ چاولوں کو دیکھتی ہے تو ٹھنڈے برف۔ چولھے کو دیکھتی ہے تو آگ نہ بھاپ۔ بکس لاکر
آگ سلگائی اور اس جلدی میں بکس وہیں پھینک پھانک بھول گئی۔ پچھلے پہرے مینہ
آیا بیتیرا سر پٹخا بکس ہے تو مٹ۔ کونہ کونہ دیکھ ڈالا مگر بکس نہ ملنا تھا اور نہ ملا۔ اندھیرا گھپ جو
چیزیں دکھائی دیں اندر پہنچا میں۔ کیڑے پتنگے کا کھٹکا۔ سانپ بچھو کا ڈر اوپر سے
دھواں دھار مینہ۔ ماما کا ماچہ تو اڑی پلنگ اُٹھا کر جا رہی تھی۔ بیچ میں تھا کھانچہ ٹھوکر جو لگی
تو میں نیچے اور پلنگ اوپر۔ رات تو خیر اس اندھیرے ہی میں جوں توں گزر گئی صبح اُٹھ کر جو
دیکھتی ہوں تو نیا چکن کا تھان شام ہی کا آیا ہوا گیلا جوڑا رکھا ہے۔ ایک بی خدیجہ کی اتنی

سی بے پروائی سے کہ بکس جہاں سے اُٹھایا تھا وہاں نہ رکھا تکلیف کی تکلیف ہوئی نقصان کا نقصان۔ جی چلا سو جدا۔ ایمان ہے تو سب کچھ ہے آتنا قصور میرا بھی ضرور ہے کہ سر پر پیرا بر گھٹا چھائی ہوئی ہے اور سب چیزیں چھوڑ چھاڑ پڑ کر ڈھیر ہو گئی۔ میں نے تو اس دن سے گرہ باندھ لی۔ چاہے اپنی چیز ہو یا پرائی۔ جہاں سے اُٹھانا وہیں رکھنا۔ اور ہر چیز کے واسطے ایک جگہ مقرر کر لی کہ پھر کبھی ایسی دقت نہ ہو۔

اوڑھنا بچھونا جھاڑ و بہار وغیرہ سبت ان چیزوں سے فرصت پا کر اب غسل خانے اور باورچی خانہ کا خیال کرو غسل خانے میں سب سے پہلی بات تو پانی کی احتیاط ہے کہ باہر جانے کا راستہ صاف ہو۔ موری اٹی ہوئی نہ ہو۔ دانت صاف کرنے کے واسطے منجن منہ دہونے کے لئے صابن یا کہلی۔ اُجلا تولیہ۔ ثابت کنگھی۔ ٹھنڈا پانی۔ ایک نلکی دار لوٹا ہر وقت موجود رہنا چاہیئے۔ نہانے کے واسطے گرم پانی بہت مفید ہے۔ مگر ٹھنڈا پانی سمونے کے واسطے تیار رہنا چاہیئے۔ یہ دقت تو نہ ہو گی کہ کپڑے اُتار لیئے اب یا بیٹھے ماما کا انتظار کر و یا آپ جاکر پانی لاؤ۔ نہا چکنے کے بعد فوراً صاف تولیہ یا اور کسی کپڑے سے بدن پونچھ لینا چاہیئے۔ طرح طرح کا تیل ڈالنے سے۔ آج دہوئی تلی کل چنبیلی۔ پرسوں انگریزی۔ سر چکٹ جاتا ہے۔ جاڑوں میں چنبیلی کا تیل ڈالکر دھوپ میں بیٹھنے سے فوراً سر چکنتا ہے۔ اگر عادت نہ ہو تو صابن کے دہونے سے بھی۔ نہاتے ہی تیل ڈالکر سر گوندھنے سے بھی سر چکپتا ہے۔ چکٹے ہوئے سر کو ریٹھے بہت مفید ہیں۔ آنولے اور گوندنے سے بھی نکھر جاتا ہے۔ بال بڑہانے کے واسطے یہ نسخہ اکسیر ہے رات کو ماش کی دال دہو کر بھگو دو اور صبح تھوڑے سے بیری کے پتے ڈالکر پیس لو اور سر دہو لو۔ چالیس دن اسطرح کر کے دیکھو بال کہاں سے کہاں پہنچتے ہیں یہ جو اکاس بیل ہوتی ہے زرد زرد، درختوں پر پڑی ہوئی اس سے سر دہونا بھی بالوں کو بہت بڑہاتا ہے۔ بالوں کا تذکرہ آگیا تو ایک بات اور کہنی پڑی۔ میں نے اپنے ہی شہر بلکہ اپنے ہی محلہ بلکہ یوں سمجھو اپنے ہی گھروں میں دیکھا ہے کہ بعض لڑکیاں دن بھر بکری کی طرح پان چباتی ہیں اور دانت

سرخ بیر بہوٹی ہوجاتے ہیں۔ بات کرنے میں ہنسنے میں۔ بولنے میں کھانے میں وہ لال لال دانت بالکل ہی زہر معلوم ہوتے ہیں کیسی بدتمیزی کی بات ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ پھر طرہ یہ کہ پان کا شوق تو آمنا اور دانت نہ مانجھیں دونوں۔ برابر بیٹھ کر بات کریں تو منہ سے وہ بو آئے کہ الٰہی تیری پناہ۔ چاہیئے یہ کہ چاہے پان کھاؤ یا نہ کھاؤ۔ مگر صبح اٹھکر جہاں منہ ہاتھ دھوؤ وہاں دانت بھی مانجھو یہ کبھی کوئی منہ دھونے میں دھرنا ہوا کہ دو چھپکے مارے اٹھ کھڑے ہوئے لو صاحب منہ دھل گیا۔ منجن اگر انگریزی بنا بنایا موجود ہو تو خیر ورنہ خود طیار کرلینا چاہیئے۔ یہ جو سالن میں گودے کی ہڈی ہوتی ہے۔ اس میں کالی مرچیں بھر کر جلالو جل جائے تو الگ رکھ لو۔ اب ایک نیم کی ٹہنی لیکر اس کی پتیاں توڑ کر پھینک دو اور اس لکڑی کو آگ میں جلا کر کوئلہ کرلو۔ ان کوئلوں کو اس جلی ہوئی ہڈی کے ساتھ ملا کر پیس لو منجن ہوگیا۔ دانت ایسے صاف ہوں جیسے چینی۔ بلکہ مرچوں سے تمام بادی بھی چھٹ جائیگی۔ یہ بڑی غلطی ہے کہ جو کوئلہ ہاتھ آگیا اس سے دانت مانجھ لئے بعض دفعہ ایسا کوئلہ ہوتا ہے کہ مسوڑھوں میں درد ہوجاتا ہے جڑیں کمزور ہوجاتی ہیں

یہ باورچیخانہ دیکھکر تو بیوی اللہ جانے میرے ہوش اڑے جاتے ہیں۔ باورچی خانہ ہے یا چنڈو خانہ۔ ایک دفعہ ماموں جان کے کوٹھے پر سے دیکھا تھا۔ عین مین وہی نقشہ معلوم ہو رہا ہے۔ چاروں طرف چیزیں تتر بتر پھیلی ہوئی ہیں۔ برتن بھانڈا۔ پٹری۔ پیڑا۔ چکی۔ چولہا سب ہی چیزیں ٹھسی ہوئی ہیں اندر تو اور رکابی اور کھانچوں کو بھی یہی جگہ رہ گئی تھی ذرا دیکھو تو سہی پتیلیاں پچکی طشتریاں ٹوٹی۔ کونڈے میں دراڑ توے میں چھید ہماری سمجھ میں تو کچھ بھید آتا نہیں۔ بیٹی یہ صراحی میں چنے کی دال؟ یوں کہو سب چیزوں کی کا پال ڈال رکھی ہے۔ یہ ہنڈی کی گھڑیا۔ یہ ٹونٹی کا لوٹا۔ یہ گلے کی پتیلی۔ اللہ رکھے سب ہی کچھ موجود ہے۔ یہ چولھے کن قرنوں کے ہیں۔ لپے نہ پتے۔ نا بت نہ ٹھیک۔ بھٹیارے کا تندور بھی اچھا ہوگا۔ زینب بیچاری اگر سچ پوچھو تو ٹکے کی مزدور ہے۔ ہمدردیاں کرتی پھرتا۔ الٹے نہیں۔ ٹلے نہیں۔ آگئی تو روزی نہیں تو روزہ۔ کل صبح کو میں جا نکلی بیٹھی وہی پکار رہی

ڈھنگ کا چولھا۔ لپا پتا۔ قرینے کے برتن۔ دُھلے دھلائے۔ یہ اندھیر تھوڑی ہے۔ عزت
والوں کا گھر۔ روپیہ کی جگہ روپیہ۔ پیسہ کی جگہ پیسا۔ یہ گت کہ دیکھی نہ سُنی۔ کڑھائی میں اُپلے۔ کرچھے
میں کرسیاں۔ بے ڈھنگی کی حد۔ بے تمیزی کی انتہا۔ ماما آزاد بیوی برباد۔ روک نہ ٹوک۔ کہنا
نہ سُننا چلو چھٹی ہوئی۔ ماما یہ کچھ بیوی وہ کچھ۔ بڑی بی بیچاری اس قابل نہیں کہ کسی کی
جوتی۔ سنئے کس کا صدقہ۔ ماشاء اللہ اتنی آمدنی اور غضب خدا کا مٹی کی بدھنی۔ ٹین کا
ٹام لیٹ۔ بیٹی۔ عورت کی عزت اس کا سلیقہ ہے۔ ہنر نہیں تو لاکھ کا گھر خاک۔ لمحہ بھر کا کام
ہے ماما نہیں تو آپ ہی دو ایک ہاتھ چولھے پر پھیر لو۔ یہ پھنکار تو نہ رہیگی۔ کوئی بڑی بات
نہیں کھانے سے فراغت پائی اور اپنے سامنے سارے برتن دھلوا منجھوا چوکی پر یا کوٹھڑی
میں سکانس پر یا ٹوکری میں قرینے سے رکھوا دیئے۔ بس اتنا کام تو لو سگھڑاپا ہو گیا۔ برتن کے برتن
ٹھیک ہو گئے کام کا کام بن گیا۔ ہفتہ میں ایک دفعہ قلعی کروا لی۔ اُجلے کے اُجلے صاف کے صاف۔ اُپلے یا
لکڑیاں اندازہ سے ضرورت کے موافق نکالیں۔ جو بچیں وہ رکھدیں۔ باورچی خانہ نعمت خانہ ہے
ایندھن خانہ نہیں۔ کڑھائی کفچا۔ پھکنی دست پناہ۔ کام ہو چکا کونہ میں دھر دیا۔ پھر دیکھو کیسا صاف
باورچی خانہ ہوتا ہے۔ جہاں جھاڑو دی اور چندن ہوا۔ ہاں اتنی احتیاط ضرور چاہیئے کہ کیچڑ نہو
دھوون وغیرہ جتنا پانی ہے موری پر ڈالو۔ باورچی خانہ کے آگے ڈالنا بہت ہی بدتمیزی ہے۔ جوتا
یعنی برتن صاف کرنے کے واسطے ستلی کا ٹکڑا روز تبدیل کر لینا چاہیئے۔ اگر ممکن ہو تو مہینے
دوسرے مہینے باورچی خانہ میں سفیدی کروا دینی بہت اچھی ہے۔ برتنوں کی قلعی میں بے پروائی
کرنے سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔ کسیاؤ سے کھانا بالکل خراب ہو جاتا ہے۔ نقصان کا نقصان
ذلت کی ذلت۔ عقلمند لڑکیاں برسات کے آنے سے پہلے ایندھن بھروا لیتی ہیں تاکہ گیلی
لکڑیاں اور سیلے اپلوں کی پھوں پھوں سے بچیں۔ ایک دو پھوہڑ پن تو میں نے قریب قریب
سب ہی لڑکیوں میں دیکھا ہے۔ کپڑا رنگنے اُٹھیں اور جس برتن میں چاہا رنگ لیا۔ اس وقت
تو کام نکل جاتا ہے۔ مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دھو لینے سے برتن صاف ہو گیا لیکن اسکا اثر

موجود رہا۔ جو چیز اس میں رکھی وہ کڑوی جو نکالی وہ خراب اور سنو۔ ضرورت کے وقت روغن داغ
یا کر چھانہ ملا۔ کٹورا طشتری جو چیز سامنے آئی لے لی اور آگ پر رکھدی۔ چار دن کا میلا ہوتا
برتن گھڑی بھر میں کالا سیاہ ہو گیا۔ مجھے چاہے کنجوس کہو یا سوم مجھکو تو یہ بھی برا معلوم
ہوتا ہے کہ آگ دہڑ دہڑ جل رہی ہے اور چولھے پر کچھ نہیں۔ ایک وجہ یا یوں ہی غارت ہوا
کچھ نہ ہو تو پانی کی گھڑیا ہی رکھدو۔ گرم پانی کسی نہ کسی کام آہی جائیگا۔ ایک بات میں
کہنی بھول گئی۔ مامائیں برتن مانجھنے میں بڑی بے پروائی کرتی ہیں۔ بیٹیوں کو چاہیئے کہ
آپ اچھی طرح دیکھ بھال لیا کریں۔ پتیلی کا پیندا اگر اچھا نہ دُھلا ہو تو سالن کالا ہو جائیگا
اگرچہ دیکھا تو نہیں مگر سُنا ہے کہ بہتیری لڑکیاں ایسی منحوس ہوتی ہیں کہ جلتے چولھے میں سے
آگ دینا انہیں بہت ہی بُری معلوم ہوتی ہے۔ ایسی کمبختوں کو کیا کہوں اس سے زیادہ نالائقی
اور کیا ہو سکتی ہے جن کو مذہب یہ حکم دے کہ حاجتمندوں کو ہر طرح سے مدد دو اور اُن کے
وقت پر کام آؤ۔ اُن کا یہ سلوک۔ کیسے افسوس کی بات اور شرم کی جگہ ہے۔ اللہ کا شکر ہے
ایک چھوڑ دو دو مامائیں موجود ہیں مگر یقین کرنا کہ چاہے کھانے کو دیر ہو جائے جب تک باورچیخانہ
صاف ستھرا نہ ہو۔ میں تو ایسے وقت تک پکانا ریندھنا گناہ سمجھتی ہوں۔ کچھ دلّی ہی پر موقوف
نہیں میں نے تو سب ہی جگہ دیکھا ہے کہ جہاں کوئی غیر عورت آئی کنواری بیٹی اٹھی اور چھپ
گئی۔ مگر میں ایک بات پوچھتی ہوں شکل و صورت کے سوا باقی تمام عادتیں ہنر۔ سلیقہ
ڈھنگ۔ انتظام تو گھر کی صورت دیکھکر معلوم ہو جاتا ہے۔ مزاج تو معلوم ہو ہی گیا صورت
نہ دیکھی تو نہ سہی یہ سب جانتے ہیں کہ ماؤں کو چھوٹے بچوں ہی کی خدمت سے اتنی فرصت
نہیں کہ وہ گھر کے کاموں کو دیکھیں۔ جب سیانی لڑکی موجود ہے تو بھلائی برائی سب کی ذمہ دار وہ ہے
ہوئی۔ تم کہو گی تو بہی کہ اُستانی اچھی کم بخت آئی کہ کان کے کیڑے ہی کھائے۔ مگر
کیا کروں منہ پر رُکتی نہیں اب شروع کیا ہے تو پھر کیوں چھوڑوں۔ باورچی خانہ کا حال تو سن
لیا۔ اب پانی جو زندگی قائم رکھنے کے واسطے ایک ضروری چیز ہے اسکی کیفیت بھی سنو

اگر اس کی طرف اچھی طرح توجہ نہ ہوئی تو زندگی کو بہت نقصان پہنچتا ہے ذراسی بے احتیاطی میں کیڑے پڑ جاتے ہیں جو پینے میں تو خیر گہناؤنے ہی معلوم ہوتے ہیں مگر پیٹ میں پہنچکر طرح طرح کی بیماریاں پیدا کر دیتے ہیں۔ دیکھو نہ گھڑونچی ٹوٹی مٹکے میلے چپنیاں ندارد۔ اس پانی سے اوّل تو پینے والے ہی کی طبیعت کو کراہیت معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے منہ کا کھلا رہنے سے کیڑے مکوڑے مچھر بھنگے جا پڑتے ہیں۔ رات کے وقت اگر پانی پینے والا بھی ایسا ہی سا ہوا تو سب پیٹ کے اندر۔ سب سے بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ گھر کا پانی ایسی حالت میں ہو کہ آنے جانے والے کا جی پینے کو نہ چاہے۔ بھیرے لگیں۔ گھڑونچی کچھ زیادہ قیمتی چیز میں نہیں برس میں دو دفعہ بھی بدل لو یا صاف کر لو تو ایسا خرچ نہ ایسی محنت۔ مٹکے بدلنے کو اگر چھ پیسے بھی میسر نہ ہوں تو وہ میلے کا گیرو پھیر لینے سے مٹکوں کی صورت ہی کچھ اور نکل آتی ہے چپنیاں کاٹ کی نہیں تو مٹی ہی کی سہی۔ پانی تو ڈھکا رہیگا بہت سی بیماریاں صرف پانی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر احتیاط کی جائے اور پانی روز مرہ چھان کر صاف کیا جائے تو تندرستی کو بہت مفید ہے۔ پانی صاف کرنے کی یوں تو بہت سی ترکیبیں ہیں مگر سب سے اچھی تدبیر یہ ہے کہ تین گھڑے لیکر دو کے پیندوں میں چھید کر لو۔ اور پہلے دوسرے یعنی چھید والے گھڑوں میں اُجلے صاف شفاف کپڑے کی تتی لگا لو اور ان ہی میں تھوڑا سا مدیا کا ریتا ڈالدو اور پہلے گھڑے میں پانی بھر کر تینوں گھڑے اوپر نیچے اس طرح رکھو کہ پانی ٹپاٹپ گرتا جائے اس ترکیب سے رس رس کر پانی تیسرے گھڑے میں صاف بھی ہوگا اور ٹھنڈا بھی ہوگا۔ بعض لڑکیوں کو پانی کا بہت دھیان ہوتا ہے۔ جہاں سقہ کے آنے کا وقت ہوا اور انہوں نے باسی پانی چھان کر الگ کیا اور مٹکے خالی کر دئیے تاکہ تازہ باسی ایک نہ ہو جائے۔ جس کو تازہ پینا ہوا تازہ پیا۔ باسی پینا ہوا باسی پیا۔ اگر پانی کی احتیاط نہ ہو اور کوئی ملانی آنکلا اور اس نے باسی پانی مانگا تو اللہ کا نام۔ تازہ حوالے کیا۔ اس نے منہ میں لیتے ہی کلی کر دی۔ اگر غیرت ہو تو چلّو بھر پانی میں ڈوب مرے

کہ گھر میں پانی بھی ڈھنگ کا نہیں۔ پانی پلانے میں بڑی ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ یہ نہیں کہ اندھے پتے سے آگے لا کھڑے ہو گئے۔ پہلے یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ کچھ پڑا تو نہیں ہے۔ خاصکر رات کے وقت ضرور روشنی میں دیکھ کر پلانا چاہیئے۔ مٹکوں کے انتظام میں اتنی احتیاط اور ضرور ہے کہ بچوں کا مٹکا اُن کے پانی پینے کا برتن الگ ہو۔ کیونکہ وہ دن بھر مٹی کیچڑ میں کھیلتے پھرتے ہیں اُن کے ہاتھوں کا اعتبار نہیں ہوتا اور جس طرح تم کو اوروں کے ہاں جا کر بچوں کے ہاتھ لگانے پر پانی سے کراہیت ہوتی ہے۔ اسی طرح دوسروں کو تمہارے ہاں دیکھکر ہوگی۔ کٹورا آبخورا۔ ڈونگا۔ سب برتن قلعی دار ہونے چاہئیں۔ کم سے کم دو برتن ایک بھرنے کا ایک پینے کا ہر وقت مٹکے پر ضرور ہوں۔ بہت برا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی برتن غڑپ غڑپ ڈالا اور اسی سے پانی پی لیا۔ صراحی یا گھڑے کے منہ پر اُجلا سفید مہین کپڑا بندھا رہنا بہت اچھا ہے۔ پانی چھن چھن کر نکلتا ہے گرمی میں باسی پانی ہر گھر میں ہر وقت موجود رہنا چاہیئے۔ مٹکوں کے پاس کیچڑ کا ہونا بھی بدتمیزی ہے۔ ایک علیحدہ برتن گھڑونچی کے پاس اس غرض سے رکھنا لازم ہے کہ بچا ہوا پانی اس میں ڈالتے جائیں اور دونوں وقت وہ پانی موری پر پھینکوا دیا جائے۔ پانی کے پاس کیچڑ کرنا جان بوجھکر بیماری پیدا کرنا ہے۔

بیٹی یہ تو میری باتیں تو تم کو زہر لگتی ہی ہوں گی اور دل میں کہہ رہی ہوگی۔ بس چلے تو استانی نامراد کا منہ نوچ لوں کہ گھر چڑھ کر لڑنے آئی اور دو دولی چڑھ کر باتیں بنا گئی۔ مگر بیٹی یہ تو سوچو مجھے کے رکعت کا فایدہ۔ گھر بگڑا تو تمہارا۔ نقصان ہوا تو تمہارا۔ تمکو نہیں تو تم بدنام ہوئیں تو تم۔ میں بیچاری لینے میں نہ دینے میں۔ چلتی چلاتی پھرتی پھراتی آئی گھڑی بھر بیٹھ گئی۔ جی جلا سفر کہیا چلی۔ مانو نہ مانو۔ سنو نہ سنو تم جانو۔ تمہارا کام۔ کیا کروں۔ نواب صاحب کے ہاں جانا ہے نہیں تو کہتی اور پیٹ بھر کر کہتی۔ بگڑو گی تو بگڑا کرو۔ ایک تعریف تمہاری اور بھی سنتی ہے۔ سچ ہے یا جھوٹ مگر اب تو لپ گئی۔ کیوں ایسے کو تاک کئے جو کسی نے کہا۔ جھوٹ کیوں ہونے لگا۔ سب گنوں پوری کوئی نہ کہو لنڈوری۔ ماشاء اللہ قرض پر دل شیر ہے۔ بیبی بات

تو جب ہی ہے کہ کوئی کسر نہ رہ جائے۔ خدا نہ کرے کہ کسی لڑکی کو یہ لپکا پڑے۔ نہ یہ عادت چھٹنے والی۔ نہ گھر پنپنے والا۔ بڑی بوڑھیوں سے سنا کرتے تھے بھیک مانگنا اچھا اور قرض لینا برا۔ اب جو دیکھا تو سچ ہے۔ لینا ہی ٹھہرا تو قرض کے نام سے کیوں لو جو دینے کا فکر رہے بھیک ہی نہ مانگ لو جو تقاضے کا کھٹکا بھی جائے یا درکھو سمجھدار آدمی اول تو قرض ہی نہیں دیتے اور اگر ایسی ہی مجبوری آپڑتی ہے تو یہ سمجھکر دیتے ہیں کہ وصول ہو چکا۔ بیٹی ذرا انصاف کرو جب دینے والے نے یہ سمجھکر دیا تو بھیک نہ ہوئی تو کیا ہوئی۔ عقل سے کام لو۔ ایسی بے غیرتی بھی کس کام کی۔ جیسے دو ہاتھ پاؤں تمہارے ایسے دوسرے کے۔ اس غریب نے کسی نہ کسی طرح محنت مشقت سے کمایا۔ جفاکفا سے بچایا اور ہم لینے کو تیار۔ اس کی تو گاڑھے پسینے کی کمائی اور ہم نے مفت میں اڑائی۔ دکھ بھریں بی فاختہ اور کوے انڈے کھائیں۔ ہم کو قرض مانگنے کا کیا حق حاصل ہے۔ جس طرح کسی امیر کے ساتھ نالائق مصاحب لگ جاتے ہیں کہ دہوکا دیکر اپنا پیٹ بھریں جس طرح کسی رئیس کے پیچھے شہدے چمٹ جائیں کہ چند ہی روز میں مٹی کو خاک میں ملا دیں۔ جس طرح ریشمین کپڑے کو کیڑا لکڑی کو گھن کڑیوں کو دیمک لگ جائے۔ اسی طرح آدمی کو قرض لگ جاتا ہے۔ لاکھوں کی آمدنی کیوں نہ ہو مگر قرض کے پیچھے سب خاک ہے۔ بڑوں کی مثل ہے بیٹیوں والا گھر اور چیلوں والا چولہا کبھی پنپتا نہیں۔ میں کہتی ہوں قرض والی آمدنی بھی نہ کبھی پنپی ہے نہ پنپے گی۔ بھیک مانگ لے فاقہ کرلے مگر قرض نہ لے جس نے قرض لیکر تار پھر جانا بس دنیا بھر کی مصیبتیں اس پر آگئیں۔ غیرت حمیت حرمت سب گئی گزری ہوگی۔ لین دار ہزاروں باتیں سنا رہا ہے اور کان دبائے سن رہے ہیں۔ نواب مظفر کی سگی بھاوج نوشابہ کا حال سنا ہے۔ اسی قرض کے ہاتھوں وہ مٹی پلید ہوئی کہ خدا دشمن کی نہ کرے۔ سردار کی بھتیجی۔ اتنے بڑے باپ کی بیٹی۔ چھ سات گاؤں کی تعلقہ دار مگر قرض کا مرض ایسا لگا کہ بالکل ہی تین تیرہ کر دیا۔ ریاست اور امیری سب گئی گزری ہوئی۔ پھر پھر جھولی اشرفیاں اور بھر بھر ہنگی روپے باہر آئے اور ادھر ختم دونوں فصلوں پر بس

روپے آنے کی دیر تھی۔ گھر میں پہنچا اور اندر باہر تھا جیکہ موجود۔ بی نوشابہ پلنگ پر بیٹھی تھیلیاں
آ گئے۔ عیدو آؤ لیجاؤ۔ بکریدو آؤ لیجاؤ۔ شام تک بوری بٹ گئی۔ روپیہ کیا ریوڑیاں تھیں کہ تین
چار گھنٹوں میں ختم ہو گئیں۔ ایسی ہی کوئی بھاگوان فصل یا مبارک دن ہوتا ہوگا کہ ہٹ ٹہا کر سب پاس
روپے بچتے ہوں گے۔ وہ رہا جو جھاڑ کر اٹھتی تھی۔ اب اکٹھے چھ مہینے اللہ بی نوشابہ ایک ایک
کی خوشامد کر رہی ہیں۔ اتنی بڑی آدمی اور ٹکے ٹکے کے آدمیوں کے آگے ہاتھ پھیلا رہا کوئی جھڑک
رہا ہے کوئی گھرک رہا ہے مگر اس اللہ کی بندی کے کان پر جوں نہیں چلتی تو سوکھی مہندی کے
ڈنڈے پر لکھی اس کو کہتے ہیں۔ گرہ کا دینا اور جوتیاں کھانی کیسی بے غیرتی اور کس قدر
بے حمیتی کہ خدا بچائے۔ اس آمدنی کو دیکھو اور ان ڈھنگوں پر غور کرو۔ آج پتیلی چلی۔
کل لوٹا گیا۔ پرسوں کٹورا گیا۔ طباق پر آٹا آیا طشتری بکی تو گھی جڑا۔ صبح سے دوپہر تک
ایک ایک کی منت کی ایک ایک کی خوشامد۔ مل گیا تو خیر نہیں تو جو چیز نظر پڑی وہی بنئے کے
ہاں۔ غرض اسی بلوں بلوں میں چھ مہینے گزرے۔ ہاتھ سیکڑا اور پاؤں پکڑا۔ ننگے کان سونا
سے ہاتھ گہنے کے تمام چاندی کا تار نہیں۔ فصل کا وقت ہوا اور قرضخواہوں کی صورتیں دکھائی
دینی شروع ہوئیں۔ آخر یہ سب گاؤں اور جائداد گروی ہوئی۔ آمدنی تو پہلے ہی جیسی
تھی ظاہر ہے۔ سود نکلتا تو کہاں سے۔ تھوڑے دنوں تو خوب اللے تللے ہوئے۔ روپیہ کیا
ٹھیکریاں تھیں۔ برس کے اندر تیس چالیس ہزار روپیہ ختم ہو گیا۔ ساہوکار ایک ستر آدمی
برس ڈیڑھ برس وہ گھنی سادی کہ گویا کچھ واسطہ ہی نہ تھا اور پھر تو دروازہ کی مٹی لے ڈالی
سود در سود دو کے چار اور چار کے آٹھ تب تو اچھی طرح یاد بھی نہیں۔ سود لے ڈیوڑھے کر کر اور جھٹ
نالش داغ دی۔ یہاں کیا دھرا تھا سینکڑوں ہزاروں کی جائداد۔ باپ دادا کی نشانی کوڑیوں کے
مول نکل گئی۔ کبھی بڑی خالہ کے یہاں جاؤ تو کنوئیں کے سامنے کی حویلی دیکھتا ہی مکان ہے جس کے
دروازے پر ہاتھی جھومتے تھے آج ذرہ بھی نہیں۔ سب کچھ نکل گیا۔ ایک بیری والا گھر رہ گیا۔ اب چار
روپیہ کا کرایہ چاہو اوڑھو چاہے بچھاؤ۔ کال کے دن پونے آٹھ سیر کے گیہوں چار روپے کے

دن کے۔ سالن تو الگ رہا روکھے آٹے کے پھنکے اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے بھی پیٹ میں پڑ جائیں تو
بہت۔ اللہ کی شان نظر آتی ہے۔ جہاں یہ کچھ ریل پیل تھی اب چلانے کا تیل بھی نصیب نہیں۔ اگلے
جمعہ کو ملنے گئی تھی۔ تو شاہ جبینی بیگم جن کے پاس بھول کر بھی غم نہ پھٹکتا تھا ماما اصیلیں اور لونڈیاں
اور چھوکریاں قدموں کے نیچے آنکھیں بچھاتی تھیں اور سرکار کہتے منہ خشک ہوتا تھا اب اس
حال میں تھی کہ ٹوپی والا کھڑا دروازے پر کھڑا تھا۔ دونوں کوڑیاں کل دوپہر تمام کر دو تو
لے لو۔ اگلی ٹوپیوں میں جھومر والی بیلیں تم نے بالکل ہی ناس کر دیں۔ وہ پانچوں پیسے کا ٹکڑا
سوا تین آنے بکتے ہیں لیتی ہو لو نہیں لیتیں تو لو۔ اللہ اللہ یہ وہی پشتوں کی امیرزادی ہے
جس کی دادی گھر بیٹھے آدھے رسول آباد پر حکومت کرتی تھیں اور سارے حسین آباد پر
راج تھا۔ اسی دادی کی پوتی موئے سڑے ہوئے ٹوپی والے کے آگے اپنی پر ہاتھ
پھیلاتی ہے۔ خدا جانتا ہے میرے تو آنسو نکل پڑے۔ ننگے سر ننگے پاؤں۔ کرتہ چکٹ
دوپٹہ ہار۔ پاجامہ لیریاں۔ کواڑ کے پیچھے کھڑی پانچ پیسوں کے لئے بلک رہی تھی میں تو
جا کر بھی پچھتائی۔ مجھے کیا خبر تھی کہ ایک پانچ ہی برس میں اس کی یہ گت ہو جائے گی
میرے چلتے وقت گو وہ بات نہ رہی تھی مگر پھر بھی یہ ہڈر اتو نہ تھا۔ کیا سے کیا ہو گیا۔
جن ہاتھوں سے سینکڑوں ہزاروں اٹھائے آج وہ دو دو دانوں کو محتاج ہیں۔ چلن سے
چلتی تو عمر بھر لالوں کی لال بنی رہتی چار کو کھلا کر کھاتی۔ فقط اس قرض کے کارن سب کچھ
تحالے لگ گیا۔ اب کوئی دو کوڑی کو بھی نہیں پوچھتا۔ جس کو لاکھ کا گھر خاک کرنا ہو وہ
قرض کی عادت ڈالے۔ اللہ نہ کرے کہ کسی لڑکی میں یہ عیب پیدا ہو۔ جب کسی لڑکی کو
دیکھو قرض مانگ رہی ہے۔ بس سمجھ لو کہ اس کی زندگی برباد ہو گئی۔ لو بیوی اللہ بیلی بس میں اب
جاتی ہوں سنجیدہ نسیمہ۔ استانی جی تینوں گھر آئیں تو ڈولی سے اترتے ہی استانی جی نے
کہا لو سنجیدہ۔ خدا کی قسم ایک بوند نہ ہوں جس چیز کو بچھتی تھی بے لینڈے۔ گھر تو گھر دیوار پاکھوں
تک پہ بدتمیزی برس رہی ہے۔ تمہارے سر کی قسم میں نے تو بہت لحاظ کیا نہیں ایسا ٹھیک

جاتی کہ مزہ آجاتا۔ کہنے میں تو میں نے اب بھی کسر نہیں کی مگر پھر بھی بہت سی باتیں رہ گئیں۔
اتنا میں تم سے کہے دیتی ہوں اور میری آج کی بات یاد رکھنا۔ چاہو یہ کھیل ہو جائے سو یہ
ٹھیک ہونے والی لڑکی نہیں مگر یہ سب ڈھکو سلے میاں کی زندگی تک ہیں۔ بڑھیا کی آنکھیں بند
ہوئیں اور کوڑی کے تین۔ لڑکی کیا مٹی کا تھوا یا آٹے کی آیا ہے۔ کسی کام ہی کی نہیں۔ بی ننھی کی
اماں جو بہت بڑھ بڑھ کر بول رہی تھیں میاں اتنی ہی دیر میں حق کی چوری بھی پکڑ آئی۔ تمکو خاک بھی
خبر نہیں اور میں ایک ہی نگاہ میں تاڑ گئی۔ سچ پوچھتی ہو تو ماما بیچاری کا کیا قصور۔ سر پر آ ٹھس
ہی نہیں تو کیا کرے۔ تم نے یہ بے غیرتی بھی دیکھی۔ میں نے اتنا کچھ کہا لڑکی کے کان پر جوں بھی چلی
کیسی آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر بیٹھی ہے کوئی اور ہوتی تو شکل نہ دکھاتی۔ بس اللہ کسی پر بری نہ بنائے
ماں باپ بیچ بیٹھے بے ڈھنگی۔ ماماؤں کے ہاتھ میں پڑا گھر جو کچھ ہو سب ٹھیک۔ بھی کیا ہے آگے چلکر دیکھنا
جو اس کمبخت کے ہاتھ میں بھیک کا پیالہ نہ ہو تو نام پلٹ ڈالنا۔ صورت سیرت الیاس سونے
چہ جتنے والیاں تھے کہ بادشاہ ملائیں تو انکو کوئی بھرتا نہیں اس کے غرور کی بھرتی کو کون بھرے گا۔ کام کی
نہ کاج کی۔ نہیں دن بھر بیٹھے دیکھے جاؤ۔ دو دفعہ تم نے پانی مانگا اگر آپ اٹھکر پلا دیتی تو کیا
شان کو بٹہ لگ جاتا۔ وہی کہاوت ہے اتار لی منہ کی لوئی تو کیا کریگا کوئی۔ جب بے غیرتی ہی پر کمر باندھی
تو پھر کیا علاج۔ اپنے منہ سے یکو منہ کہیا اوجی جلاد اس کے بھانویں بھی نہیں اتنی بھی تو پروا نہ تھی
کہ یہ بات کیا رہی ہے اور کہیں کہہ رہی ہے۔ مجھے تو ڈر یہ ہے کہ یہ خالہ نہ ہو اماں گئی ہوں اسوقت تو جو
منہ میں آیا کہہ گئی۔ مگر جب سے اتری ہوں یہی خیال چلا آرہا ہے۔ بھلا ہوا میں کون پرائے شگون کے
واسطے اپنی ناک کٹائی لینے میں تو دینے میں واسطہ نہ غرض وہ مثل اصل ہو گئی بہنی تم کون خواہ
مخواہ۔ پھوہڑ ہو گی تو میرا کیا لیگی اور سگھڑ ہو گی تو مجھے کیا بخشدیگی۔ اچھی ہے تو انکی۔ بری ہے
تو ان کی۔ برا مانو یا بھلا تم نے کیا۔ آپ تو اچھی رہیں اور مجھے جھنڈے پر چڑھوا دیا۔

(۴۲)

کارخانہ قدرت کے انتظام انوکھے اور نرالے ہیں ہزاروں لاکھوں ہمدردیاں اکی نیدیاں اچھی بری

سگھڑ، پھوہڑ، کانڑی، کبڑی، لنگڑی، لولی صبح شام کبھی چلی جا رہی ہیں۔ میکے میں تیس تیس نیلے ڈورے سسرال پہنچیں تو کارچوبی جوڑے۔ یہاں دُردُر پھٹ پھٹ، اجیرن وبال وہاں عزت و قعت لالوں کی لال۔ روپیہ کی روئے کرم کی کھائے۔ ماں باپوں کی بیٹیاں سونسنوں کا حُسن اُن کے گُن اور تتو تکلوں کی شکل اُن کا سلیقہ۔ ککڑی کی بیل اور لڑکی کی بیل گھنٹوں بڑھے گھڑیوں بڑھے۔ کل کی بات ہے بی منجھلی کی نالائقیوں کا جھینکنا تھا آج اُن کے بر کی تلاش ہے۔ ڈیل کچھ کا کچھ ہوا۔ اُٹھان کہیں کا کہیں پہنچا۔ ماں بیچاری رات رات اسی فکر میں گھلی جاتی تھی کہ کسی طرح اس کے دو بول ہو جائیں۔ مسجد کی مٹھائی بڑے پیر کی گیارھویں حسن حسین جو کچھ سمجھ میں آیا سب ہی کچھ کیا۔ برس سوا برس تک اسی چکر میں پڑی رہی مگر جن ڈھونڈ ہیاں اُن پائیاں۔ یہ خوش نصیبی ماں کی سمجھو یا بیٹی کی نہ بیچ والیوں کے برتنے پھٹے نہ آنے جانے والیوں کی جوتیاں ٹوٹیں۔ ہونے والا کام اور بننے والی بات غیب سے ایک ایسا سامان ہو گیا کہ ہلدی لگی نہ پھٹکری اور منجھلی بیگم خاصے دھوم دھڑکے سے سسرال جا پہنچیں۔ تہر کا ضلعدار دریا پار سے بر لکر آیا۔ بیوی مر چکی تھی بچہ کوئی تھا نہیں۔ ڈیڑھ سو روپے کا تنخواہ دار۔ ذات کا سید مزاج کا اچھا۔ بات ٹھہرنے کی دیر تھی چٹ منگنی پٹ بیاہ ہو گیا۔ ضلعدار غریب ہے چاہے یہ سمجھو کہ ارمان نکل گیا تھا یا یہ کہو کہ سمجھدار آدمی تھا ایک دفعہ نہیں تین تین اور چار چار دفعہ کہلا بھی بھیجا اور لکھ بھی بھیجا کہ دلی والوں کی طرح لنگوٹی میں پھاگ نہ کھیلنا۔ چادر دیکھکر پاؤں پھیلانا۔ بیسیوں جوڑے سینکڑوں برتن منوں کاٹ کباڑ۔ حاصل دین نہ حاصل دنیا۔ ہم لوگوں کی حالت اس قابل نہیں کہ روپیہ یوں ضائع کریں۔ یہ کس خدا نے بتایا ہے کہ ایک بیٹی کا بیاہ کرنے اُٹھے اور عمر بھر کے واسطے قرضدار ہو گئے۔ پھر ستم یہ کہ صرف بھی کیا تو ایسے فضول کاموں میں کہ نہ ضرورت نہ حاجت وہی کہاوت ہے جیب حلی نہ سواد آیا۔ مجھ سے پوچھو تو کنوئیں میں پھینکدینا ہے۔ خدارا ان لغویات سے بہت بچئے گا۔ جو کچھ بھی کیجئے حیثیت کے موافق اور ٹھیک ٹھاک۔

آمدنی کے لائق نام و نمود کی پرواہ آپ کو ہو تو ہو۔ میری طرف سے تو اطمینان رکھئے۔ میں تو فقط گھر آباد کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ کا دیا میرے پاس سب کچھ موجود ہے۔ پھوپی کا تو منشا تھا کہ چپ چپاتے نکاح کر کے بھتیجی کو رخصت کردے مگر ادہر تو بھاوج اُدہر خود بھتیجی۔ دونوں بیٹیوں کے دماغ ساتویں آسمان پر تھے۔ سنجیدہ تو منہ سے بات نکالکر چونچ بنگئی۔ بھتیجی جو منہ پھلاکر پڑی تو سارے گھر نے زور لگالیا مگر وہ اللہ کی بندی منجھلی کیا مانتے اور منے والی تھی۔ بیٹی کی یہ کیفیت ماں کا یہ حال کہ نند سے اتنا سنتے ہی لگی رو رو کر کہنے۔ بھلا سنجھو مجھ سے گھڑی گھڑی لینے تھوڑی آئیگی غضب خدا کا پالکی کے پیچھے دس برتن بھی نہ ہوں۔ بڑی کو تو دس ہزار کا جہیز اور اس کو تاک بھی نہیں۔ آخر جس پیٹ کی وہ تھی اس کی یہ بھی ہے آیا مجھے تو دونوں آنکھیں برابر ہیں خلق کا حلق کون بند کرے گا دیکھنے والے تو کہویں ہی گے جس محفل میں جاونگی جوتیاں پڑینگی۔ قیاس چاہتا ہے کہ اگر ماں کا بس چلتا تو وہ اپنا تو اپنا محلہ والوں تک کا اسباب بیٹی کے جہیز میں دیدیتی اور بی منجھلی بیگم کا اختیار ہوتا تو کہ اللہ تو در کنار رہنے کی حویلی تک کا قبالہ ساتھ لیجاتیں۔ مگر میر صاحب نے کیا غضب سنجیدہ ہوئی الگ تھلگ دونوں ماں بیٹیوں کے ارمان دل کے دل ہی میں رہے لیکن منجھلی کیا چوکنے والی بشر تھیں۔ بھائی بہن کی صلاح کا رنگ دیکھکر اس نے نکاح سے ہفتہ بھر پہلے کھانا پینا چھوڑ رو رو کر خون کیا۔ کہ سب ہی نے سمجھایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ماں۔ میاں اور نند کے ڈر سے دل کھولکر تو کچھ نہ کرسکی مگر اُدہے باؤ اونے پونے اِدہر اُدہر سے کتر بیونت کر کرا چھ سو روپے کی قرضدار ہو ہی گئی۔ غرض خدا خدا کر کے بی منجھلی بیگم ماں کو سدا کے واسطے سود کی لپیٹ میں ڈال اپنے گھر روانہ ہوئیں۔ چاروں چالے ماں اور خالہ ممانی اور پھوپی کے ہوئے۔ چوتھا چالہ پھوپھی کا تھا اور سب کی آنکھیں اسی طرف لگی ہوئی تھیں۔ نسیمہ جیسی بیٹی کا کام اور سنجیدہ جیسی پھوپی کا انتظام جو کچھ ہوتا وہ تھوڑا۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ پھوپھی بھتیجیوں کے سلیقہ اور کام نے غضب ہی کی دہوم دہام کردی۔ اور دسترخوان پر وہ کھانے چن دیئے کہ اچھے اچھے

بانورچیوں کو پرے بٹھا دیا۔ دو تین چیزیں تو ایسی پکائیں کہ جس نے کھائیں انگلیاں چاٹنے لگا۔ تحصیلدار صاحب کی پھوپھی زاد بہن تو یہ رنگ ڈھنگ دیکھکر بالکل ہی لوٹ پوٹ ہوگئیں۔ دونوں طرف میز پر بجلی کے لیمپ دھڑ دھڑ جل رہے تھے۔ چھت پر دائیں بائیں دو قمقمے میزوں کے بیچ میں اجلا صاف شفاف دستر خوان آدہ آدہ گز کے فاصلہ پر ایک ایک گلاس بڑی سی تعب میں سالن ایک میں چاول۔ دونوں پر چمچے رکھے۔ خالی طشتریاں موجود۔ جس کو جتنی ضرورت ہوئی نکال لیا۔ باہر صحن میں مامائیں کندہوں پر تولئے۔ ہاتھوں میں لوٹے لئے کھڑی تھیں۔ بیویاں ہاتھ دہو دہو دستر خوان پر آ کر بیٹھیں تو ماماؤں نے اجلا براق تولئے کی شکل کا کپڑا سب کے آگے ایک ایک کہدیا کہ گردن میں لگا لیں تاکہ کپڑے داغ دہبے سے خراب ہوں۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر اکثر دیکھا ہے۔ چکنا ہاتھ لگا اور تمام پانی میں ترمرے پڑ گئے۔ گھن کے علاوہ ایسا پانی پیتے ہی کھانسی ہو جاتی ہے۔ سنجیدہ نے خوب کیا کہ ہر بیوی اپنے پانی کی ذمہ دار۔ ایک ایک صراحی۔ گلاس سب کے آگے۔

(۲۳)

چالا تو ایسا ہوا کہ دونوں پھوپی بھتیجیوں کی واہ واہ ہوگئی۔ منجھلی کے بیاہ کو چہ ساڑھے چھ مہینے ہوئے ہوں گے۔ جاڑے کے دن تھے۔ گھر کی قدیم ماما بڑھیا تو تھی ہی۔ ادہر تو پڑی سردی اوپر سے جہاڑ۔ ساٹھ باسٹھ برس کی عمر ہمت ٹوٹ گئی۔ ایسی نمکحرام تو نہ تھی کہ عمر بھر کا ٹھکانا یڑوں کا ساتھ آنکھوں پر ٹھیکری دہر صاف الگ ہو جاتی۔ منت سے کہنے لگی بیگم۔ پڑ جاؤں گی تو اتنے سے بھی جاؤں گی۔ کہو تو کل سے نواسی کو بھیجدیا کروں اور سب کام تو کرے گی۔ ہاں اتنا ہے کہ سالن تم آپ بگھار لیا کرنا۔ روٹی ذرا اس کے ہاتھ کی بھاری ہوتی ہے۔ پکاتے پکاتے ٹھیک ہو جائے گی۔

بڑی بی نے تو آج کہا سنجیدہ پندرہ دن سے کہہ رہی تھی کہ اس کڑکڑاتے جاڑے میں

ڈیڑھ کوس سبزی منڈی سے صبح نماز کے وقت بڑھیا کا آنا اور چھ گھڑی رات کی توپ چلے جانا خدا خیر کرے۔ مہینہ کی مرتی آٹھ ہی دن میں ٹیں ہو جائیگی۔ پھر ایسی نمک حلال ماما چراغ لیکر ڈھونڈو تو میسر نہیں۔ نواسی کے آنے پر تو راضی ہو گئی۔ لڑکی نے دوسرے دن فجر ہی آ جھاڑو تو خیر خاصی دی۔ کچھ ماکھی صفائی سے تہ کیا۔ مگر آٹا گوندھنے بیٹھی تو ادھر تو ہاتھ کی تمام چوڑیاں لت پت۔ اُدھر کونڈے کے چاروں طرف گھیرا بنا ہوا۔ گوندھا تو ایسا کہ گٹھلیاں پڑی ہوئی۔ کھیری پھٹی ہوئی۔ نسیمہ دور سے بیٹھی دیکھ رہی تھی ہنستی ہوئی پاس آئی اور کہنے لگی۔ لو یہ آٹا گوندھا ہے۔ ذرا چوڑیاں تو دیکھو اور یہ گرا ایا کیوں ہے۔ بنو اس کا قاعدہ یہ ہے پہلے کونڈے کو دھو دھلا صاف کیا۔ پھر آٹا ڈالکر سوندھا۔ ذرا جاندار ہاتھوں سے ملی دی۔ کٹھر نے پڑ گیا تو ہتھیلی دی نہیں تو کھیری پھٹ جائے گی۔ تم نے ہتھیلی تو دی نہیں۔ برابر ملی دیتی رہیں۔ جب ہی تو کھیری پھٹ گئی۔ لاؤ میں ٹھیک کر دوں۔ دیکھو ٹھہرا دیتیں تو اس طرح بلبلے پڑ جاتے۔ اب اس آٹے کی روٹیاں پکاؤ کیسی چپاتی پکتی ہے۔ ایک وہ تمہارا آٹا تھا کہ موٹے موٹے ٹکڑ بھی نہ اُترتے۔ جاؤ توا دھو کر چولھے پر رکھو اور روٹی ڈالو۔ دیکھوں کیسی پکاتی ہو۔ جیسا آٹا گوندھا ایسی روٹی نہ پکانا۔ ذرا ہاتھ ٹھہرا کر ڈالنا بھاگر نہیں ہے کہ ساکھ سو کھڑ پکا پکو الگ کرو۔ آٹے پر صافی ڈھانک لو نہیں تو پپڑا جائیگا۔ لو اب تم روٹی ڈالو۔ بسم اللہ کر کے پیڑا الٹے ہاتھ پر۔ کیا کہتی ہو؟ سیدھے ہاتھ پر رکھو۔ واہ یہ پیڑے بنا رہی ہو۔ ذرا گول بناؤ۔ خشکی لو کم اور چنگیر کر و ٹھیک۔ اس زور سے تھپ تھپ کہ روٹی بھی پھٹ جائے۔ ذرا آہستہ۔ آنچ تم نے اتنی کر رکھی ہے کہ اس توے پر سے لال چتی کی روٹی اتر ہی نہیں سکتی۔ شاباش ہے اسی ہاتھ سے اُبلے اسی ہاتھ سے روٹی اور یہ کیا عقلمندی ہے۔ روٹی پکا کر کھلی ڈال رہی ہو کہ سوکھ کر کھڑ ملک ہو جائے۔ دستر خوان میں رکھو کہ نرم بھی رہے گرم بھی رہے۔ لو اب تم دیکھو اور میں پکاؤں پہلے تو یہ روٹی رکھنے کی چنگیر جو ٹیڑھی بڑی پڑی ہوئی ہے سیدھی کر کے رکھو۔ دستر خوان آدھا اس میں بچھایا۔ آدھا روٹیاں ڈھانکنے کو اوپر کہا آٹے کے کونڈے پر سینی ڈھانکو آٹھ دس پیڑے

توڑ کر سینی پر رکھ لئے۔ جب پک گئے پھر نہ توڑیں گے۔ یہ جو آلاؤ کا آلاؤ چولھے میں لگا ہوا ہے اس میں جو روٹی پڑے گی وہ جلکر خاک ہو گی۔ روٹی ہمیشہ دھیمی آنچ میں اچھی ہوتی ہے۔ دیکھو یہ پیڑے گول ہیں نہیں۔ خشکی نہ اتنی زیادہ نہ ایسی کم۔ معمولی سی رکھی ہے۔ دیکھو کیسی چنگیر آ رہی ہے۔ پولے پولے ہاتھوں سے پلٹو کتنی پھیلی ہیں اس میں مشکل ہی کیا ہے۔ اب پلٹتی ہوں لو دیکھو آنکھیں کھولکر کہیں سے جلی بھلسی تو نہیں ہے۔ بادامی چتی کی۔ خبردار جو اب روٹی پکانے میں ویلوں کو ہاتھ لگایا وہی ہاتھ گوبر کو وہی آٹے کو گھن نہیں آتی؟ کرسی کا کھور اگر آٹے میں پڑ گیا تو لگی لگائی قیمت غارت اور پکا پکایا کھانا حرام۔ لاؤ اب دو روغنی روٹیاں پھوپی اماں کی اور ایک پراٹھا اپنا پکاؤں۔ اس کٹورے میں گھی نکال لو۔ پہلے روغنی پکا لوں۔ دیکھو گھی پگھلا کر آٹے کا پیڑا اس میں ڈالکر متھ لیا۔ سب گھی پیوست ہو گیا۔ اس کو بہت نہیں پھیلاتے روغنی روٹی ذرا گدری اچھی ہوتی ہے۔ آنچ بھی دیکھو دھیمی کر رہی ہوں۔ تیز میں نامرم ہو جائیگا اچھا یہ تو دونوں ہو گئیں۔ اب پراٹھا رہا۔ پراٹھا تین وضع کا ہوتا ہے۔ بل دار پرت دار ٹکیہ کا۔ پہلے تمکو پرت دار بتاؤں۔ دو چھوٹے چھوٹے پیڑے لئے بیچ میں گھی لگا کر دونوں کو اوپر نیچے رکھ لیا لے لو اب چنگیر بنا کر توے پر ڈال لیا۔ پگھلا ہوا گھی پاس رکھا ہے۔ تھوڑا تھوڑا سا لگاتے گئے چتی پڑ گئی اب پلٹ لیا۔ اس میں گھی کم لگتا ہے۔ اس کے چاہے جتنے پرت کر لو یہ تو دو ہیں چاہے تین کرو چاہے چار۔ لاؤ ایک بل دار بھی تمہارے سامنے پکاؤں۔ دیکھ رہی ہو نہ؟ گھی اور نکالو۔ اس میں گھی بہت لگتا ہے۔ دیکھو ذرا سا آٹا رکھا اس میں گھی لگایا پھر آٹا رکھا اور گھی لگایا۔ کم سے کم پانچ دفعہ گھی لگاتے گئے اور آٹا رکھتے گئے۔ دیکھو اب اس کا اسطرح پیڑا بناتی ہوں۔ بنگیا اب بل بنایا اسی طرح مروڑی دیکر سانپ کی طرح۔ اب پھر اس کا پیڑا بناؤ اور توے پر روٹی کی طرح پھیلا کر ڈال لو۔ بیچ میں چھید کر کے گھی لگاتی جاؤ۔ سمجھ گئیں؟ یہ دو وضع کے ہو گئے اب ایک ٹکیہ کا رہا اور وہ بھی ایسا ہی ہے۔ خیر اب تم مصالحہ پیسو۔ میں تمہارے سامنے گوشت بگھاروں آٹے کی طرح نامرم نہ کرنا کہ آدھا گرے اور آدھا پسے۔ یہ ساری گرہ ہلدی کی پڑی ہے

واہ۔ آدھ سیر گوشت میں اتنی ہلدی۔ پانگرہ لو۔ جتنی ہلدی کم لوگی اتنا ہی سالن آبدار ہوگا۔ ہلدی پیسکر دھنیا لو۔ پسا ہوا دھنیا ہمارے ہاں نہیں آتا۔ برابر کی بھوسی ملی ہوتی ہے۔ اتنا نہ لو۔ بس کوئی سوا پیسہ بھر۔ اس پیالہ میں پانی بھر کر سل کے پاس رکھ لو۔ ذرا ذرا سا ڈالتی جاؤ اور پیستی جاؤ۔ زور زور سے رگڑو۔ پیرے ہاتھوں تو شام تک بھی مہین نہ ہوگا۔ دیکھو اب کیسا مزہ سا مہین ہوا ہے۔ چلو مرچیں لو۔ دیکھو کیسی سرخ ہیں۔ بتاؤ کہاں کی ہیں؟ پٹنہ کی ہیں کتنی لے رہی ہو۔ چودہ لو۔ بھنڈیاں بھی تو ہیں۔ ترکاری تو ہوتی تو گیارہ بہت تھیں لہسن لو۔ جوے کیا کروگی۔ پوری گٹھی لو۔ اور ایک گٹھی پیاز کی بھی۔ یہ مصالحہ کی پیالی ہے۔ پس چکو تو اس میں اٹھالینا۔ اچھا اب مصالحہ تو پس گیا۔ اٹھو تپیلی چولھے پر رکھو۔ گھی آدھ پاؤ پڑے گا۔ یہ بڑا چمچہ ہے۔ دو ڈالدو۔ یہ پیاز کی گٹھی لو کتر کر ڈالدینا۔ بیچ کی رکس کی ہے۔ نہ بڑی نہ چھوٹی۔ ڈالدی۔ دیکھو لال ہوگئی۔ اب آدھی پیاز نکال باقی آدھی میں سارا مصالحہ ڈالدو۔ اور ہاں بی نواسی نمک تو ڈالو۔ بس ہاں کوئی تولہ بھر ہوگا۔ اچھا اب مصالحہ بھون لو۔ جب دانہ پڑ جائے تب گوشت ڈالدینا ذرا گوشت کستی جانا اور چلو چلو بھر پانی ڈالتی رہنا کہ بسا ندا پانی مرتا جائے۔ بس پھر شوربے کا پانی ڈالدو۔ پیاز جو رکھی ہے نکال کر وہ بھی پڑے گی۔ پھر چمچہ یا کفگیر چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک ترکیب سالن پکانے کی اور بھی ہے یاد رکھنا وہ بھی بتا دیتی ہوں۔ سادہ سالن ہو تو ہلدی کی ضرورت نہیں۔ آدھ سیر گوشت ہے تو ایک گٹھی پہلے لہسن کی پیسی پھر پیاز کی۔ دونوں کو الگ اٹھالیا۔ پھر دھنیا اور مرچیں پیسیں پیاز ڈالکر تپیلی میں الگ گھی داغ کیا اور پھر پیاز نکال لی۔ لہسن پیاز جو پیسکر رکھ چھوڑی ہے۔ خواہ وہ دونوں چیزیں پسی ہوں یا فقط لہسن ہی ہو اس کو گھی میں بھونا پھر گوشت ڈالا اور دو بھونا بھن گیا تو دہی کالی مرچیں لونگیں اورک ڈالو۔ مرچیں اور دھنیا ڈالو۔ دانے وار ہو جائے تو پانی ڈالدو۔ گوشت گل جائے تو لعاب پر اُتار لو۔ یہ تو خیر معمولی سالنوں کی ترکیب تھی۔ ایک قسم کا سالن ہمارے ہاں اسٹو پکتا ہے وہ اس طرح کہ اگر آدھ سیر گوشت ہے تو پہلے گوشت کو اچھی طرح دھوکر تپیلی میں ڈالا۔ گیارہ

مرچیں ایک چھوٹی گٹھی ادرک اور لہسن کی۔ ایک پیاز کی مگر خاصی بڑی۔ لونگیں۔ کالی مرچیں نمک۔ یہ سب مصالحہ تہ کترا ہوا یعنی ادرک اور لہسن پیاز۔ پتیلی میں ڈالدیا۔ پھر پسا ہوا مصالحہ لیا۔ کوئی تین پیسہ بھر دھنیا۔ پانچ مرچیں لہسن پیاز اور تین چھٹانک کے قریب دہی۔ اگر دہی میں پانی بھی ہو تو اچھی بات ہے۔ سب چیزیں ڈالکر چپنی رکھ آٹے سے منہ خام کر دو اور دھیمی آنچ پر رکھ دو۔ اگر کوئلہ کی آگ ہے تو اور بھی اچھی ہے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد اُتار لو کھانا پک پکا کر تیار ہوا تو نسیمہ نے ماما کی نواسی سے کہا۔ لو اب برتنوں کی ٹوکری سنبھالو۔ سب پہلے دھلائے منجھے سنبھائے رکھے ہیں ایک دفعہ اور ہاتھ پھیر لو۔ چپنیوں کو دیکھ لو راکھ وا کھ نہ لگی ہو۔ پہلے برتنوں کی ٹوکری لیجا کر رکھو۔ پھر پانی کی دونوں صراحیاں بھری رکھی ہیں۔ ایک میں پانی تازہ ہے ایک میں باسی اوپر کٹورے ڈھانکدینا۔ چھینکے پر سے دسترخوان اُتار لو۔ روٹی کی چنگیری رکھکر پھر پتیلیاں پہنچاؤ۔ نواسی کھانا پہنچا چکی تو نسیمہ نکالنے بیٹھی مگر کس طرح کہ سالن چھ تشتریوں میں اور سب یکساں۔ پتیلی کو ٹیڑھا رکھ سامنے کر نکالتی رہی اور آگے کے گھی میں سے ایک ایک چمچہ سب کے ہاں ڈالدیا۔ یہ نہیں کہ آنکھیں بند کر کے کفگیر مارنے شروع کئے اور پہلے ہی سالن میں تار ختم کر پتیلی میں نیلا پانی چھوڑ دیا گرمی زور شور سے پڑ رہی تھی کھانے سے فراغت پا۔ برتن بھانڈا آگے سے ہٹا ہٹو سب اندر کمرے میں چلے گئے۔ نواسی پنکھا جھلنے بیٹھی۔

جب تک منجھلی موجود رہی بہلی تھی یا بڑی۔ تھوڑا یا بہت ہمیشہ نہیں کبھی روزمرہ نہیں کھولے بسرے ماں کا ہاتھ بٹا لیتی تھی۔ پھوہڑ ہو یا سگھڑ جیسی بھی تھی اور جو کچھ بھی تھی مگر ایک سے دو تھیں۔ بیٹی کا منہ ادھر موڑنا تھا کہ گھر کے کام دھندے سب ماں ہی کے سر آپڑے جھاڑو اور بہارو صفائی اور ستھرائی اوڑھنا اور بچھونا۔ سینا اور پرونا ایک جان اور ہزاروں ٹنٹے۔ صبح سے رات ہو جاتی گھر کا بچہ بچہ سو جاتا اور اس نیکبخت کو کمر سیدھی کرنی نصیب نہ ہوتی۔ ایک کام کو اُٹھتی اور دوسرا کام اینڈا۔ مصالحہ پیسا تو چولھا اوندھا۔

پانی گرم کیا تو روٹی ٹکرا پٹ۔ ماما جب بھی تھی اور اب بھی۔ مگر بیٹی ہوئی رخصت ماں کی آنکھ میں مروت۔ کام کرے اس کی جوتی۔ ہاں اتنا فایدہ ضرور تھا کہ باتونی پرلے سرے کی تھی ایک نہ کر چھپڑ کر دنیا بھر کے قصے سن لو۔ غرض بیچاری کو چار ہی دن میں زندگی وبال ہوگئی اس پر طرہ یہ کہ بچے کیسے غضبی اور ہاروتی کہ الٰہی توبہ۔ دیکھو تو سے روتے اُٹھے اور روتے ہی سوئے دیا ریخ نند اد ما کھ آکھ دن آنے کی فرصت نہ ہو۔ کئی دن سے ارادہ کر رہی تھی۔ آج دودھ پیتے بچے کو گود میں لے یہاں آئی تھی تو وہ کنارا ابھی پوری طرح بات بھی کرنی نصیب ہوئی تھی کہ بچے نے بلکنا شروع کیا بہتیرا چمکارتی ہی پیار کرتی ہی بہلاتی ہی ڈراتی ہی۔ مگر وہ کس کی سنتا ہی۔ آواز ہے کہ کان کے پار۔ نگوڑی گندی بوٹی کا ایسا ندا شور رہا۔ وہ ناک چنے چبوائے کہ ماں کو دم لینا وبال ہوگیا سینیاں بجائیں۔ تپاری کھٹکھٹائی۔ کنڈیاں ہلائیں برتن بجائے مگر بچہ کیا ایک آفت تھا کہ لمحہ بہ لمحہ زیادتی ہی تھی بسیمہ کچھ دیر تک تو چپکی بیٹھی دیکھتی رہی۔ جب دیکھا کہ ماں ہلکان ہوئی جاتی ہی اور بچہ کی چیخم دہاڑ کسی طرح نہیں تھمتی تو اٹھی بھائی کو گود میں لیا۔ اور کندھے سے لگا ٹہلنے لگی۔ مگر وہ کیا قابو میں آنے والا تھا۔ بالیاں ہاتھ میں آگئیں رکھکر جو گھسیٹتا ہے تو سارا کان لہو لہان۔ پاٹ تو پہلے ہی سے رہا تھا۔ اس وقت تو سچ مچ ہی جان نکل گئی۔ غضب یہ ہوا کہ پہلوار تا تھا کرتہ کو بنج الجھ گئی ور ایسی الجھی کہ بہتیرا سلجھایا نہ سلجھی پھوپھی نے اُٹھکر بالی چھڑائی۔ بچہ لیکر ماں کو دیا۔ کان کو دیکھتی ہی تو تھل تھل خون بہ رہا ہی نل میں سے پانی بھر تلی ڈالی اور کہنے لگی ایسی بیخبر لڑکی بھی نوج ہو۔ آج بارہ تیرہ دن سے کان پک رہا ہی روز جھینکتی ہوں کہ بہتے ہوئے رستا سکھ میں سے ذرا سا لیکر روئی کی پھریری سے کان پر لگالے۔ مگر کون سنتا ہی۔ کل تو میں نے ٹھنڈے پانی سے دھوکر مرچوں کے بیچ پیس کر لگا دیے تھے۔ آج میں بھول گئی۔ بیٹی بچہ کو لیا تھا تو آنکھیں کھولکر لیتیں ایسے اندھے پنے سے لینا کیا ضرور تھا کہ جان بوجھکر کان اس کے آگے کر دیا۔ دھویا گھی اور سیندور چار دن سے پڑا جھک مار رہا ہے۔ ایک دن بھی لگانا نصیب نہیں ہوا۔ ادھر دوا

کان کا لہو بہتا ادہر خدا خدا کر کے بچہ کی آنکھ لگی تو دونوں نند بھاوجیں گاؤ تکیہ پر سر رکھکر لیٹ گئیں نسیمہ نے نواسی سے کہا۔ کیوں بی تم کو پلاؤ اور میٹھے چاول بھی پکانے آتے ہیں۔ نواسی کچھ دیر تو چپکی رہی اور پھر کہنے لگی۔ ہاں دو ایک دفعہ پکائے ہیں۔ ترکیب پوچھی تو اس نے انٹ سنٹ جواب دینے شروع کئے۔ نسیمہ نے کہا میں تم کو پہلے پلاؤ کی ترکیب بتاتی ہوں سنو پلاؤ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یخنی کا ایک قورمہ کا۔ سو یخنی کا تو اچھا ہوتا نہیں۔ قورمہ کا یوں پکتا ہے۔ سیر بھر کا حساب بتاؤں۔ چاولوں کو دہو کر بھگو دیا۔ دو گٹھیاں بڑی لہسن کی دو پیاز کی تھوڑی سی ادرک پیسکر الگ رکھ لی۔ گھی جتنا ڈالو۔ کچھ نہیں سیر بھر میں آدھ پاؤ تو ہو۔ پیاز ڈال بگھار دیا۔ پیاز سرخ ہو گئی تو نکالکر وہ لہسن پیاز جو رکھا ہے وہ ڈالدیا۔ کوئی پندرہ ایک لونگیں۔ چار پانچ چھوٹی الائچیاں چھلکوں سمیت اس گھی میں بگھار دو۔ سرخ ہو جائے تو اب گوشت دہو کر ڈالو اور بھون لو۔ بس پھر کوئی تین آبخورے پانی ڈالکر دم پر چھوڑ دو۔ جب گوشت اچھی طرح گل جائے اور پانی بھی تھوڑا سا رہ جائے تو چاول ڈالکر آنچ کر دو۔ چاول گل جائیں گے۔ دم دیدو۔ پلاؤ ہو گیا۔ میٹھے چاول تو آسان ہیں ان میں گوشت کا جھگڑا نہیں۔ گھی کڑکڑا کر لونگیں بڑی الائچیاں ڈالیں۔ لونگیں سرخ ہو گئیں۔ چاول ڈالدئیے۔ دو تین دفعہ چاولوں میں چمچہ یا کفگیر چلا کر اتنا پانی ڈالدیا کہ ایک کنی باقی رہجائے۔ یعنی سب چاول ذرا کمی کے ساتھ گل جائیں پانی خشک ہو گیا تو کھانڈ ڈالدی اور دم پر چھوڑ دیا۔ آنچ ہلکی کر دی۔ یہ میٹھے چاول ہو گئے۔ اچھا بی نواسی تم کو مچھلی کا کانٹا گلانا آتا ہے۔

نواسی۔ اچھی بیگم! تمکو آتا ہے، مجھکو بتا دو۔ اگلے برس حکیم جی کے ہاں میری ماں تھی۔ مچھلی کا کانٹا گلانے کے سب ہی جتن کئے۔ زردکوری ڈالی۔ کہیں قلعی کا چونہ مگر کانٹا تو گلا نہیں

نسیمہ۔ یہ بھی کوئی بڑی بات ہے۔ جب اوپلے پڑیں اُنکو اُٹھا کر اُن میں چاول بگھو دو اگر چاول پرانا ذرا اچھا ہو تین چار روز تک بھیگے رہیں۔ اچھی طرح پانی پی لیں۔ اُن کو

نکالکر چھاؤں میں سکھالو اور پیسکر رکھ لو۔ جب مچھلی پکائی تھوڑے سے برک دئیے۔ اور پتیلی کا منہ تھام کر کے دھیمی آنچ کر دی۔ دوپہر تک پکتی رہی۔ پھر اُتار کر دیکھنا۔ ہڈی اور کانٹا سب گلکر آٹا ہوجائیگا۔

نسیمہ بات ختم کر چکی تو لڑکے نے بازار سے پان لاکر دئیے۔ نواسی سے کہنے لگی دھو کر پٹاری میں رکھدو۔ لڑکی شریر تو معلوم ہوتی نہ تھی یا بھول گئی یا سُنا نہیں۔ پٹاری کھول لگتی میں ٹھنچ آبیٹھی۔ تھوڑی دیر تک تو اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ نماز کا وقت آیا تو نسیمہ نے وضو کر نماز پڑھی۔ پڑھ چکی تو نواسی سے کہا۔ اچھی ایک ٹکڑا پان بنادو۔ لڑکی پان بنا کر لائی نسیمہ کہاتی ہے تو چونہ تیز کتھے کا پتہ نہیں کر کراہٹ ہی وہ الگ۔ پٹاری کھول کر دیکھتی ہیں تو صفائی کہیں۔ پان کہیں۔ کتھ چونا ملا ہوا۔ چھالیا میں زردہ۔ زردہ میں چھالیا۔ کہنے لگی بوا ایک دفعہ کے ہاتھ لگانے میں پٹاری کی یہ گت کر دی کہ دیکھنے کو جی نہ چاہے۔ سلیقہ اس کا نام ہے۔ پٹاری صاف ستھری۔ لگنی۔ اجلی۔ طباق رکھے ہوئے تھالی ڈھکی ہوئی چھچیاں سر ندہ سب ٹھیک ٹھیک۔ پانوں کو دھویا نہ دھلایا۔ یوں ہی پھینک آبیٹھیں۔ میں نہ دیکھتی تو شام تک سب مرجاتے۔ چاہئیے یہ تھا کہ دھو کر صافی میں اچھی طرح لپیٹ لگتی میں رکھتیں تم نے تو بیگار سمجھکر ڈالدی۔ اسی واسطے پھوپھی اماں پٹاری کسی کو چھونے نہیں دیتیں۔ صاف اجلی گرہی کتھے چونے کے دھبوں میں غارت ہوگئی۔ اتنی ساری کتری ہوئی چھالیا سب یوں ہی گئی۔ آخر میں کبھی تو روز بناتی ہوں مجال ہے کبھی چھالیہ میں زردہ کا ایک پھول تو پڑ جائے۔ اگر کوئی بے زردہ کھانے والا آگیا تو اچھی خاطر ہوئی۔ ایسی تواضع کو سلام کہ پان کھاتے ہی سر چکرانے لگا۔ ایک تو تم کبھی بھول کر بھی چھالیہ کی ڈلیاں نہ کترنا۔ پھوپھی اماں بہت ہی بگڑتی ہیں اور مجھے بھی زہر معلوم ہوتا ہے کہ پان بنا سوکھ رہے ہیں اور بیٹھے چھالیا کتر رہے ہیں۔ صبح۔ دوپہر شام جب فرصت ہوئی بیٹھکر دو چار ڈلیاں کترلیں۔ ڈبیا ہر وقت کتری ہوئی چھالیا سے بھری رہنی چاہئیے۔ ایک پان میں

تم نے پٹاری کا ناس کیا۔ پانوں کا مزاج تو آدمیوں سے بھی نازک ہوتا ہے بہت سے اوپر نیچے رکھکر پانی میں ڈالدو گل جائیں گے نہ ڈالو سوکھ جائیں گے۔ چاہیئے یہ کہ صافی تر رہے پانی نہ بہت زیادہ ہو نہ بہت کم۔ بی نواسی پان بنانا بھی کوئی آسان کام نہیں خدا نہ کرے کہ کسی پھوہڑ کے ہاتھ کا پان کھانا نصیب ہو۔ سب سے پہلا کام یہ ہے کہ صافی سے پان کو خوب اچھی طرح پونچھ لو تاکہ رگ رگ کی کرکراہٹ نکل جائے۔ اوپر کی نوک نیچے کی جڑ توڑ دینی چاہیئے پہلے چونہ لگاؤ پھر کتھہ اندیھہ دیکھہ لو کہ چونہ کتھے سے زیادہ نہ ہو کہ منھ کے ٹکڑے ہو جائیں کتھہ بھی اتنا زیادہ نہ ہو کہ منھ کسیلا ہو جائے۔ اس کے بعد چھالیہ ڈالکر گلوری بناؤ مردانے میں چھالیا برائے نام ڈالنی چاہیئے۔ اب تھالی کو صاف کرو۔ اور الگ کونہ میں زردہ رکھکر دیدو۔ میں نے بہت سی جگہ دیکھا ہے کہ کتھہ اور چونہ چھانا نہ پھٹکا اٹھایا اور کلیوں میں بھر دیا۔ برابر کی کراکراہٹ موجود کہ دانت نہ دبایا جائے۔ ایک عیب پان کھانے والوں میں بھی دیکھا ہے کہ انگلی سے پونچھا اور دیوار سے مل دیا۔ تم ہی خیال کرو کیسی بدتمیزی کی بات ہے۔ پان کھانے میں ایک یہ احتیاط کرنی چاہیئے کہ پان کھولکر دیکھہ لیں۔ ممکن ہے غلطی سے زردہ پڑ گیا ہو یا چونہ زیادہ ہو تو خواہ مخواہ کی تکلیف بھگتنی پڑے۔ کسی غیر آدمی کو پان دو تو اگالدان بھی رکھدو کہ تھوکنے کی دقت نہ ہو۔

(۲۴)

انسان مرد ہو یا عورت بڈھا ہو یا جوان آنکھیں کھولکر دیکھے قدرت نے کیسے کیسے سامان مہیا کر دیئے۔ صبح۔ دوپہر۔ شام رات۔ جاڑا۔ پالا۔ برسات۔ آم۔ خربوزے۔ جامن۔ انار گیہوں۔ باجرا۔ نارنگ۔ جوار۔ بیشمار نعمتیں ہیں جو اس پروردگار نے اپنے بندوں کو عطا فرمائیں پھول کی ایک پنکھڑی اور درختوں کا ایک ایک پتا زبردست شہنشاہ کی حکومت کا پتہ دے رہے ہیں۔ چاند۔ سورج۔ زمین آسمان جنگل۔ پہاڑ۔ دریا۔ میدان قدرت کا جلوہ ہر جگہ چمک رہا ہے۔

صبح کی نماز پڑھ کر ایک روز سنجیدہ اپنی چھوٹی سی کیاری کی دیکھ بھال میں مصروف تھی خوشنما پھولوں کے گملے چاروں طرف رکھے ہوئے تھے۔ گلاب کے ایک پودے پر نگاہ پہنچی۔ پتلی سی شاخ بھرے پر پھول ہوا کے جھونکوں سے دوہری ہوئی جاتی تھی دیکھتی رہی اور دیکھتے دیکھتے کہنے لگی۔ کیا خدا کی شان ہے مہینہ بھر بھی تو نہیں ہوا۔ بیج ڈالے۔ آٹھ دس روز میں پھوٹ نکلے۔ پندرہ بیس دن میں پودا ہو گیا۔ کونپلیں آئیں کلیاں نکلیں سبحان اللہ تیری قدرت آج پھول کھل رہے ہیں۔

کل ہی کا تو ذکر ہے نسیمہ بنگالے کی مینا چاروں طرف باتیں ملکاتی پھرتی تھی آج ماشاء اللہ دوسروں کو سبق دے رہی ہے۔ صفائی۔ ستھرائی۔ شرم حیا رحم ملنساری۔ خوف خدا غرض وہ سب صفتیں جو لڑکیوں کا سچ مچ زیور ہیں کو ارتیہ میں حاصل ہو گئیں۔ کھانا پکانا۔ سینا۔ پرونا۔ کیا کام تھا جو اُسے نہ آتا ہو۔ ادب۔ لحاظ۔ سلیقہ۔ اطاعت۔ کون سا ہنر تھا جو اس میں نہ ہو۔ ماں اور پھوپھی جو چاہتیں کہتیں اور وہ چپکی بیٹھی سنتی۔ کیا مجال جو نیچی سے اونچی نگاہ کرے یا آنکھ ملا کر جواب دیدے۔ ناممکن تھا کہ کوئی سچا حاجتمند اس کے دروازے پر آئے اور خالی چلا جائے مشکل تھا کہ اس کے ہاتھ سے آدمی تو آدمی کسی جانور کو بھی تکلیف پہنچ جائے۔ نو دس برس کی جان جیٹھ بیساکھ کی گرمی اور تیسوں روزے۔ چلّے کا جاڑا صبح کا وقت نماز اور قرآن۔ چھوٹوں سے جی۔ بڑوں سے جناب۔ ہمسایہ سے سلوک بزرگوں کا ادب رحم کی نظر میٹھی زبان برابر والوں سے محبت۔ چھوٹوں پر مہربانی ہاتھ کی سچی دل کی اچھی تمکنت نہ غرور شیخی سے الگ نخوت سے دور نسیمہ ایک قسم کا فرشتہ تھی کڑی بڑی ایمان والیاں اس کے دامن پر نماز پڑھیں۔ محلہ کے لئے سبق۔ کنبہ کے لئے نمونہ خاندان کے لئے ایک مثال تھی۔ دور دور کی لڑکیاں اور بوڑھی بوڑھی عورتیں اس سے صلاح لیتیں اور وہ بتاتی۔ اتفاق یہ ہوا کہ ایک دن دوپہر کے وقت پھوپھی بھتیجی بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں سنجیدہ کی نظر بھتیجی کی جوتی پر پڑی نہ جوتی ایسی پرانی تھی

نہ نسیمہ ایسی بدتمیز۔ مگر خدا جانے کیا ہوا۔ اور کیونکر ہوا۔ دایاں بایاں دونوں پیر الگ اور ٹیڑھے ہے۔ بدصورت اور بے ہنگم۔ کھانا کھا چکی تو سنجیدہ نے کہا بیٹی۔ یہ تو میں نے آج ہی دیکھا۔ انگریزی میں تو سنا تھا۔ ہندوستانی میں دایاں بایاں آج ہی دیکھا۔ دلی کی سلیم شاہی پندرہ بیس دن کی پہنی اور سیدھا پاؤں الگ الٹا الگ۔ تم ہی نے آج انوکھی نہیں پہنی ہم نے بہت سی پہنیں اور توڑیں مگر یہ کبھی نہ معلوم ہوا کہ یہ سیدھی یہ الٹی۔ کیسی نالائقی کی بات ہے کہ ایک ہی پاؤں ڈالکر جو پہننا شروع کیا تو پھر ملٹنا قسم ہو گیا۔ ہیر پھیر کر پہننی چاہیئے کبھی یہ کبھی وہ ایک رُخ پہنتے پہنتے تو آپ ہی جوتی کی صورت بگڑ جائیگی۔ دو چار دفعہ بے احتیاطی کی اور جوتی اُلٹی سیدھی ہوئی۔ پھر ملٹو گی بھی تو پاؤں کو اولوا ولو معلوم ہو گی۔ چلو جوتی کا ناس ہو گیا۔ کبھی تم نے میرے پاؤں میں بھی دیکھا۔ لو دیکھو تین مہینے کی پہنی ہوئی ہے۔ میلی ہو گئی تو کیا شرافت تو برس ہی ہے۔ عمر بھر میں نے یہی پہنی۔ ایک دفعہ کی تو قسم کھاتی نہیں وہ بھی کوئی دس بارہ دن اور خوشی سے نہیں مجبوری سے گھیتلی ضرور پہنی ہے ورنہ جب سے ہوش سنبھالا آج کے دم تک یہی منگوائیں قسم لے لو جو کبھی انگریزی یا گول پنجہ کی پاؤں میں بھی ڈالی ہو۔ مگر بیٹی ایسے بے ڈھنگے پنے سے کبھی نہیں پہنی۔ نسیمہ بیٹی ایسی غلطی اور نسیمہ بیگم تم سے۔ میری تو اتفاق سے نظر پڑ گئی۔ تم تو جوتی پہنتی ہو گی۔ اس کا یہی حال ہوتا ہو گا۔ ہاں خوب یاد آیا۔ اس دن تم کیا کہہ رہی تھیں کہ انگریزی جوتی ہندوستانی سے اچھی معلوم ہوتی ہے مجھ سے پوچھو تو کیا خوبصورتی کیا آرام اور کیا صرف کسی لحاظ سے بھی میں انگریزی جوتی کو پسند نہیں کرتی۔ اس سے تم خاطر جمع رکھو۔ میں ایسی دقیانوسی خیال کی عورت نہیں ہوں کہ محض انگریزی ہونے کے سبب ناپسند کروں۔ تمہاری نانی اماں کی طرح میں یہ نہیں کہتی کہ گھر کی بہو بیٹیاں میم بن گئیں۔ مگر میں انگریزی جوتی کو ہندوستانی سے بہتر نہیں سمجھتی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں فقط اس لئے کہ انگریزی ہے پسند کر لوں۔ دونوں کا مقابلہ کر لو جو خوبصورت

اور آرام کی ہونا اچھی ہے۔ چاہے انگریزی ہو چاہے دیسی۔ تم زیادہ سے زیادہ یہ کہوگی کہ ہندوستانی جوتی کا سارا تلا کیچڑ میں بھر جاتا ہے۔ اور وہ فرش پر لیجانے کے قابل نہیں ہوتی۔ یہ نقص تو انگریزی میں بھی موجود ہے کم ہو یا زیادہ مگر ہے تو سہی۔ تمہارے دل میں اس وقت یہ ہوگا کہ پھوپی اماں اس دن کے وعظ میں جو سن آئی ہیں کہ جو شخص کسی قوم کی نقل کرتا ہے وہ اسی میں سے ہے اس لئے برا کہہ رہی ہیں۔ سو بیٹی یہ بات نہیں اس کے متعلق تو میں کل ہی ایک ایسے شخص کی رائے پڑھ چکی ہوں جو مجھ سے اور تم سے اور خود مولوی صاحب سے بھی ہزار درجہ زیادہ لائق ہے۔ یعنی امام غزالی اپنی کتاب احیاء العلوم میں جس کا اردو ترجمہ میں آج کل دیکھ رہی ہوں اچھی طرح صاف صاف لکھ رہے ہیں کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کسی قوم میں کوئی اچھی بات موجود ہو تو اس کو نہ اختیار کرو نہ اس کا یہ منشا ہے کہ لباس خوراک وغیرہ میں مشابہت نہ کرو لیسیمہ بیگم میں ایسے مولویوں کے ڈھکو سلے میں آنے والی نہیں جو اپنے حلوے مانڈے سے کام رکھیں۔ قوم چاہے کل کی ڈوبتی آج ڈوب جائے مگر بیٹی برا مانو یا بھلا مجھکو تو جیسا بھرا بھرا پاؤں ہندوستانی جوتی میں معلوم ہوتا ہے انگریزی میں ہرگز بھی نہیں معلوم ہوتا اور ہاں انگریزی پر کیا موقوف ہے گول پنجہ کی جوتی سے میں اور بھی زیادہ جلتی ہوں نہ مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ سلیم شاہی جوتی اٹھائی اور پھڈی کر لی۔ مگر ہاں اتنا عذر کہ دنگی کواری بیٹیوں کو بہت بننا سنورنا اچھا نہیں۔ توبہ توبہ یہ تو میں مر کر بھی نہ کہونگی کہ کواری لڑکی سلمہ ستارے کی سلیم شاہی جوتی میکے میں ٹمکاتی پھرے اس سے تو انگریزی ہی اچھی وہ تڑک بھڑک تو نہ ہوگی۔ مگر تمہاری اس ایک پھول کی جوتی سے تو میں کیوں ہی اچھا سمجھنے لگی لیکن سلمہ ستارے کے مقابلہ میں تو وہ ہزار درجہ بہتر۔ جب خدا وہ دن لائیگا کہ یہ روک ٹوک نہ رہے۔ اس وقت جو بات ڈلاسی جوتی میں ہوگی انگریزی کے باپ کو بھی نصیب نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ کھائیے من بھاتا پہنئے جگ بھاتا چیز پہنے تو ایسی جو دیکھنے والوں کی آنکھ میں کھپ جائے تب تو یہ جھا تو

قیمت وصول ہوئی دام بھر پائے۔ روپیہ ٹھکانے لگا۔ انگریزی ہندوستانی دو جوڑے پاس کہکر پھر کھو بیٹھکر پوچھتا۔ پہنا کر دیکھو جو آن اس میں نکلیگی اس میں کہاں۔ اب یہی اپنی طبیعت اسکا تو علاج ہی نہیں۔

(۲۵)

سنجیدہ کا لہجہ نرم تھا یا گرم مگر مضمون تھا معقول اور بات تھی درست۔ نسیمہ زبان سے قائل نہ ہوئی تو کیا۔ دل میں تا دم ضرور ہو گئی۔ کن انکھیوں سے جوتی کو دیکھا۔ نظر پڑنی تھی کہ قصور دل میں بیٹھا ہوا تھا۔ نیچی نگاہ کرکے جو بیٹھی تو پھر آنکھ اٹھانی قسم ہو گئی۔ اتنے میں نواسی دوڑی ہوئی آئی اور کہا چھوٹی بی مٹھو مر گیا۔ گھبرا کر اٹھی اور سٹ پٹا کر چلی۔ زینے پا پیچو کلی پاجامہ پاؤں الجھا اور دھڑام سے گری۔ مگر طوطے کی محبت اتنی زیادہ تھی کہ اپنی چوٹ بھول بھلا اور سنبھل سنبھلا پھر چلی نسیمہ کے اس طرح گرنے پر نواسی کو بے اختیار ہنسی آئی مگر میاں مٹھو کی محبت نسیمہ کو کچھ ایسی غالب تھی کہ چوٹ کا خیال نہ ہنسی کی پرواہ۔ جا کر دیکھتی ہے تو سچ مچ مٹھو میں۔ سال بھر کی محنت بولتا ہوا جانور۔ دیکھکر دم کی دم رہ گئی۔ طوطا پہاڑی تو نہ تھا مگر تھا کسی ایسے کڑوے نیم کا کہ ایک کہنے کی دیر تھی سنی اور رٹی۔ اس غضب کا بولتا تھا کہ کیا کوئی مینا بولیگی۔ دانہ پانی۔ روٹی۔ ٹکڑا سب اپنے منہ سے مانگتا۔ ذرا نسیمہ ادہر اودہر ہوئی اور اس نے چیخنا شروع کیا "چھوٹی بی کدہر گئیں"۔ نسیمہ خود اس پر جان چھڑکتی تھی۔ شام کو دانہ پانی کھلا پلا الگنی میں لٹکا یا۔ ہونی شدنی اتارنا بھول گئی دو تین دفعہ تو مٹھو نے آواز بھی دی مگر غریب کی تقدیر میں مرنا تھا کسی نے نہ سنا۔ جاڑوں کے دن ٹھنڈک کا وقت۔ ہوا کو ہر سٹھر۔ کلیا میں پانی کی بوند نہیں خدا جانے ہوا لگی یا پیاس مٹھی بھر کی جان پھڑ پھڑا پھڑ پھڑا ختم ہو گیا۔ سنجیدہ پہلے تو نواسی کی جان کو آئی کہ یہ کیسی نالائق کی حرکت بیہودہ تو گری اور تو بیٹھی کھل کھل ہنس رہی ہے۔ خبر نہیں کہ کن جانوروں میں رہی ہے کہ نام کو تمیز نہیں۔ کوئی گرے کوئی ہنسے ایسی ہنسی تو جوتیاں کھلواتی ہے دوسرے کی تکلیف پر خوش ہونا آدمیت تو ہے نہیں۔ جانوروں کا کام ہے۔ تجھے

تو یہ چاہیئے تھا دوڑ کر اٹھاتی۔ ہاتھ دباتی پاؤں دباتی۔ پوچھتی چھوٹی بی کہاں چوٹ لگی افسوس کرنے سے تو گئی اُلٹی باغ باغ ہوگئی ایسا ہی ہنسنے کا مرض تھا اور کسی طرح نہیں رُک سکتی تھی تو اُدھر چلی جاتی پیٹ بھر ہنس لیتی پھر آجاتی ہنسنا اور رونا نرا بے غیرتی ہی کا نام ہی۔ تمہاری گود میں بیٹھوں اور تمہاری ڈاڑھی کھسوٹوں۔ اگر وہ غصہ میں کچھ کہہ بیٹھتی۔ چوٹ لگی ہوئی جی جلا ہوا۔ کوئی ایسی ویسی بات کہہ دیتی تو منھ پہلا بیٹھ جاتی بیٹی تو ہی سوچ یہ تیرا کام خفگی کا تھا یا نہیں۔ آج تو خیر سمجھا دیا۔ اب ایسی نالائقی نہ دیکھوں۔ میرے پاس ایسی لڑکیوں کا کام نہیں۔ چاہے کل سے آیا یا نہ آنا۔

سنجیدہ نواسی کی فضیحتی کر رہی تھی اور نسیمہ بیچاری نہ گرنے کا خیال نہ ہنسنے کا ملال گم سم بیٹھی سٹھو کو دیکھ رہی تھی۔ سنجیدہ اِدھر سے فارغ ہوئی تو بھتیجی کی طرف رُخ کیا اور کہنے لگی ایسی بولاہٹ بھی کس کام کی آؤ دیکھا نہ تاؤ پائنچے چھوڑ چھاڑ جھٹ اُٹھ کھڑی ہوئیں وہ تو خدا نے خیر کی کہ گاؤ تکیہ بیچ میں تھا۔ نہیں تو خدا جانے آنکھ پھوٹتی یا سر پھوٹتا نہ بھونچال کی طرح چلتیں نہ چوٹ لگتی۔ دوڑ چلیئے نہ گر پڑئیے۔ اسی لیئے تو میں سولہ سترہ گز کے پائچوں سے جلتی ہوں۔ فائدہ نہ حاصل۔ صرف کا صرف اور تکلیف کی تکلیف ہر وقت پائچوں کی نوکری کیجئے۔ ایک ہاتھ تو بس اسی لئے انٹا ہو گیا۔ ذرا پڑے کے اور پاجامہ کیچڑ میں لت پت ہیں لتھڑا پتھڑا اب اس مردے کو پہنکوا دو۔ بیٹھی پنجرے کو کیا گھور رہی ہو۔ مرنا تھا مر گیا۔ اور تمہاری جان کو دعائیں دیتا مرا۔ ذرا آنکھیں کھولکر دیکھو کلیا کیسی خشک پڑی ہی۔ پانی کی بوند تک نہیں۔ ایک جان تمہارے ہاتھوں جاتی تھی رہ گئی رات کو باہر نکلکر دیکھنا کیسا جھکڑ چلتا ہی کہ قدم نہ اُٹھے۔ اس پالے میں جو رات بھر بے زبان جانور باہر ننگا رہا مرتا نہیں تو کیا کرتا۔ اپنی آرام کی چیز لیت سب چیزیں اندر پہنچائیں۔ اس کی جان تو مفت کی تھی اسے کیوں لاتیں۔ یہ پانچ سات بے زبان اللہ کی مخلوق تمہارے قبضہ میں ہیں ان سے ان کا گھر بار چھڑا ہمجنسوں سے تڑا گھر سے

کوسوں دور بے خطا بے قصور اپنا جی بہلانے کو انہیں قید کیا تو اپنے آرام سے زیادہ اُن کے آرام کا انتظام کرو۔ کھلا کر کھاتیں پلا کر پیتیں۔ پہلے اُن کو سکھ دیتیں پھر آپ آرام کرتیں۔ ہاں یہ بدنصیب جانور تمہارے ہاتھوں اپنی زندگی ختم کر گیا۔ ہوا سے بچنے کے لئے آپ تو پردے بھی چھوڑے۔ انگیٹھی بھی جلوائی اس مظلوم کا دھیان تک نہ آیا۔ کس محبت سے کہتا تھا "مٹھو بیٹے کی بیوی"۔ مٹھو میاں اپنی جان تم پر سے قربان کر گیا۔ کسی دن لحاف کا اوڑھنا بھول جاتیں تو میں سمجھتی کہ طوطے کو بھی بھول گئیں ایسا لاپروا مزاج تھا تو ایک جان کی پالنے کی ذمہ داری کیوں لی تھی۔ کس بھروسے اور کس برتے پر۔ اب یہ کٹوڑے سے لال اور گرے ہیں۔ آج ان کو بھی بھول جانا تو پاپ کٹ جائے۔ جاری نواسی اسکو پنجرے سے نکال باہر پھینک آ۔

(۶)

دن اسی کل کل پٹ پٹ میں تمام ہونے آیا۔ نسیمہ عصر کی نماز پڑھ کر بیٹھی کتاب دیکھ رہی تھی۔ دھوبن نے کپڑوں کا گھٹر لا آگے ڈال دیا اور کہنے لگی اچھی چھوٹی بی جلدی سے کپڑے دیکھ لو میرا بچہ صبح سے بخار میں پل پلا رہا ہے۔ اس کے لئے دوا لیجاؤں۔ نسیمہ نے نواسی سے کاپی منگوائی۔ کپڑے کھولے اور ملانے شروع کئے اور گن گن کر الگ رکھتی گئی۔ احتیاط اتنی تھی کہ ہر کپڑے کو اندر سے کھولکر دیکھ لیتی تھی کہ کوئی داغ دھبہ تو باقی نہیں رہ گیا۔ کچی چکن کا نیا دوپٹہ سوئی کا ٹانکا ٹوٹا یوں کا یوں ہی دھلنے بھیجدیا تھا۔ تیسری تہہ پر دیکھتی ہے تو دوپٹہ بتی بتی۔ نوں پاندھنے کے لائق بھی نہیں۔ دھوبن سے کہا قصوروار تھی منت سے کہنے لگی بیگم! نقصان تو بیشک ہوا۔ میں روٹی پکاتے میں رہی۔ لادی کی لادی آگے پڑی تھی بیل نے چبالی۔ میرے حساب سے کاٹ لینا۔ دھوبن کا یہ جواب سنکر نسیمہ نے کہا! میری لگی لگائی لاگت اور خوشی تم نے سب غارت کر دی۔ کاٹوں گی تو میں خاک مگر رنج بہت ہوا تکیہ کے دونوں غلاف پلنگ کی چادر اور میری اوڑھنی کہاں ہیں نہنے کے ہاتھ بھیجی تھی۔ دھوبن سنتے ہی قسمیں کھانے لگی کہ میرے ہاں کوئی چیز نہیں گئی۔

اِدہر ننھا اُدہر دہوبن قسمیں کہا رہے ہیں۔ وہ کہتا ہے میں دے آیا۔ وہ کہتی ہے نہیں لایا۔
سنجیدہ بولی۔ بیٹی ایک دفعہ نہیں ہزار ہا دفعہ کہا اپنے ہاتھ سے دینا اور اپنے ہاتھ سے لینا
یہ کیسی بے عقلی ہے کہ جو ملا اس کے ہاتھ بھیجدیا۔ دیکھ لو اتنے کپڑے ہاتھ سے جاتے رہے
سنجیدہ ابھی بگڑ رہی تھی کہ بھاوج کے یہاں سے لڑکی پوچھتی ہوئی آئی۔ یہ اوڑہنی چھوٹی
بیگم کی تو نہیں ہے۔ بیوی کہتی ہیں کہ میرے ہاں تو رنیگاف کی اوڑہنی کسی کی ہے نہیں نسیمہ نے
اوڑہنی لے کر غور سے دیکھا پھر کہنے لگی۔ پھوپی اماں ذرا آپ دیکھئے میں تو جانوں میری نہیں ہے
سنجیدہ نے کہا میں کیا دیکھوں۔ سیاہی کی شیشی پڑی جھک مار رہی ہے۔ اتنا ہوش تمکو نہیں کہ
کپڑوں پر نام لکھ لو۔ اتنی سستی بھی کس کام کی کہ ایک دو حرف لکھنے کی فرصت نہیں۔
اب جو مصیبت ہو چکی تو اور اس غریب بہو کو تو چھٹی دو۔ ذرا تم آپ اُٹھو وہ لڑکی کہاں
کہاں سے کپڑے لائیگی۔ دنیا بھر کا قاعدہ یہ ہے۔ ایک جگہ مقرر ہوتی۔ میلے کپڑے سب نے وہاں
اُتار دئیے۔ میرے گھر کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ دو یہاں دو وہاں۔ تین کہیں چار کہیں۔ کچھ
دہوبن نے کہوئے کچھ گھر میں گئے چلو چھٹی ہوئی۔ سبحان اللہ یہ کرتہ آیا ہے۔ دہونیں میں کالا
تیل میں چاب یہ چکٹ یہ دُھلے گا کیا خاک۔ لاکھ صاف ہو جلئے دہبے تو باقی ضرور
ہی رہیں گے۔ میلے کپڑوں کو بھی احتیاط سے رکھتے ہیں۔ جتنے اُجلے اور صاف جائیں
گے۔ اتنے ہی اچھے اور آبدار دُھلکر آئیں گے لو موزہ ایک ہی ہے۔ دوسرے کا پتہ نہیں
جب ہی تو کہتی ہوں اُتارتے ہی وقت حفاظت سے رکھو تو اس وقت یہ ڈھنڈیا کیوں پڑے
اور اس اوڑہنی میں کھونچ لگ گئی تو سینا بھی نصیب نہ ہوا کہ دہوبن کے ہاں جاکر بالکل
ہی تار تار ہو جائے۔ بیٹی کیا ہو گیا۔ دہوبن کے یہاں پھٹا ہوا کپڑا جانا کیسی بے غیرتی ہے
چلو اس بیچاری کو تو کپڑے لکھکر رہائی دو۔ دہوبن میلے کپڑے لے کر گئی تو نسیمہ
نے کھٹری لا شیشی اتار نئے کپڑوں پر نام لکھنا شروع کیا۔ سنجیدہ بولی لکھتی تو ہو
مگر اس میں ایک خرابی یہ ہے کہ دہلکر سیاہی پھیل جاتی ہے۔ کپڑے پر نام لکھنے کی ایک ترکیب مجھکو

مس صاحب نے بتائی تھی۔ یاد رکھنا بھول نہ مت۔ چربے کا کاغذ ایک تختہ۔ کاربن پیپر یعنی کالا کاغذ ایک تختہ (نیلا ہو تو اور اچھا) تھوڑا سا موم جامہ کا کپڑا۔ یہ تینوں بازار میں آسانی سے ملجائیں گے۔ پہلے چربے کے کاغذ پر پھول یا حرف یا اور کوئی نشانی جو بنانی ہو بنالو یا کہیں سے دیکھکر نقل کرلو۔ پھر اس کو ہاتھ سے صاف کرلو یعنی موٹی یا بھدی پہلی ہوئی نہ رہے۔ اسکو الگ رکھکر موم جامے کے کپڑے میں سے اس چربے کے کاغذ سے جس پر نشانی بنائی ہے ذرا بڑا کتر لو۔ اس کپڑے کے ٹکڑے کو کاغذ پر رکھکر پنسل یا سیاہی سے ہو بہو نقل کرلو۔ پھر جس کپڑے میں نشانی ڈالنی ہے اس کے کسی کونہ پر یا جہاں لکھنا ہے بٹنوں سے یہ ٹکڑا کپڑے کا لگادو اسکے بعد پہلے کاغذ کا اتنا ہی ٹکڑا کتر کر موم جامے اور کپڑے کے بیچ میں رکھو۔ پھر کسی قلم کی ڈنڈی یا ہاتھی دانت کی سلائی وغیرہ کو موم جامے کے پھول پر خوب زور سے پھیرو تاکہ کالا کاغذ اپنا نقش کپڑے پر دیدے۔ دھوئے دھوئے نہ جائیگا۔ بیٹی نیلے کپڑوں کا انتظام نہ کروگی تو اُجلے کہاں سے پہنوگی۔ میں نے جو کچھ کہا تمہارے فائدے کو کہا۔

قصور تھا واقعی اور خطا درحقیقت۔ نسیمہ دم کیا مار سکتی تھی۔ پھوپی کہتی جاتی تھی اور اس پر گھڑوں پانی پڑ رہا تھا۔ کپڑے جمع ہوئے تو وہ اس ڈھنگ کے اوڑھنی ملی تو پاجامہ ندارد دوپٹہ ہے تو کرتہ نہیں مزا یہ تھا کہ ایک کرتہ ایک پاجامہ پھرتا پھرآتا آماج کی کوٹھڑی میں جا پہنچا۔ صندوق میں گھی کا کنستر۔ رستہ میں کپڑے لاتے لیجاتے خوب ہی ٹپکا۔ گھی کی خوشبو کپڑے کا معاملہ کرتہ کی آستین پاجامہ کی موہری چوہے لے گئے۔ اوڑھنی کی ڈھنڈیا پڑی تو وہ بھی آدھی سے زیادہ بل میں پہنچ چکی تھی۔ کپڑے آئے تو سہی مگر کیسے بے ڈھنگے اور تتر بتر کہ خدا کی پناہ۔ ایک مٹی کے تیل میں لسا ہوا تو دوسرا کیچڑ میں لت پت کسی پہ گھی کسی پہ تیل کسی پہ گارا کسی پہ کیچڑ۔

سنجیدہ جیسی بیوی کا گھر اور نسیمہ جیسی بچی کا انتظام کپڑوں کی یہ گت ہنسی بھی آتی ہے اور افسوس بھی ہوتا ہے۔ مگر خدا نواسی کا بھلا کرے جب صفائی کی ضرورت ہوئی غسلخانہ میں

گئی اور میلا کپڑا اُٹھا لائی۔ نسیمہ غریب کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ کپڑوں کو یہ آگ لگ رہی ہے اور بی نواسی کو رے استرے سے میرا سر مونڈھ رہی ہے۔ جو کہیں نسیمہ اس غصے میں نواسی کا نام لے دے تو سنجیدہ کچھ نہیں تو اس کو کچا کھا جائے۔ مگر انسانیت سمجھو یا محبت ساری آفت اپنے سر لے لی اور اس کا نام نہ لیا۔

(۲۷)

تربیت اور تعلیم دونوں چیزیں جیسی لازمی اور ضروری ہیں ویسی ہی مشکل اور اہم بھی وجہ یہ تھی کہ سنجیدہ نے صرف تربیت اپنے ذمہ لی اور تعلیم استانی کے سپرد کی۔ وہ مر چکی اور ہمکو مرنا ہے سنجیدہ نے تربیت کا حق ایسا ادا کیا کہ اگر کوئی کرے گا تو بس اتنا۔ تیرہ برس کی نسیمہ ماں کا جوڑی کا بخیہ ایسا کرتی تھی کہ اچھے اچھے سینے والے اُس کے ہاتھ پر عش عش کرتے۔ سنجیدہ جیسی سکھانے والی اور نسیمہ جیسی سیکھنے والی ماشاءاللہ دسوں انگلیاں دسوں چراغ تھیں۔ کیا مجال جو کپڑے پر کبھی کسی قسم کا داغ دھبہ نظر آیا ہو مزاج میں احتیاط یہاں تک کہ کبھی میلے ہاتھ تک سے کپڑا نہ چھوا۔ سینے بیٹھی تو پہلے جگہ صاف کی چاندنی ہوئی چاندنی۔ چادر ہوئی چادر۔ غالیچہ۔ قالین۔ دری۔ رومال کوئی چیز بچھا لیتی تب اپنا اختر بختر کھولتی۔ کھانے سے فارغ ہوئی۔ صابن سے ہاتھ دھوئے بے دھوئے کبھی تاک پڑ کر سو گئی۔ مگر اس کے واسطے دن کا سونا حرام۔ ہاتھ ہے کہ چھپا چھپ چل رہا ہے یتیم خانے کے چھوٹے چھوٹے بچے اپنے موٹے جھوٹے کپڑے لاتے اور وہ سر آنکھوں پر رکھتی عید سے ایک دن پہلے ایک بچہ سات نہیں آٹھ برس کا ہو گا رات کے وقت اپنا کرتہ پاجامہ لینے آیا۔ نسیمہ دن بھر اپنے چھوٹے بھائی کے کپڑوں میں لگی رہی کپڑا یوں کا یوں ہی رکھا تھا۔ بن ماں باپ کا بچہ اُجلے کپڑوں کی خوشی عید کی امنگ سب خاک میں مل گئی آنکھ میں آنسو بھر کر کہنے لگا "اچھا تو آپا میں جاتا ہوں،" نسیمہ نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو آنسو بہہ رہے تھے۔ سوچنے لگی اس کا میرے اوپر کچھ زور نہیں خوشی کا سودا ہے مگر اس کا دل اس وقت

کیا کہہ رہا ہوگا بچے کو اپنے پاس بلا کر سر پر ہاتھ پھیرا اور کہنے لگی بھائی اپنا دل نہ کرو ہاں نماز سے پہلے آکر اپنے کپڑے لیجائیو۔ مانا کہ لڑکا بچہ تھا۔ لیکن نسیمہ بھی تو بڑی بوڑھی نہ تھی۔ برس کا برس دن عید کا موقع۔ رات بیچ میں۔ چوڑی۔ مہندی کپڑا لتہ بیسیوں کام تھے۔ مگر صد آفریں نسیمہ نو بجے رات سے لیکر جو بیٹھی تو گھر کا بچہ بچہ سو گیا اور وہ نہ ہلی۔ ادھر مؤذن نے صبح کی اذان دی اُدھر اس نے ٹانکا توڑا۔

تربیت ہو تو اتنی اور تقدیر ہو تو ایسی جتنی محنت سنجیدہ نے نسیمہ پر کی سب ٹھیک لگی سچ یہ ہے جیسی جانفشانی سے اس نے بھائی کی اولاد کو پالا آج کوئی اپنے پیٹ کی اولاد کو نہ پالیگا کون سا کام تھا جو نہ سکھایا اور کیا بات تھی جو نہ بتائی۔ چھ برس کی جان کو برابر بٹھا سوئی دھاگا حوالے کیا۔ کترنیں آگے ڈالیں اور تیپچی شروع کروا دی۔ ذرا ہاتھ چل نکلا تو چھوٹے بھائی کا کرتہ دیا اور کہدیا برابر کے دونوں تنے ہیں۔ کندھوں کی تیپچی چار انگل ادھر چار انگل اُدھر دو مگر اتنی احتیاط کرنا دونوں تیپچیاں برابر نہ ہوں یعنی اوپر کی چکلی رہے اور نیچے کی تپلی دونوں سوئیں برابر رکھو گی تو سیون موٹی ہو جائے گی۔ کندھوں کی تیپچی کر لو تو بغلوں اور آستینوں کی سیونیں لو وہ بھی اس طرح کہ اوپر کی چکلی نیچے کی تپلی۔ مونڈھے کے اوپر دو تو آستینوں کے دو دو انگل کی پٹی چھوڑ کر لگانا سمجھ گئیں؟ چاکوں کے بیچ میں انگل بھر کی چکوتی لگے گی۔ جو بات نہ سمجھی ہو ابھی سے پوچھ لو۔

(تیپچی) تیپچی کی ترکیب یہ ہے کپڑا ہاتھ میں لیکر بڑا اوپر اور چھوٹا نیچے رکھا اور پھر سینا شروع کیا۔ سوئی میں جتنا کپڑا آ جائے یعنی جب سوئی میں کپڑا بھر جائے اس وقت سوئی نکالو۔ اور پھر آگے شروع کرو۔ اسی طرح ساری سیون ختم کر لو۔ جب لپیٹ رہی کر چکو تو جہاں سے تیپچی شروع کی ہے وہاں سے ناخن دو۔ مطلب یہ ہے کہ ناخن سے کھینچکر صاف کر دو کہ تیپچی کے بیچ میں جھول یا سلوٹ نہ رہ جائے یا تاگے کی گرہ نہ پڑ جائے۔ ہاں جہاں تیپچی ختم ہو وہاں دو تین ٹانکے لگا کر دہاگا توڑنا کہ ادھڑ نہ جائے پھر چٹکی دینا وہ اس طرح کہ سیون

کو موڑ کر۔ بس پھر کرتہ کو ہاتھ سے صاف کر دو۔ اب کرتہ کھڑا ہو گیا۔ وہ جو مونڈھے کی پٹی چھوڑ دی ہے اس میں لال ڈورا دو۔ چکلی پٹی اوپر اُٹھائی۔ نیچے کی تپلی سیون میں ڈورا رکھا اور وہ چکلی سیون اوپر رکھ دی۔ بسیہ لگایا اور کرکری کہ چکلا تپلا نہ ہو جائے۔ کوک تو جانتی ہو نہ؟

(شبیہ) لمبے لمبے ٹانکے ڈورے کے برابر لگا دیئے کہ ڈورا چکلا تپلا نہ ہو۔ اب کرتہ کو پھر اُلٹا کیا اور کلی کی سیون سے ترپنا شروع کی اوپر کی سیون جو چکلی ہو کتر دال سے موڑا۔ دو حصہ باہر ایک حصہ اندر مگر موڑا اس طرح کہ سلوٹ نہ رہے پھر اسے برابر ترپنا شروع کیا۔ باریک باریک کلی کی سیون کو ترپتے ترپتے مونڈھے تک آئے مونڈھا کر کے دوسری کلی پر اُتر گئے اس کو نیچے جا کر ختم کیا غرض اسی طرح چاروں کلیاں کر لیں۔ پھر بغل کی سیون شروع کی دونوں بغلوں کو ختم کیا۔ اس کے بعد آستین کی سیون شروع کی اور دونوں آستینوں کو پورا کیا۔ اتنا ہو چکے تو کرتہ کو اب سیدھا کر دو۔

ترپن کا قاعدہ یہ کہ کپڑا دونوں گھٹنوں میں پکڑ کر ایک ایک ٹانکا بکالنا شروع کر دیا بخیہ کی طرح نہیں کہ جب کپڑا سوئی میں بھر گیا تو چھوڑا۔ اگر ہاں جس طرح بخیہ میں ختم کرتے وقت دو تین ٹانکے لگانے ہیں اسی طرح ترپائی میں ٹانکا توڑتے وقت دو تین ٹانکے یوں ہی لگا دیتے ہیں اور پھر ختم کرتے ہیں بخیہ کو ناخن سے صاف کرتے ہیں۔ ترپائی کو انگلی پھیر کر کہ ٹانکا اچھی طرح بیٹھ جائے۔

پھر کرتہ سیدھا کیا۔ ایک انگل سے کم گھیر موڑا اور اس کی سیون ترپن کے لئے موڑ کر ترپنا شروع کیا۔ گھیر ختم کیا اندر چاکوں کی سیون بہت تپلی موڑی۔ اگر چاکوں کا بر ہو تو گھیر ترپا جاتا چاک نہیں ہو۔ کلی نہیں ہو تو چار سیونیں یہ سب کر چکو تو چکوتیاں ترپنا پھر مونڈھوں سے بخیہ شروع ہوا۔ ہو چکا تو چکوتیوں پر کیا۔ گھیر میں بیل لگنی ہو تو چاکوتیاں نہ ہوں گی اُن کے بدلے کونے بنجائیں گے۔ اب گریبان۔ تو پہلے ایک اُنگل چوڑا داہنی طرف لگائی اُدھر سے لگا کر اُدھر یعنی الٹی طرف ترپا۔ چار اُنگل پٹی مین سے۔ کی اکہری

لگائی اور تیپچی بھری۔ اس کو آدھا الٹا ڈورا دیکر قلم بنائی (کوکا) گریبان میں پٹی لگائی۔ چاہے کالر لگاؤ چاہے آڑی پٹی۔ کالر ہوگا تو سیدھا۔ پٹی ہوگی تو آڑی۔ پٹی لگائی ہی تو ڈورا دیکر اس کو کوکا۔ کوک چکے تو پہلے یہ دیکھا کہ سیدھا ہی۔ پھر بخیہ کیا اوپر نیچے کا برابر رکھہ کر دیکھ لیا کہ درست ہی تو کاج بناد ئیے بخیہ کر دیا۔

(بخیہ) بخیہ بھی ترپائی کی طرح گھٹنوں میں لیکر ہوتا ہی مگر ترپائی میں ایک ٹانکا برابر نکلتا ہی بخیہ میں بالکل ملا ہوا ہوتا ہی جس طرح خشخاش کا دانہ بہت باریک ٹانکا چاہیئے۔ کرتہ تو خیر ختم ہو گیا۔ مگر اودرے کی ابھی ترکیب رہ گئی۔

(ادرما) ادرما زیادہ تر پلنگ کی چادروں یا بچھانے کی چاندنیوں میں ہوتا ہے اودرما دو طرح کا ہوتا ہی۔ پہلے میں تم کو سیدھا اودرما بتاؤں۔ ایک لیٹا اودرما کہلاتا ہی پھر وہ تنگی دو چادر کا سیدھا اودرما سمجھاؤں گی۔ مگر چادر میں تو مچھلی کا ٹانکا اچھا معلوم ہوتا ہے خیر تمہارے سمجھانے کے لئے چادر ہی میں بتاتی ہوں۔ کنی سے کنی ملا کر چار انگل سرے پر سے سی لو۔ یوں ہی شروع کرو گی تو ایسا نہ ہو جھول رہجائے۔ کمتی بڑھتی ہو جائے پہلے تو چار انگل پاؤں کے انگوٹھے میں پکڑ کر سی لیا۔ پھر گھٹنے میں لیکر اودرما شروع کر دیا۔ اور ساری سیون ختم کر دی۔ انگوٹھے کے ناخن سے صاف کیا اور چٹکی دیدی اودرما دور دور نہ بھرنا چاہیئے نہیں تو جالی پڑجاتی ہی۔ پاس پاس ہو گتھا ہوا ہو اودرما موٹے تاگے سے ٹھیک ہوتا ہی اس کا بھی ایک ایک ٹانکا لیا جاتا ہی۔ ترپائی میں اور اودرے کے ٹانکے میں فرق یہ ہے کہ اس کا ٹانکا مہین ہوتا ہی اس کا اس سے ذرا موٹا۔

چادر میں ابھی ایک کسر رہ گئی۔ دونوں آنچل ترپے جائیں گے۔ اگر پٹیوں کی طرف کنی ہی تو خیر ورنہ پٹی کی طرف سیون باریک پڑتی جائے گی۔ نشانی کے واسطے چاہے کیسی بوٹی ڈالدو۔ اچھا لو کرتہ کا حساب سمجھو۔

کرتہ

ا ج ب
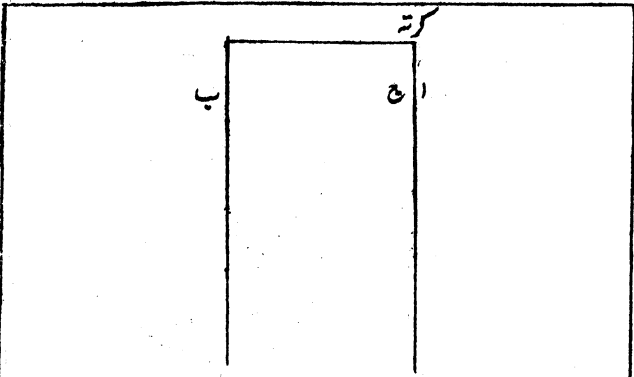
الف اور بے دو تنے ہیں جب ان کی تیپچی بھرلی تو یہ اوپر نیچے ہو گئے اب ضرورت ہے ان میں آستین لگانے کی کسی ایک تنے کے بیچ میں شروع کرو۔ یعنی لمبائی کے بیچ میں جس جگہ ج ہے اس چکلان کے بیچوں بیچ آستین لگ جانے کے بعد یہ صورت ہو گی۔

ج

ا ب
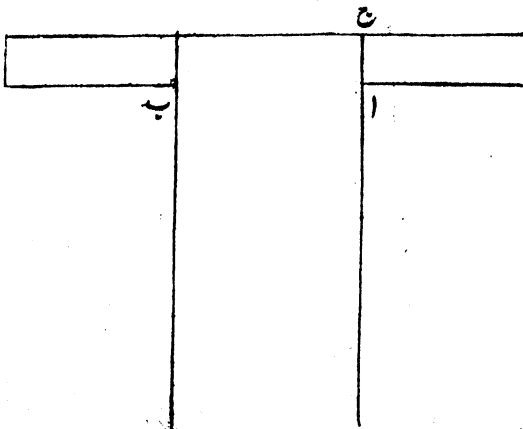
اب جو دو انگل کی پٹی مونڈھے پر ہے وہ تنے پر تر پی جائے گی اور کرتہ اس ہئیت پر ہو گا۔
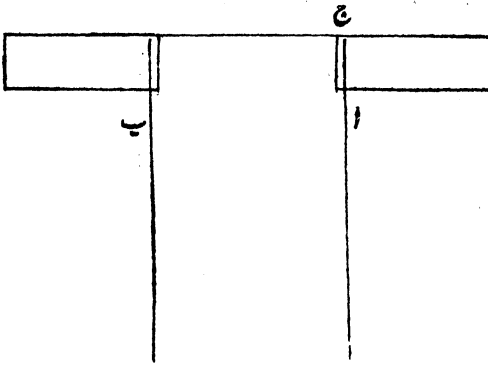
چاکوں کے بیچ میں جو چکوتیاں بنائی گئی ہیں اگر یہیں نہ لگائی جائے تو وہ بھی کرتہ ہی میں شامل ہیں جنکی صورت یہ ہے۔
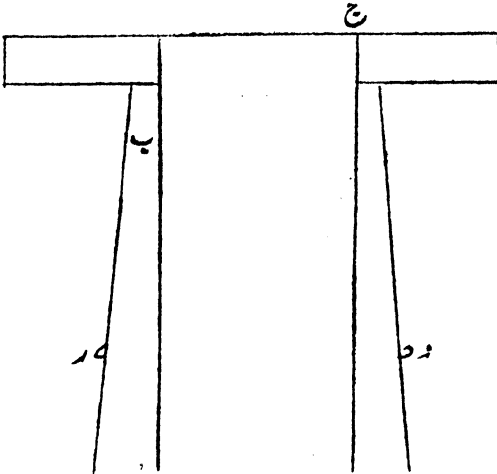
یہ و آ اور ز دونوں چکوتیاں ہیں۔ تیپچی کی ترکیب بتانے کے بعد جالی ودورے کا ذکر آیا ہے وہ بھی کرتوں میں ضروری نہیں۔ نہ مردانے کرتوں میں استعمال ہوتا ہے۔ صرف زنانے کرتوں میں وہ بھی اگر کپڑا اچھا ہو تو خوبصورتی کے واسطے۔ رنگ ململ۔ تن زیب وغیرہ میں دیا جاتا ہے
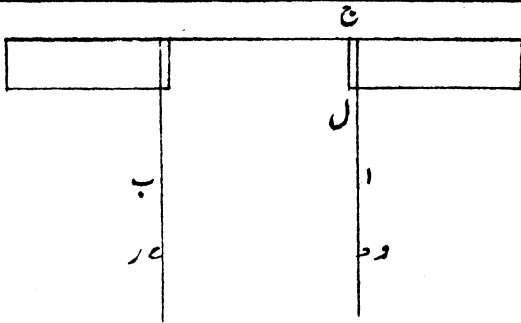
ل یعنی چکلی پٹی اوپر کی اٹھا کر نیچے کی تیلی سیون میں جہاں حرف ج ہی یہاں ڈورا رکھا اور سیہ ہا کہ کے احتیاطاً کوک دی اور بخیہ شروع کردیا۔ اب کلی کی سیون شروع کی اور وہ اسطرح
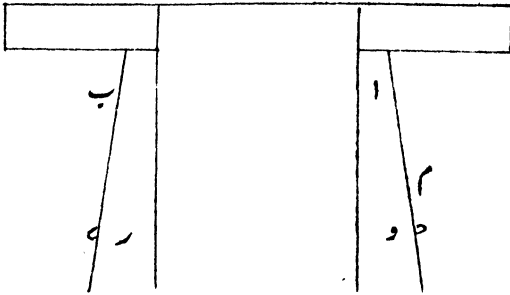
م اور نون یہ دونوں کلیاں ہیں مگر کلی میں بغل پہلے سے لگا لینی چاہیئے۔ یہ کلی میں بغل جڑی ہوئی ہے۔
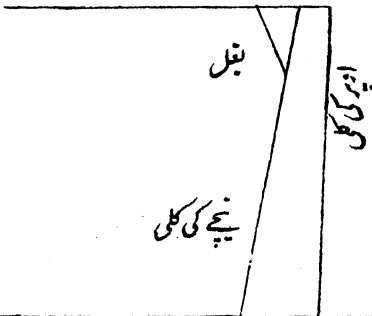
یہ دونوں کلیاں بغل میں لگی ہوئی ہیں جو آستین میں لگا کر تنے پر لگیں گی۔
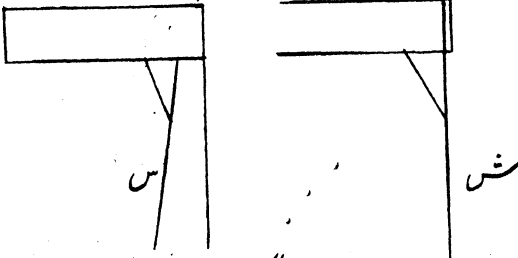
کلی میں بغل نکالنے کے بعد آستین میں لگی ہوئی صورت س سے ظاہر ہو رہی ہے جب یہ کلی بغل میں لگی آستین میں جڑی تنے میں لگائی گئی تو اس کی صورت ش کی ہے۔
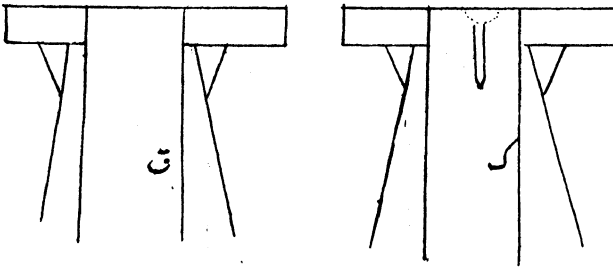
ق سادہ کرتہ ہے جس میں فقط گھیر ترپا ہوا ہے۔ چکوتیاں لگی ہوئی ہیں بخیہ وغیرہ کچھ نہیں ہے، ک بالکل تیار کرتہ ہے۔ گھیر میں بیل لگی ہے لال ڈورا ہے۔ بخیہ ہے۔ یوں سمجھو یہ زنانہ ہے وہ مردانہ۔

(۲۷)

شوق سے سیکھنے والی۔ دل سے سکھانے والی نسیمہ کے ہاتھ میں صفائی نہ ہوتی تو پھر کس کے ہوتی۔ کچھ ایسا چسکا پڑا کہ ادھر ادھر سے مانگ تانگ کر کپڑے لیتی۔ آدھی آدھی رات تک سیتی اور تیار کرتی۔ دس بیس کپڑوں کا نکلنا تھا ہاتھ جم گیا۔ ناکے سے ناکہ ٹانکے سے ٹانکا ملا۔ کرتہ ہو یا پاجامہ۔ صدری ہو یا انگرکھی ایک سے ایک بڑھی۔ ایک سے ایک چڑھی۔ گیارہ ہونے برس

تو یہ کیفیت تھی کہ غیر تو غیر خود سگی ماں مشکل سے پہچانتی کہ یہ نسیمہ کا ٹانکا ہے۔ خدا کی قدرت منجھلی کے ہاں ہوا لڑکا۔ ضلعدار صاحب کو بیٹے کا ارمان تھا۔ بھائی کہنے کو تو ماشاءاللہ پانچ چھ تھے اور سب صاحب اولاد مگر نری بیٹیاں۔ سینکڑوں تدبیریں ہزاروں ترکیبیں گنڈے اور تعویذ فلیتے اور ٹوٹکے۔ دنیا بھر کے جتن کر ڈالے مگر لڑکا نہ ہونا تھا اور نہ ہوا۔ خدا خدا کر کے یہ دن ہوا کہ خاندان میں بیٹے کی صورت دکھائی دی۔ کنبے بھر میں عید تھی۔ وہ دھوم دھام ہوئی کہ سارے شہر میں نام ہوگیا۔ جس جس سے جو کچھ ہوسکا اپنی اپنی حیثیت کے لائق سب ہی لین دین میں شریک ہوئے۔ نسیمہ نے بھی بھانجے کے لئے کرتہ ٹوپی تیار کیا۔ رشمین ململ کا گلابی کرتہ۔ سبز ساٹن کا پاجامہ اسی کی ٹوپی پھوپھی کو بتانے کی بھی ضرورت نہ ہوئی۔ اس نے آپ ہی کترا اور سیا بھی۔ ٹوپی کے لئے ایک پٹی آڑی تین انگل کی چکلی باڑ بنائی اور گول چندوہ کتر باڑ میں لگالیا۔ نیچے قند کا استر ایک قند کی پٹی سیدھی تین انگل کی چکلی پیچھے کے لئے۔ نیچی لگائی۔ پہلے بیٹھا ٹانکا اس کے آگے پکے گوکھرو کی ایک لڑی اور پھر سادے کی کٹوریوں کی ترپج رنگی تو ئی آگے پکے گوکھرو کی ایک لڑی اور پھر نری سنہری کرن اس سیدھی پٹی پر ٹانک کر الگ رکھی۔ چندوے اور باڑ پر ماہی پشت کا گوکھرو کا جال۔ بیچ میں کرن کا پھول ٹانک پر گوکھرو کی قینچی ٹانک۔ وہ جو پٹھا الگ رکھا تھا اس میں لگا دیا۔ ٹوپی تیار ہوگئی۔ بہن کے بچہ کی خاطر اس قدر محنت کی یہ تو کوئی ایسی انوکھی بات نہ تھی مگر نسیمہ کی مروت تو اپنے بیگانے سب کے حق میں یکساں تھی۔ آدھی آدھی رات تک بیٹھی پڑوسیوں کے کپڑے سیتی اور سینا نہ نمٹتا۔ مفت کا درزی۔ بے داموں کی معلانی۔ سلوانے والوں کا کیا جاتا تھا جس کو ضرورت ہوئی اٹھائے کپڑے بھیج دئیے۔ پڑوس میں ایک بڑی بیگم رہتی تھیں۔ صبح کی نماز پڑھ ایک دن نسیمہ قرآن شریف پڑھنے بیٹھی کہ بڑی بیگم صاحب کی ماما بڑے عرض کی چھ گز تن زیب لیکر آئی۔ سلام کیا اور کہا۔ بیوی نے

بہت بہت دعا کہی ہے اور یہ کہا ہے کہ اگر آپ کو فرصت ہو تو چار کرتے سی دیجئے گریبان اور مونڈھوں میں کیکری اور کٹاؤ ہوگا۔

انکار تو بڑی چیز ہے نسیمہ کے مزاج سے تو تامل بھی مشکل تھا۔ تن زیب لے کُٹھری میں باندہ پڑھتے بیٹھ گئی۔ دوپہر کو کھانے پینے سے فراغت پا کر کرتے سینے شروع کئے اور آستینیں لگائیں۔ ڈھائی انگل کی پٹی نین سکھ کی پھاڑ کر ادہر اُدہر دونوں مونڈھوں پر لگائی سیون کی جگہ ایک ایک انگل پٹی آستین کی طرف کیکری کے حق کی چھوڑ کر بخیہ۔ برابر میں لال ڈورا دیکر کوک دی اور پھر بخیہ کیا۔

سیون تیپچی

پٹی خالی

لال ڈورا
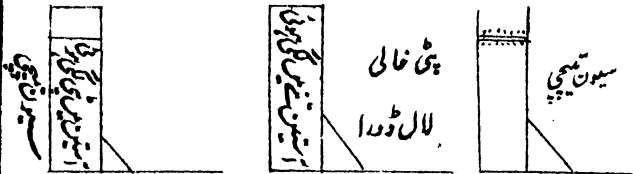
اب جو پٹی تہ کی طرف بچی ہے اس کو صاف کیا اور جتنی پٹی ادہر چھوڑی تھی اتنی ہی دوسری طرف کیکری کے حق کی چھوڑ کر کوک دی۔ وہ پٹی جو کیکری کے واسطے باقی ہے اس کو انگل انگل بھر سے کم برابر کترا اور کیکری موڑ کر سینا شروع کیا۔

خالی پٹی میں کیکری کتری ہوئی

کیکری کا کچھ حصہ مڑا ہوا
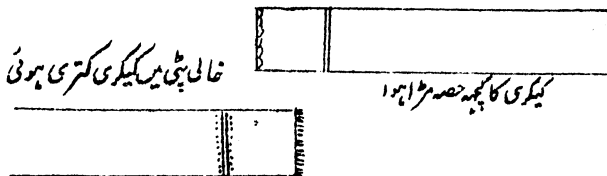
موڑتی گئی اور سیتی گئی دانہ اس طرح موڑا کہ اوپر سے زیادہ نیچے سے کم اتنا ہی دوسری طرف سے مڑا تو بیچ کا دانہ خوبصورت ہو گیا۔ نوک ٹیڑھی نہیں پھونسڑا نہیں۔ نوک سیدھی دانہ برابر جتنی نوک تپلی مڑی اتنی ہی خوبصورت کیکری ہوئی

تیار کیکری
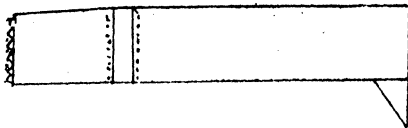
کیکری ہو چکی تو آستین کھولی اور اس کو اس طرح موڑا کہ کرتہ کا کپڑا الگ ہو اور نین سکھ جو بیچ کا باقی ہو نہ الگ ہو بیچ کا نین سکھ یعنی پٹی جو باقی ہو اس کو اس طرح سیون سے سیون برابر ملا کر دوہرا کیا کہ کمتی بڑھتی نہ ہو پھر اس کو ایک ایک چاول چکلا آڑا کترا مگر کوک تک ختم نہ کیا نہیں تو پٹی بالکل کٹ جائے گی۔ اور الگ ہو جائیگی۔ کترنے کے بعد صاف کیا بیچ میں کوک دی اور تر پنا شروع کیا۔ مگر وہیں سے تر پنا شروع کیا جہاں سے کترا ہو۔ ایک طرف سے جس قدر کترا ہو سب سیونیں ختم کیں۔ پھر دوسری طرف کا شروع کیا۔ کٹاؤ میں سب سے بڑی احتیاط اس بات کی ہو کہ نوک برابر رہے۔ ایک کے پیٹ میں سے ایک ہو۔ چکلی پتلی یا ٹیڑھی سیدھی نہ ہو۔ گو بعض آدمی کٹاؤ پہلے کر لیتے اور بعض دوسری طرح سے بھی کرتے ہیں مگر یہ بہت آسان طریقہ ہو۔
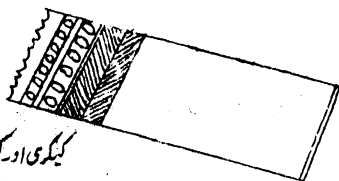
کیکری اور کٹاؤ

بیگم صاحب کی درخواست یا فرمائش جو کچھ بھی تھی بس اتنی کہ کیکری اور کٹاؤ ہو جائے مگر نسیمہ نے تو کرتے ایسے طیار کئے کہ بیگم صاحب کی بھی آنکھیں کھل گئیں۔ گھیر میں پھول پتی کی بیل ایسی کہ دیکھنے دکھانے کے لائق پہلے ایک انگل پٹی نین سکھ کی کتری اور گھیر پر رکھکر ایک چاک سے دوسرے چاک تک میچی بھر دی۔ موڑ کر چٹکی دی۔ صاف کیا۔ بیچی کو الٹ کر اس میں لال ڈورا دیدیا۔ سیدھا کر کے کوک مار دی۔ بخیہ کیا۔

اب اس میں کنگورہ بنایا وہ اس طرح کہ سوئی میں دہرا تاگا لیکر پہلے بے پتی کے کنگورے کی حد تیپچی سے بنائی۔

بے پتی کے کنگورے کی حد تیپچی سے
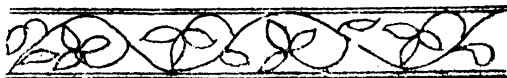
اب اس ڈورے کے آگے آڑی پتیاں کتر کر نکالنی شروع کیں۔
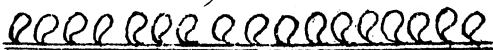
رشتہ نہیں ناتا نہیں محلہ کا رہنا بڑوں کی بات بیگم صاحب سمجھتی تھیں نسیمہ جب کبھی گھر کے کام دھندوں سے چھٹکارا ہوا۔ گھڑی آدھ گھڑی کو یہ بھی لے بیٹھیگی اُٹھتے بیٹھتے مہینہ دو مہینے میں کسی نہ کسی طرح کرتے تیار ہو جائیں گے۔ مگر نسیمہ اللہ کی بندی کو تو شروع ہی سے مرض یا خبط جو کچھ بھی ہو گھٹی میں یہ بات پڑی تھی کہ جو کام کرنا ہے جب تک ختم نہ کر لے چین سے بیٹھے نہیں ایسی ہی کوئی مجبوری یا لمبا چوڑا کام ہوتا تو وہ دوسرے دن پر رکھتی نہیں تو کھانا پینا لیٹنا اُٹھنا سب چھوٹ جائے مگر کام پورا ہو۔ کرتوں کا ہاتھ میں آنا تھا کہ [illegible]ٹ پڑی اور ختم کر کے چھوڑا۔ آٹھ ہی دن میں چاروں کرتے جھٹ پٹ سی سلا کاڑھ کوڑھ تیار کر کرا الگ کئے۔ بیگم صاحب نسیمہ [illegible]شیار محنتی سب ہی کچھ سمجھتی تھیں مگر کرتوں کو [illegible] ہی ہاتھ [illegible] کنکری [illegible] کنگورے لیئی سے جوڑے یا گوند سے چپکائے۔ صفائی یہ کہ کیا مجال جو کوئی [illegible] داغ دھبہ تو درکنار سلوٹ تک نہیں۔ آب تاب ایسی کہ جو بزاز کے ہاں تھی وہ [illegible] موجود۔ ساڑھے چھ آنہ گز کی تن زیب نسیمہ کا ہاتھ لگ جانے سے دس بارہ گز کی ململ کو مات کر رہی تھی۔ دھلوانے کی ضرورت نہ استری کی حاجت۔ بیچ[illegible] بیسیالی کی رہنے والی اُنہوں نے یہ رنگ ڈھنگ کہاں دیکھے تھے۔

یہی جانتی تھیں۔ساٹن کا پائجامہ پہنتے پہنتے گھٹنے پر سے نکل گیا پہنے ہی پہنے سیدھی کھوپ بھر دو سلنگے مار لئے اُنہوں نے تو خواب میں بھی یہ صفائی ستھرائی نہیں دیکھی تھی منجھلی ہی کا جہیز دیکھکر کہتی تھیں۔بیوی دلی والیاں الٰہی توبہ عورتیں کیا ہیں آفت کا پرکالہ۔ہنڈی کی چندی کرتی ہیں۔کرتے دیکھکر تو جتنی بیٹھی تھیں سب ہی واہ واہ کہنے لگیں۔بیگم صاحب تو بالکل ہی لٹو ہوگئیں۔پہلے تو سمجھیں کہ دلی والیاں سب ہی سگھڑ ہوتی ہونگی۔مگر منجھلی کو دیکھتی تھی تو زمین آسمان کا فرق تھا اسی ماں کی بیٹی اسی پھوپھی کی بھتیجی۔بخیہ اور کیکری تو بڑی چیز ہے ڈھنگ کا ٹانکا بھی چاہو تو ناممکن۔آخر کرتے ہاتھ میں لیکر کہنے لگیں۔خوش نصیب اس ماں کے جس کی یہ بیٹی اور دھنیا سہاگ اس گھر کے جس میں یہ بہو ہو۔شاباش ہے بی سنجیدہ کو کہ ایسی بچی اُٹھائی۔میں نے تو امرن عقیقے ہی میں دیکھا تھا کیسی بھولی بھولی شکل تھی کہ دیکھکر دل خوش ہوتا تھا۔ڈومنیوں کے ناچ میں سب ہی لڑکیاں بالیاں آئیں اور بچوں ہی کی خوشی تھی مگر ایک نسیمہ نہ آنا تھی نہ آئی۔دن نکلے کے قریب گھر سے کہہ کے آئی ۔ سیل کا روپیہ دے اُلٹے پاؤں سیدھی ہولی۔میرا تو ایسا جی کڑھا ہے کہ کیا بتاؤں۔صبح نماز کے وقت ٹھنڈے پانی سے بیٹھی وضو کر رہی تھی۔میں تو اس وقت سے اس کی دیوانی ہوں چھوٹی سی تو یہ کچھ ہے۔بڑی ہوکر کیا کچھ ہوگی۔خدا اس کی عمر میں برکت دے اور پروان چڑھائے۔لڑکی کیا نعمت ہے۔بات کرے تو پھول جھڑیں آپ اور جناب کے سوا کوئی دوسرا لفظ اس کی زبان سے سنا ہی نہیں الٰہی اس کی ماں اور پھوپھی کا کلیجہ سدا ٹھنڈا رہے جیز پڑھے طوطے پڑھیں گے تو خاک مگر کوشش تو میں بھی کروں شاید کوئی ہنر ہاتھ میں پڑا ہے۔کچھ ایسا شوق چرایا کہ ایک لٹھے کا تھان ساتھ لے ڈولی منگوا سنجیدہ کے ہاں جا اتریں نسیمہ کو گلے لگا پیسنکڑوں دعائیں دیں اور کہنے لگیں۔بچی میں تو تیری شاگرد ہونے آئی ہوں وہ جو تم منجھلی کی چادروں میں پہلی کا کانٹا ہے میری بھی ایک چادر بنا دو۔نسیمہ نے اسی وقت پانچ گز لٹھا پھاڑ دو پاٹ کی چادر تیار

کی۔ بیچ میں مچھلی کانٹا کیا۔ جب سیون کی جالی پوری ہوگئی۔ پاٹ جڑ چکے تو چاروں طرف سے ایک ایک انگل موڑنا شروع کیا۔ ڈورا دیکر کوک کا بخیہ کیا۔ وہ جو کپڑا مرکڑ پیچھے رہا اس کی کیکری بنائی۔ آگے بازار کی بیل لگائی۔ تینوں پٹیاں کاڑھیں ایک پاٹ کی دو آس پاس چاروں کونوں پر چار بوٹیاں بنائیں چادر تیار ہو چکی تو بیگم صاحب کہنے لگیں ذرا تم مجھکو مچھلی کانٹے کی ترکیب بتا دو۔ نعیمہ نے کہا ابھی لیجئے یہ بھی کوئی کام ہے۔ دیکھئے دونوں پاٹوں کو برابر کیا مگر اس طرح کہ جھول نہ رہے۔ کنی سے کنی ملا کر سینا شروع کیا۔ بس اتنی بات ہے کہ سوئی دھاگے کے بیچ میں سے نکلکر کنی پر جاتی ہے۔
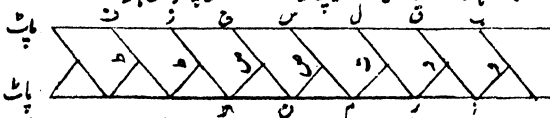
یہ دیکھئے سوئی الف سے ب تک چلی اور پھر ب سے سوئی پلٹ کر اسی ہے اور کی جگہ ڈالکر ت تک نکال لی۔ ت سے ق تک لے گئے اور پھر اسی تاگے میں سے پرو کر م تک لائے م سے ل تک لے گئے پھر اسی ت میں سے پرو کر ن تک لائے اسی طرح چلے گئے اگر تاگے میں نہ نکالو برابر سے سوئی نکالو تو جالی بنجائے گی۔

بات فقط اتنی ہے کہ سوئی ختم کرکے ذرا پلٹ کرکے نکال لی۔ مگر بیگم صاحب ایک چیز اور رہ گئی لائیے وہ بھی بتا دوں اسے لیٹا اور ماکتے ہیں اس میں کچھ بھی ہیر پھیر نہیں۔ نہ تاگے میں سے نکالو نہ پلٹو۔ سیدھی طرح سوئی نکالتی چلی جاؤ۔ لیجئے لیٹا اور ما ہو گیا۔

مچھلی کانٹے میں تاگا نہ ڈھیلا رہیگا کہ خوبصورت معلوم ہو۔ اور جالی میں بھی زیادہ نہ کھچے گا۔ ہاں اور میں بہت کچا رہیگا۔ اور موٹا ہوگا۔ کنی سے کنی ملی رہیگی۔ اگر کنی نہ ہو دونوں طرف سے باریک موڑ لینا چاہیئے۔

ابھی بیگم صاحب بیٹھی ہوئی تھیں کہ برابر کے گھر سے کھڑکی کھول لڑکی چھپا ہوا کرتہ ہاتھ میں لیکر آئی اور کہنے لگی آپا نسیمہ۔ انگلیاں تو دونوں چھد گئیں اور بوٹی ایک نہ بنی۔ نسیمہ نے کہا۔ بوا۔ میں نے اسی وقت کہا تھا۔ دو چار بوٹیاں تمہارے سامنے بنا دوں۔ تم کہنے لگیں میں سمجھ گئی۔ دیکھو یہ مولسری کی بوٹی کہلاتی ہے صرف دو ٹانکے سے سی جاتی ہے پہلے ایک نیچے نکالا۔ پھر ایک اوپر۔ دیکھو یوں سمجھو۔ یہ بوٹی جڑ کی ہے الف سے شروع کیا اور ب تک پیچی بھر کر لائے مگر اس طرح کہ یہ جو کنڈلی سی ہے اس پر پھیرتے ہوئے سوئی کو ت تک لائے

اب ایک ٹانکا جس جگہ ت لکھا ہے یہاں نکالا۔ کیونکہ جڑ کی پتی بنانی ہے پھر تاگے کے نیچے سے سوئی نکالکر دوسرا ٹانکا اس پتی کی جڑ یعنی ت میں سے نکالا اب یہاں دو ٹانکے جڑ میں ت سے ب تک پیچی کے ایک ٹانکا پتی بنانے کے واسطے وہاں لیا۔ جہاں ج لکھا ہے۔ پھر اس طرح سوئی کو اس پتی کی جڑ یعنی ب میں سے نکالا۔ غرض اس طرح تیسری چوتھی اور پانچویں پتی بنالی۔ اس کے بعد یہ الف سے ب تک خالی ہے۔ اس پر آڑے اور مے کی نکلے گی۔ یہ تو چھپی ہوئی ہے بہت مشکل نہیں۔

لے لو مولسری ہو گئی۔ اور یہ دیکھیے یہ دوسری بوٹی پیچی کی ہے اسے جو سوئیاں کہتے ہیں پتیاں اس میں بھی ہیں پہلے الف سے ب تک پیچی بھری پھر ب سے الف تک سوئی واپس پھیری تو الف کے پاس یہ کنڈلی سی بنا لیجئے جڑ تیار ہوئی اب پتیاں بنانی ہیں جڑ یعنی ڈنڈی کے بیچ میں سے جہاں ج ہے پتی بنائی ہے۔ پہلی پتی ج سے د تک گئی دوسری ڈال سے ج تک واپس آئی چونکہ بوٹی چھوٹی جو سوئی

کہلاتی ہے۔ اس لئے ہر پتی پر چار سوئیاں نکلیں گی۔ یہ بوٹی تیار ہو گئی مگر اتنی بات ہے کہ یہ کچی تیار ہے اگر پکی بنیگی تو کنڈلی کے بیچ میں سے سوئی سے چھید کر کے اور ما بھرا جائیگا۔ ہر پتی پر اورما ہوگا اور ڈنڈی پر بھی۔ لیکن نین سکھ پر کڑھیگی تو بنڈل سے اور جو تن زیب پر کڑھیگی تو باریک تاگے سے۔ یہ جو کنڈلی میں چھید سا ہے۔ یہ اور ما ہے لو پکی ہو گئی۔ سب پتیوں پر اورما کر دیا ہے فقط اتنی بات ہے کہ ہر پتی پر آڑی سوئی سے اورما کیا ہے۔

اب آپ ایک اور بوٹی ملاحظہ فرمائیے اسے موئے کی چو سوئیاں کہتے ہیں۔ یہ اس طرح کڑہتی ہے کہ چاروں سوئیاں اوپر ہی اوپر رہتی ہیں نیچے نہیں آتیں یعنی جڑ تو اس طرح بنائی جس طرح پہلی بوٹیوں میں الف سے ب تک کھینچی کی اور کنڈلی بنا کر سوئی کو وہ تک پھیر لائے اب جس طرح مولسری کی بوٹی میں جڑ کے بیچ سے پتی بنانی شروع کی ہے اسی طرح و سے پہلا ٹانکا م پر نکالا اور دوسرا ٹانکا و پر نکالا اب تیسری سوئی اسی ٹانکے میں سے نکلیگی یعنی مویا ہو گا م میں سے سوئی ہوتی ہوئی و پر آئے گی۔ اب سوئی ب کی طرف بڑہی۔ دو ٹانکے لیکر دوسری بوٹی پر سوئی گئی۔ دو ٹانکوں سے مطلب یہ ہے ایک واؤ اور اس کے بیچ میں اور ایک س پر۔ چنانچہ س پتی کی جڑ ہو گی اب ٹانکا ل پر نکالا اور دوسرا س پر۔ تیسری سوئی ل میں سے ہوتی ہوئی س پر آئی اب آپ سمجھ گئی ہوں گی۔ بس اتنا خیال رکھیئے کہ سیدہی طرف سے شروع اور الٹی طرف ختم ہاں یہ یاد رکھیئے کہ تیسری سوئی تاگے کے اندر سے نکلیگی۔ رہی یہ بیچ کی کنڈلی اس میں اسی طرح جیسا پہلی بوٹیوں میں آپنے دیکھا تین چار دفعہ سوئی پھیر کر چھید کر لیا اور اورما کر لیا چاہے پتیوں سے پہلے چاہے پیچھے۔ اچھا ایک آدہ بوٹی یکی بھی ملاحظہ کیجیئے۔ دیکھئے خانہ توڑ کی بتاتی ہوں

پہلے الف پر اور مے کی پکی کنڈلی بنائی پھر سوئی تیپچی بھر کے ب تک لائے اس پر آڑا اور رما
شروع کیا کہ پکی ہوجائے اب جو یہ جڑ کی بنی ہے بیچ اس کو پکا کیا
یعنی آڑا اور رما کیا یہ دیکھئے پتی پر آڑا اور رما ہوا ہے۔ پکی ہوگئی اب
اس کے بعد باقی پتیاں شروع کیں ملاحظہ کیجئے۔ نیچے کی پتی تو اسی قسم کی رہی باقی
پتیاں ایسی رہیں گی یہ آپ کو اختیار ہے چاہے نیچے ایک رکھئے یا دو مگر ہاں
یہ خیال رکھئے گا۔ جب پتی بیچ کی تیار ہوگئی تو ڈال کی تیاری کے وقت
پتی کی ڈنڈی کی جڑ میں جہاں ہم نے دو ٹانکے لے کر سوئی سے اوپر
جاکر پتی کے بیچ میں چھید کیا۔ پھر برابر چھید میں اور رما شروع کیا۔ پتی میں آڑا ہی بوٹی میں
گول ہوگا۔ اس کے بعد ڈنڈی میں جہاں دو ٹانکے تیپچی کے لئے تھے اس پر اور رما کر دیا۔
اسی طرح سب پتیوں کو تیار کر لیا یہ تو ہوگئی۔ اب ایک بوٹی پھندے کی جسے بٹن بھی کہتے
ہیں۔ جڑ اور ایک پتی تو اس طرح بنے گی۔ جیسے پہلے۔ ہاں
پتیوں میں فرق ہے۔ دیکھئے یہ پہلی پتی ل کی ہے۔ اس کی ترکیب
یہ ہے۔ جب جڑ اور جڑ کی پتی بنالی تو پتی ل پر آئے۔ پہلے تو تین چار دفعہ اندر سوئی پھرا
کر چھید کر لیا۔ اب چھید میں سوئی نکالی اور ہاتھ کے انگوٹھے سے تاگا دبا کر دوسری سوئی
پھر نکالی چونکہ تاگا دبا ہوا ہے۔ دوسری سوئی تاگے کے اندر سے نکلیگی۔ اسی طرح تیسری
سوئی تاگے کے اندر سے نکالی۔ غرض جتنی سوئیاں نکلیں گی تاگے کے اندر سے نکلیں گی
کہ پھندا بنجائے۔ غرض اسی طرح سب بنالیں۔ چاہے تین رکھے چاہے چار رکھے نسیمہ لڑکی
کو سمجھاتی رہی اور بیگم صاحب بھی پاس بیٹھی توجہ سے سنتی رہیں وہ تو پہلے ہی نسیمہ کا کلمہ
پڑھ رہی تھیں اس وقت بالکل ہی ایمان لے آئیں اور ہزار دعائیں دیتی ہوئی رخصت ہوئیں

(۲۸)

بھتیجی کو دیکھ دیکھ کر پھوپھی کا خون چلوؤں بڑھتا تھا کہتی تھی اس بیٹی پر بیٹے قربان اور

ہیرے اور لال نثار۔ گیارہویں برس کا پورا ہونا تھا کہ کنبہ بھر میں ہلک ہوگئی قیمتی سے قیمتی کپڑے اور مشکل سے مشکل پھول پتیاں جو ساٹھ ساٹھ برس کی بڑی بوڑھیاں دیکھکر حیران ہوں۔ اتنی سی جان بے چھاپے اور بے نشان اُلٹے ہاتھ کا کرتب جیسی سنجیدہ کی گڑیا بارہ برس کی عمر میں پچاس برس کی بڑھیا پھوپھی سے بازی لے گئی ایسے ایسے ترنج اور بیل پتیاں دل سے نکالتی اور ہاتھ سے بناتی کہ وہ پھوپھی یا اُستانی جو کچھ تھی دنگ ہو جاتی۔

ایک دن دوپہر کے وقت باہر سے نوکر نے گھر کا ملمع بھیجا اور دروازے پر کھڑے ہو کر کہا یہ پورے بیالیس روپے کا سودا آ گیا۔ تول لیجئے اور حساب کر لیجئے۔ دس روپے کے گیہوں پونے گیارہ سیر کے ہیں۔ آٹھ روپے کا گھی ڈیڑھ چھٹانک سیر کا ملا ہے۔ پہلے ان دونوں کو تلوا تو اور بتاؤں۔ نسیمہ نے پتیلے کا دھڑا کر کے بھیجدیا تھا۔ وہڑے کے بٹ ترازو میں بول کے تول رکھے گئے۔ اس نے ماما کی نواسی سے کہا کہ تول لے۔ گھی تولا تو پونے نو سیر اُترا نواسی کہنے لگی لو چھوٹی بی پونے نو سیر ہے۔ ایک روپیہ کا ڈیڑھ چھٹانک سیر آٹھ روپے کا کتنا چاہیے۔

نسیمہ۔ مجھ سے پوچھ رہی ہو خود نہیں حساب کر سکیں؟ پہاڑے اگر یاد ہیں تو کیا دقت ہے۔ سیر کی سولہ چھٹانکیں ہوتی ہیں آٹھ روپے کا آٹھ سیر تو الگ ہو گیا۔ اب ہا ڈیڑھ چھٹانک فی روپیہ۔ آٹھ ڈیوڑھے بارہ۔ یوں سمجھو آٹھ روپے کی آٹھ چھٹانکیں الگ ہوئیں۔ اب گیا آدھی چھٹانک فی روپیہ آدھی چھٹنکیوں کی چار چھٹانکیں چار چھٹانکوں کا پاؤ سیر تو اب جوڑ لو آٹھ سیر ایک آٹھ چھٹانک یک ساڑھے آٹھ سیر تو یہ ہو گیا پاؤ سیر ایک پونے نو سیر۔ ٹھیک تو ہے اچھا یہ تو بتاؤ اگر ڈیڑھ چھٹانک کم سیر ہوتا تو کتنا ہوتا پہلے چھٹنکیاں نے حساب کرو سیر کی سولہ۔ ڈیڑھ چھٹانک فی سیر کم ہے سولہ چھٹانک میں سے ڈیڑھ چھٹانک نکال دو ساڑھے چودہ رہیں۔ اب آدھی چھٹانک تو الگ کر دو۔ چودہ رہیں آٹھ روپے کا حساب کرتا ہے۔ چودہ اٹھے ایک سو بارہ اگر آدہ پاکم سیر ہوتا۔ یعنی چودہ چھٹانک فی روپیہ تو آٹھ روپیہ کا

نکالنے کا قاعدہ

ایک سو بارہ چھٹانک ہوتا۔ مگر میں پوچھ رہی ہوں کہ ڈیڑھ چھٹانک کم یعنی آدھ پاؤ سے آدھی چھٹانک بڑھتی تو آپ دیتی۔ چھٹانک فی روپیہ اندر حساب کر لو۔ آٹھ کے آدھے چار تو گویا چار چھٹانکیں اور ہوئیں ایک سو بارہ تو اوپر ہوئیں اور چار یہ کل ایک سو سولہ چھٹانکیں ہوئیں۔ ان کے سیر بنا لو۔ سولہ ستے ایک سو بارہ سیر تو یہ ہو گئے۔ چار چھٹانکیوں کا پاؤ سیر۔ کل سوا سات سیر ہوا۔ دیکھو یہی ہے کم پہاڑہ۔

	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
دو	دو	چار	چھ	آٹھ	دس	بارہ	چودہ	سولہ	اٹھارہ	بیس
تین	تین	چھ	نو	بارہ	پندرہ	اٹھارہ	اکیس	چوبیس	ستائیس	تیس
چار	چار	آٹھ	بارہ	سولہ	بیس	چوبیس	اٹھائیس	بتیس	چھتیس	چالیس
پانچ	پانچ	دس	پندرہ	بیس	پچیس	تیس	پینتیس	چالیس	پینتالیس	پچاس
چھ	چھ	بارہ	اٹھارہ	چوبیس	تیس	چھتیس	بیالیس	اڑتالیس	چون	ساٹھ
سات	سات	چودہ	اکیس	اٹھائیس	پینتیس	بیالیس	انچاس	چھپن	ترسیٹھ	ستر
آٹھ	آٹھ	سولہ	چوبیس	بتیس	چالیس	اڑتالیس	چھپن	چونسٹھ	بہتر	اسی
نو	نو	اٹھارہ	ستائیس	چھتیس	پینتالیس	چون	ترسیٹھ	بہتر	اکیاسی	نوے
دس	دس	بیس	تیس	چالیس	پچاس	ساٹھ	ستر	اسی	نوے	سو
گیارہ	گیارہ	بائیس	تینتیس	چوالیس	پچپن	چھیاسٹھ	ستتر	اٹھاسی	ننانوے	ایک سو دس
بارہ	بارہ	چوبیس	چھتیس	اڑتالیس	ساٹھ	بہتر	چوراسی	چھیانوے	ایک سو آٹھ	ایک سو بیس
تیرہ	تیرہ	چھبیس	انتالیس	باون	پینسٹھ	اٹہتر	اکیانوے	ایک سو چار	ایک سو ستر	ایک سو تیس
چودہ	چودہ	اٹھائیس	بیالیس	چھپن	ستر	چوراسی	اٹھانوے	ایک سو بارہ	ایک سو چھبیس	ایک سو چالیس
پندرہ	پندرہ	تیس	پینتالیس	ساٹھ	پچھتر	نوے	ایک سو پانچ	ایک سو بیس	ایک سو پینتیس	ایک سو پچاس
سولہ	سولہ	بتیس	اڑتالیس	چونسٹھ	اسی	چھیانوے	ایک سو بارہ	ایک سو اٹھائیس	ایک سو چوالیس	ایک سو ساٹھ

اور یہ دونوں سطریں تو یاد ہوں گی یا اس میں کچھ سوچنے کی ضرورت ہے											
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

اتنا البتہ یاد رکھنا چاہیئے کہ تولے ماشے تو ہر وقت ہر گھر میں ہوتے نہیں اگر تولہ بھر تولنا ہو تو روپیہ چھٹانک بھر تولنا ہو تو پانچ روپے بھر تول لیا۔ ایک حساب اور بتاؤ اگر گھی ڈیڑھ چھٹانک کے بدلے ڈھائی چھٹانک کم ہوتا اور آٹھ کے بجائے سات روپے کا ہوتا تو کتنا ہوتا۔ دیکھو سولہ چھٹانک کے بدلے ڈھائی چھٹانک کم کرو ساڑھے تیرہ رہیں سات کا حساب کرتا ہے۔ تیرہ ستے اکیانوے آدھی چھٹانک باقی ہے۔ سات کے آدھے ساڑھے تین۔ اکیانوے اور ساڑھے تین چورانوے اب چھٹنکیوں کے سیر بنا لو۔ سولہ چھکے چھیانوے۔ چھیانوے ہوتیں تو چھ سیر ہوتے اب یہ ساڑھے چورانوے ہیں یعنی ڈیڑھ چھٹانک کم۔ تو لے لو حساب ہو گیا۔ ڈیڑھ چھٹانک کم چھ سیر۔

اچھا اب گیہوں تولو۔ پونے گیارہ سیر کے کہہ رہا ہے۔ دس روپے کے کتنے ہوں گے گیارہ دہائی ایک سو دس گیارہ سیر کے ہوتے تو ایک سو دس سیر ہوتے اب پونے گیارہ ہیں یعنی پاؤ سیر کم دس پو سیروں کا کیا ہوا۔ ڈھائی سیر ایک سو دس میں سے ڈھائی نکال لو۔ ایک سو ساڑھے سات سیر ہوئے اس کے من بنا لو۔ دو من اسی سیر کے ہو گئے باقی بچے ساڑھے ستائیس سیر اس کا دھون بناؤ گی تو بیس سیر کا دھون۔ دو من ایک دھون ساڑھے سات سیر ہوئے۔ دھڑی بناؤ تو پانچ سیر کی دھڑی۔ چاہے دو من ساڑھے پانچ دھڑی رکھ لو۔ چاہے دو من ایک دھون ڈیڑھ دھڑی رکھ لو۔

نواسی (تو لکر) جی ہاں چھوٹی بی ٹھیک ہیں۔ دیکھئے ذرا سے اُترتے ہیں۔

نسیمہ۔ خیر اس کا خیال نہ کرو چھٹانک آدہی چھٹانک **چھیچھن** کے ا دہڑا دہڑ ہو گئے تو جانے دو۔ یہ تو تم جانتی ہو تین ادہ پیوں کا ڈیڑہ پا تین چھٹنکیوں کا پون پا اور ہاں یہ تو بتا دو اگر یہ گیہوں سوا چودہ سیر کے ہوتے تو دس روپے کے کتنے ہوتے دیکھو چودہ دہائی ایکسو چالیس اگر چودہ سیر کے ہوتے تو سیدہا حساب تھا اب یہاں سوا چودہ ہیں پاو سیر بڑہتی ہیں دس پو سیریوں کے ڈہائی سیر اور زیادہ کر لو۔ ایکسو چالیس سیر کے ساڑہے تین من ہوئے نہیں چالیس پر تقسیم کر لو۔ چالیس تینے ایک سو بیس تین من تو الگ ہو گئے بیس سیر یا دہولن بھر یا چار دہڑی الگ ہیں۔ ساڑھے تین من سمجھو۔ بس اب ڈہائی سیر رہے لو حساب پورا ہو گیا۔

اچھا اور بتاؤ ایک چیز چودہ آنے سیر ہے۔ پون پا کتنے کی ہوئی اور پاؤ بھر کتنے کی سنو۔ ایک بہت آسان طریقہ بتاتی ہوں۔ یہ تمکو معلوم ہی ہے تین پائی کا ایک پیسہ چار پیسہ کا ایک آنہ سولہ آنے کا ایک روپیہ۔ پندرہ روپے کی ایک اشرفی جس کو گنی سورین پونڈ بھی کہتے ہیں۔ لو اب پیسے کے نام گنو۔ چودہ آنہ کی سیر ہے نہ۔ ان چودہ آنے کے پیسے بنا لو۔ چودہ چوک چھپن پیسے ہوئے۔ یعنی ایک چیز چھپن پیسہ کی سیر بھر ہے تو پون پا کتنے کی۔ یوں حساب کرو کہ ساڑہے تین پیسے چھٹانک ہوئی۔ چھپن پیسے کی سیر بھر اٹھائیس پیسے کی آدہ سیر چودہ پیسے کی پاؤ سیر ہوئی۔ اس میں سے چھٹانک بھر کے دام نکالو۔ پون پا کے معلوم ہو گئے۔ چھٹانک بھر کے بڑہا دو سوا پا کے معلوم ہو گئے۔ چودہ میں سے ساڑہے تین پیسے نکلے دہیلا ڈہائی آنے رہے۔ یہ پون پا کی قیمت ہوئی۔ چودہ میں ساڑھے تین جوڑ دیے دہیلا سوا چار آنے ہوئے۔ یہ سوا پا کی قیمت ہو گئی۔

لو اب یہ دال چاول سب تول لو۔ مونگ کی دال ایک آنہ روپے کی آٹھ سیر سوا چار روپے کی تیس سیر ہوئی ٹھیک ہے۔ مرچیں اچھی سرخ پٹنہ کی کہیے بھاؤ چھ آنے

سیر بکتے ہی ہیں۔ سوا سیر ساڑھے سات آنے کی ہوئیں۔ یہ پونے آٹھ آنے کس حساب سے بتا رہا ہے۔
نئی چھالیہ کس نے منگائی تھی۔ آدھی سے زیادہ گلی نکلتی ہے۔ یہ تو یوں کی یوں ہی الٹی پھیرو۔
بیوقوف کہیں کا۔ جا نا بڑی بی کہنا بارہ مہینے کی لانے والا۔ میں کبھی نئی چھالیہ کھاتی
ہوں۔ پرانی لا۔ نہ یہ کتھہ کبھی اڑتا ہوا ہے۔ کمبخت آنکھیں بند کرکے کیوں سودا لاتا ہے۔ کیوں رے
کریم یہ کتھہ پاؤ سیر ہے۔ سوا روپے کے دام اور پھر بھی اڑتا ہوا؟ دیکھے نہ کھالے، تولے نہ جوکھے
جو بنئے کا بندار نے دیدیا آنکھیں بند کیں اور لے آیا۔ تجھے بھی ہیروں پھیروں کا مزا پڑ گیا ہے۔ بس
ایک گیا گیا شام کو پلٹیو۔ مفت کا پیسہ تو نہیں ہے کہ جو تیرے آئے وہ میں کہہ لوں۔ کوئی ایسا
سینکڑوں کوس بازار نہیں کہ چلتے ہی چلتے آندھ آجائے۔ نگوڑی دو قدم پر منڈی
ہاں یہ ارہر کی دال نو سیر کیونکر آئی۔ پرسوں ہی تو نصیبا بھائی کے یہاں نئی دال
سوا دس سیر کی لائی تھی۔ تجھے مرد کی صورت دیکھکر او سوا سیر کم کر دی۔ جا اس کو بھی
پھیر۔ عورت ذات تو لائے سوا دس سیر یہ سورما تو ہی سیر اٹھا لائے۔ یہ چنے تیرہ سیر
بارہ آنے کے کس حساب سے ہوئے۔ دنیا جہان میں پونے اٹھارہ بک رہے ہیں۔ ایک روپے
کے پونے اٹھارہ۔ آٹھ آنے کے آدھ پاکم نو سیر چار آنے کے چھٹانک کم ساڑھے چار سیر
جو چار آنے کے ہوئے وہ پونے اٹھارہ میں سے نکال دو۔ باقی بارہ آنے کے رہ گئے
تو پونے اٹھارہ میں سے چار سیر گئے پونے چودہ رہے۔ اس میں سے آدھ سیر اور نکالو
سوا تیرہ رہے مگر نکالتے ہیں چھٹانک کم آدھ سیر اور نکالے پورے آدھ سیر سوا تیرہ سیر
میں چھٹانک پھر اندر ملاؤ سوا پاؤ ہوئے یہ فقط تیرہ سیر ہیں۔ سوا پاؤ کہاں غارت ہوئے
جیب کم بخت سونا لائیگا ایسا ہی نماک اڑا لائیگا۔ آدھا پاؤ اونا پونا جو ہاتھ لگا لایا اور
پٹخ دیا غضب خدا کا یہ چو سیرے چاول ہیں موٹے کھدی۔ بھائی اتنا کہا جتنا
آٹے میں نمک۔ بی نواسی اب یہ سب چیزیں مٹکے ٹھلیوں میں بھر کر کوٹھری میں کہہ
قفل لگا دو۔ مہینہ بھر کا سب سامان ہے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ مہینے بھر کا طمع گھر میں موجود ہو

ابھی ایندھن باقی ہے۔ اللہ چاہے کل وہ بھی منگوائیں گے۔
گیہوں بھی سیلے معلوم ہوتے ہیں پہلے ان کو اچھی طرح سکھا لینا۔ پھر پسنہاری کو تول کر دینا۔ مگر بیسن کی ایک ٹھیکری بھی گھر میں نہیں ہے۔ چنے تو کل ہی سکھا چھان پھٹک پسنہاری کے حوالے کردو۔ ایک دفعہ ہی اکھٹے پسوالو روز روز کی کہاں تکلیف اٹھاؤ گی۔ بڑی بی تو اند قسم کی آدمی تھیں۔ یہ لمبی بڑھیا مجھے ذرا چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ برسوں بھی روٹیوں کی تھپی کی تھپی مٹکے میں سے نکالکر لائی ہوں۔ تم ہشیار رہنا چیز نہ رکھوا بیٹی اور چوروں کو گالی دو۔ اس پر کوٹھری نہ چھوڑنا۔ جو چیز نکلوانی ہوئی اپنے سامنے نکلوائی اور قفل لگوا دیا اچھا تاکرو گی تو مہینہ بھر سے ایک آدہ دن زیادہ ہی کا سودا ہے پھوپی اماں بہت اچھا کرتی ہیں کہ مہینہ بھر کا سودا منگوا لیتی ہیں۔ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ چٹھی گئی اور بنیئے کے ہاں سے جنس آگئی۔ خیر نہ برکت حاصل نہ فایدہ۔ سیر کا تین پاؤ تو بنیئے نے بھڑایا۔ چھٹانک آدھ پا ماما نے ہضم کیا۔ روپی پیما تو کیسی کر دانت نہ دیا جائے کر کرایے حساب۔ سیر سے پرا اور خراب سے خراب شکی بھر گئی تو اسی بنیئے کی دکان پر دوڑے جاؤ۔ کبھی سہے وہ آ دہا چربی آ دہا تیل۔ مہینہ بھر تک ترش کا پھیر رہا۔ تنخواہ آئی اور ریوڑیاں سی بٹ گئیں پھر وہی بنیئے کی منت اور خوشامد۔ پھوپھی اماں کہتی ہیں چاہے سوکھا آٹا اور روکھی دال کیوں نہ ہو مگر اکھٹی بھر ڈالے سالن نہ ہو گا دال نہ ہو گی چٹنی۔ وہ وقت نہیں ایک وقت۔ وقت پر نہیں بے وقت۔ گھر میں چیز تو ہر وقت موجود ہو گی۔ وہ اس تکلیف کو اس آرام سے اور اس روکھی کو اس روغنی سے ہزار درجہ بہتر اور برتر سمجھتی ہیں۔ اب دیکھو چار دن طرنت کما تو پڑ ال رکھی ہے۔ ایک ایک سے کہہ رہی ہیں۔ صبح بھی بھائی اقبال کو ٹالا پر بھیجا تھا کہ ایندھن اکھٹا پڑ جائے اول تو سادے ہی دنوں میں ان کی عادت ہمیشہ یہی رہی ہے اور پھر آج کل تو سر پر برسات آ رہی ہے۔ بازار کے بھیگے چیڑ را اپلے سیلی لکڑیاں میٹھے پھوں پھوں کرتے رہو تکلیف کی تکلیف نقصان کا نقصان۔ مٹی کے تیل کی انہوں نے کبھی بتلا

نہیں منگوائی ہمیشہ کنستر۔ ایک بوتل کا قاعدہ رہتا ہے اور پھر تیل اچھا۔ یہ بہتر کہ آج دنہواں ہے کل چمنی کالی ہو گئی۔ پرسوں پانی ملا ہوا ہے۔ کوڑیوں اور پیسوں کے حساب کو تم ادنیٰ چیز نہ سمجھنا۔ زیوں سے سیر اور کوڑیوں سے روپے بنتے ہیں۔ پھوئیاں پھوئیاں تالاب بھرتا ہے۔

ہاں بی ظہورن! اشرفی میں سے کیا کیا لائیں؟ دو روپے گیارہ آنے کا کنستر۔ پونے چودہ آنہ کا پان۔ کیا ہوا۔ گیارہ آنے اور چودہ آنے یہ پچیس ہوئے ایک روپیہ نو آنے بلکہ ایک پیسہ کم دو روپے۔ ادھر کنستر کے ہیں تین روپے پونے نو آنے ہوئے پیسہ کی پچکیں پورے نو آنے ہوئے۔ پانچ پیسے کا بنڈل سوا دس آنے تین پیسے کے ریل پونے گیارہ آنے یعنی تین روپے گیارہ آنے کا سودا آیا۔ ساڑھے پانچ آنے کے دو ٹھیکے۔ پونے تین آنے چلو دو پیسے چار روپے ہوئے۔ باقی دس روپے ساڑھے پندرہ آنے لاؤ۔

پھوپھی پاس بیٹھی سن رہی تھیں اور خوش ہو رہی تھیں کہ نسیمہ نے کس خوبی سے نواسی کو حساب کی باتیں سمجھائی ہیں۔ جی میں آیا کہ نسیمہ کو کچھ باتیں اور سمجھا دے کہنے لگی!

اچھا بی نسیمہ، میں تم سے ایک بات پوچھتی ہوں۔ سوچ کر جواب دینا۔ دیکھو ٹھیک ٹھیک بتانا۔ بیس آدمیوں کی دعوت۔ بریانی۔ قورمہ شامی کباب تین چیزیں تیار کرنی ہیں۔ بتاؤ کیا کیا چیز کتنی درکار ہو گی۔ تم تو بالکل ہی چپکی ہو گئیں۔ لو سنو۔ میں بتاؤں فی آدمی ڈیڑھ پاؤ رکھو۔ بیس ڈیڑھ پاؤں کا کیا ہوا۔ پو سیری کے حساب تو پانسیر ہوئے یہاں ہیں ڈیڑھ پا۔ یعنی آدھ پا زیادہ۔ بیس آدھ پاؤں کا ڈہائی سیر۔ پانچ اور ڈہائی یہ ساڑھے سات سیر ہوئے۔ پانچ سیر چاول رکھو ڈہائی سیر آٹا۔ ہو گئے ساڑھے سات سیر اب سب جنس لو سیر کو پو سیری گھی تو سوا سیر گھی چاولوں کا ہوا۔ اب بریانی کا گوشت لو دگنا ٹھیک ہو گا؟ دس سیر ڈالو۔ مصالحہ سنو۔ زعفران تولہ بھر الائچیاں آدھی چھٹانک لونگیں آدھی چھٹانک۔ نمک پون پا لہسن پیاز سیر بھر کیوڑا پاؤ سیر اب قورمہ سوا سیر گوشت ڈہائی سیر آٹے کو بہت ہی سالن میں ڈیڑھ پا گھی۔ باقی ہلدی مرچیں دھنیا لہسن۔ پیاز۔ دہی

معمولی دو سیر کبابوں کا گوشت سمجھو وہ اُبل کر پس کر رہ ہی گیا جائیگا۔ ہاں یاد رکھنا کہ چار پانچ انڈے ضرور ڈال لینے چاہئیں۔ اس سے کباب ٹوٹیں گے نہیں بلکہ خوب پھولیں گے۔ تین پاؤ گھی رکھو۔ لو بھائی رحیم آگئے۔ کل سے یاد کر رہی تھی۔ تین آدمی بھیج چکی ہوں۔ لو بیٹی تم لکھتی جاؤ۔ میں سب کپڑا لکھوا دوں۔ دم بھر میں جا کر لا دیں گے۔ پھر میں کس کس کی منتیں کرتی پھروں گی اور پھر بھائی رحیم جیسا کپڑا کہ دکان کی جان نکال لاتے ہیں۔ لکھو ایک تھان ململ کا ساڑھے انیس گز کا سوا چار آنے گز کے حساب سے۔ بھائی ایک عرض دیکھ لینا چھ دوپٹے بنجائیں گے۔ اچھا بی آپ اپنی اوڑھنیاں لکھو ڈھائی گز کی رہیں گی وہی ایک عرض کی سوا گز پنے والی پونے چار آنے گز کے حساب سے۔ ایک تھان پورا پونے ۱۹ گز کا۔ اب رہے کرتے آٹھ میرے آٹھ تمہارے۔ ایک تھان سیکھیا کا ایک ڈوریے کا۔ سیکھیا ساڑھے پانچ آنے گز۔ سوا بارہ گز کا تھان ہوتا ہے۔ ڈوریا وہی ساڑھے تین آنے گز والا۔ دس گز کافی ہوگا۔

اچھا بھائی صاحب! آپ تو تشریف لیجائیے۔ لو بیٹی اب تم حساب کرو کتنے کا سب کپڑا ہوا منہ زبانی کو رہنے دو۔ لاؤ یہ سلیٹ پنسل ادھر لاؤ۔ میں بتاتی جاؤں تم لکھتی جاؤ۔ پھر سب جوڑ لینا۔

ایک	دو	تین	چار	پانچ	چھ	سات	آٹھ	نو	دس	گیارہ	بارہ	تیرہ	چودہ	پندرہ	سولہ	سترہ	اٹھارہ	انیس	بیس	اکیس
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۳۰	۲۱
1	2	3	4	5	6	7	8	9	10	11	12	13	14	15	16	17	18	19	20	21

یہ ہندسے تو اردو انگریزی کے تم کو یاد ہی ہیں۔ بس اب تم لکھتی جاؤ اور میں لکھواتی جاؤں۔ شروع سے چلو ململ کا تھان ساڑھے ۱۹ گز کا سوا چار آنے گز کے حساب سے یہ میں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ سولہ گرہ کا ایک گز ہوتا ہے۔ دیکھو یہ نقشہ بھی دکھا دیتی ہوں۔ بھول گئی ہو تو یاد کر لو۔

انچ	فٹ	فٹ	گز	گز	میل	میل	کوس	فرلانگ	[illegible] میل
۱۲	۱	۳	۱	۱۷۶۰	۱	۲	۱	۸	۱

میں نے تم کو جب ہم ایک دفعہ سیر سے واپس آرہے تھے تو رستے میں چھوٹے چھوٹے پتھر دکھا کر کہا تھا کہ یہ فرلانگ ہیں۔ جب سات پورے ہو جاتے ہیں تو آٹھویں پر میل آتا ہے اور ایک میل سے دوسرے میل تک سترہ سو ساٹھ گز کا فاصلہ ہوتا ہے۔ خیر اس وقت تو تم کپڑے کا حساب کرو۔ ہاں تو سوا چار آنے گز کے حساب سے ساڑھے ۱۹ گز کی قیمت نکالنی ہے۔ اب اس کے دو قاعدے ہیں یا تو بیس تک کے پہاڑے یاد ہوں یا ضرب سے نکالو۔ انیس کا پہاڑہ یاد ہے۔ انیس چوک چھتر آنے تو ایک آنہ گز چونکہ سوا چار آنے ہیں ایک پیسہ کے حساب سے انیس پیسے ایک ہوئے۔ یہ چھتر آنے انیس پیسے انیس گز کی قیمت ہوئی۔ چھتر آنوں کے روپے بنا ؤ اور انیس پیسوں کے آنے پھر روپے بنالو سولہ چوک۔ چونسٹھ چونسٹھ کے بعد بارہ بچتے ہیں یعنی چونسٹھ اور بارہ چھتر تو چار روپے بارہ آنے تو یہ ہوئے اب ہر انیس پیسے پونے پانچ آنے یہ ہوئے۔ دونوں کو جوڑ لو پانچ روپے پونے تین آنے اور ایک دھیلا ہوا۔

پورے انیس گز تمہاری اوڑھنیوں کا تھان پونے چار آنے کے حساب سے یہ بھی اسی طرح نکالو۔ چار آنہ گز ہوتا اور انیس گز ہوتا تو وہی انیس چوک چھتر چار روپے بارہ آنے تھان میں پونے چار آنے یعنی ایک پیسہ کم۔ بس تو انیس پیسے نکالو۔ چار روپے بارہ آنے میں سے پونے پانچ آنے گئے تو چار روپے سوا سات آنے رہے۔ اب چونکہ تھان پونے انیس گز کا ہے اور یہ قیمت ۱۹ گز کی۔ اس لئے پاؤ گز کی قیمت اور کم کرو۔ گز بھر کے پونے چار آنے آدھ گز کے دھیلا سات پیسے۔ پاؤ گز کے دمڑی کم چار پیسے تو چار روپے سوا چھ آنے اور ایک دمڑی ہوئی۔ اب سیکھیا اور ڈوریا لو۔ سیکھیا ساڑھے پانچ آنے گز۔ سوا بارہ گز کی قیمت نکالو۔ بارہ پنجے ساٹھ آنے ایک ہوئے۔ دو پیسے کے حساب سے چھ آنے ایک۔ یہ بارہ گز کی قیمت چھیاسٹھ آنے یعنی چار روپے دو آنے ہوئے پاؤ گز کی قیمت ساڑھے تین پیسے۔ کل ہوئے چار روپے سوا تین آنے اور ایک دھیلا۔ ڈوریا ساڑھے تین آنے گز کے حساب سے دس گز۔ تین دہائی تیس آنے۔ جس کے ایک روپیہ

چودہ آنے۔ دو پیسے کے حساب سے دس گز کے پانچ آنے۔ کل ملکر دو روپے تین آنے اور
سب کو جمع کردو۔

	روپیہ	آنہ	پائی	دھیلہ	دمڑی
میرے دوپٹوں کی ململ	۵	۲	۹	۱	۰
نسیمہ کی اوڑھنیاں	۴	۶	۳	۰	۱
سیکھیا	۴	۳	۳	۱	۰
ڈوریا	۲	۳	۰	۰	۰
کل	۱۵	۱۵	۶	۰	۱

جمع کرنا تو کوئی مشکل کام نہیں پہلے سب دمڑیاں جوڑ لو وہ جوڑو ہی گی کیا کل ایک دمڑی ہی۔
ایک کی ایک لکھ لو اب دھیلوں پر آؤ ایک اور ایک دو ہوئے مگر دو دھیلوں کا تو ایک پیسہ ہوتا
ہے اس لئے یہاں کچھ نہ رہا ہاں ایک پیسہ جو ہو وہ پائیوں میں جوڑ لو۔ مگر یہ کیونکر معلوم ہوا
کہ دو دھیلوں کا ایک پیسہ ہو گیا۔ اس لئے کہ جو کچھ جمع ہو کر آیا ہے اس کو دو پر تقسیم کیا۔
دو پر کیوں تقسیم کیا اس لئے کہ دو دھیلوں کا پیسہ ہوتا ہے تقسیم کیونکر کیا دو اکن دو غرض
ایک حاصل ہوا اور بچا کچھ بھی نہیں۔ اس لئے خالی نقطے دیدیئے اب ایک پیسہ جو ہاتھ
لگا اس کو پائیوں میں جوڑو گی کس طرح۔ یہ پیسہ وہ پائیاں اس کا ان کا کیا جوڑ برابر
کی چیزیں جمع ہوتی ہیں۔ پیسے پیسوں میں پائیاں پائیوں میں تو اب جو یہ ایک پیسہ جوڑنا
ہے اس کی بھی پائیاں ہی بنا لو تین ہوئیں اب ان کو جوڑو۔ نیچے دیکھو۔ پائیوں کے خانے
پر نظر رکھو۔ تین اور نو بارہ۔ بارہ اور تین پندرہ اور تین اٹھارہ۔ اب اٹھارہ پائیوں کے
آنے بناؤ۔ بارہ پائی کا آنہ اٹھارہ کو بارہ پر تقسیم کر دیا۔ بارہ اکن بارہ چھ باقی بچے ان چھ کو
پائیوں میں لکھو ایک آنہ حاصل ہوا۔ اب اس ایک آنے کو آنوں میں جوڑو۔ ایک اور دو تین
تین اور چھ نو۔ نو اور تین بارہ۔ بارہ اور تین پندرہ یہ پندرہ کے پندرہ

ہی رہے۔ اس لئے آنوں میں پندرہ لکھو۔ آنوں کا کچھ حاصل تو ہوا ہی نہیں۔ یہ روپیوں میں جوڑو فقط روپئے ہی رہ گئے جوڑ لو۔ پانچ اور چار نو۔ نو اور چار تیرہ۔ تیرہ اور دو پندرہ۔ بس روپئے پندرہ ہوئے۔ روپیوں میں لکھدو۔

کل کیا ہوا؟ پندرہ روپئے پندرہ آنے چھ پائی ایک دمڑی۔ لو یہ سب کپڑے کی قیمت ہو گئی۔

(۲۹)

نسیمہ تو خیر بیٹی بھتیجی شاگرد سب ہی کچھ تھی۔ سنجیدہ کی تربیت سے جتنا کچھ بھی ہوتی تھوڑا اور کم۔ وہ بڑھیا ماما کی نواسی جو سچ مچ گستا نگروں کی طرح آئی اور گنواروں کی طرح رہی ایک سنجیدہ کے فیض تربیت سے چند ہی روز میں پتھر سے پارس بنتی۔ سے کندن غرض دیکھتے ہی دیکھتے کچھ سے کچھ ہو گئی۔ شروع شروع میں تو بہت اکڑی اور اکڑنے کی بات ہی تھی۔ آئی تھی یہ سمجھکر نسیمہ برابر کی ہیلی۔ کھیلوں گی اور کھاؤں گی یہاں آکر دیکھا تو صبح سے شام تک کام ہی کام۔ دن رات اسی تاک میں ہی کہ بس چلے تو یہ رسی تڑا تڑا کر ایسی بھاگوں کہ ملنا تو درکنار نام تک نہ لوں مگر ادھر نانی کا آنکس۔ ادھر سنجیدہ کا قبضہ کچھ ایسی پھنسی کہ بہتیرا ہی پھڑ پھڑائی مگر نہ چھوٹنا تھا اور نہ چھوٹی۔ لیکن یہ گھبراہٹ اور بھڑک کچھ ہی دن کی تھی۔ تھوڑے روز بعد روک ٹوک میں کمی کھانا ملا اچھا دل لگ گیا پھر نسیمہ جیسی لڑکی کا ساتھ۔ بات کی تو چمکار کر کام لیا تو پیار سے نواسی کی تو کیفیت ہوئی کہ اس گھر پر پروانہ تھی۔ آٹھویں دسویں پندرھویں بیسویں نانی کی زبردستی ملنے گئی گھڑی آدھ گھڑی بیٹھی اور چلی آئی۔ ہر چند گھر والے کہتے کہ اب آئی ہے تو رات کی رات پڑ رہ نماز دم چلی جائیو مگر اس کا یہ حال تھا باتیں ماں سے کر رہی ہے اور دھیان نسیمہ میں پڑا ہے۔ بے سری بے تکی آئیں بائیں شائیں ادھر ادھر کی ہاں میں ہاں ملائی خیر صلاح خیر و عافیت کہہ سن پوچھ پاچھ اٹھی اور چلتی ہوئی۔

خدا کی شان ماما کی نواسی قلعی گر کی لڑکی اور یہ بھاگ کہ سنجیدہ نسیمہ اپنے ہاتھ سے سر دھلائیں۔ بھلے کے پاس بیٹھے چبائے ناگر پان۔ برے کے پاس بیٹھے کٹائے ناک اور کان۔ وہی نواسی جس کی آنکھوں میں پہلے دن ڈھیروں چیپڑ کتے ایک سال ہی بھر میں ایسی ہو گئی کہ بے جگائے اور بے بلائے سنجیدہ سے پہلے نماز کو اٹھتی اور نسیمہ کے ساتھ قرآن لیکر بیٹھتی۔ خدا کی قدرت یاد آتی تھی۔ جس لڑکی کے ہاتھ کے کوئی چھوٹے ہوئے بیر نہ کھائے آج وہ صرف اچھی صحبت اور تربیت کی بدولت اس قابل ہو گئی کہ جس گھر میں جاتی کی عزت اور جس خاندان میں پہنچ گئی وقعت۔ بڑی بڑی بیویاں اور رئیس زادیاں اس کی خاطر مدارات اور آؤ بھگت کرتیں۔ نواب علی نقی خاں کی بیگم نے ایک دفعہ نہیں بارہا کہلا بھیجا کہ اگر نواسی زیادہ نہیں ایک چار گھنٹہ میری بچی کے پاس آ بیٹھا کرے تو خیر اس کے قابل تو نہیں ہیں مگر پندرہ روپے مہینہ کپڑا۔ جیسا برا بھلا مجھکو میسر ہو روٹی جیسی روکھی سوکھی مجھکو نصیب ہو حاضر ہے مگر نواسی تو پندرہ کیا اگر پندرہ سو بھی کوئی دیتا تو نسیمہ کو چھوڑنے والی نہ تھی۔ اس کی کیفیت تو یہ تھی کہ اگر دم بھر کو بھی نسیمہ ادھر ادھر ہو جاتی تو بالکل بے چین۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دو جوڑواں لڑکیاں ہیں جو کبھی کبھار وہ بھی بڑی مشکل اور زبردستی سے علیحدہ کر دی جاتی ہیں۔ وہی گھر اور وہی گھر کا کام جس میں دونوں پھوپھی بھتیجیاں اور دو ایک ماما دن بھر پلے رہتے اب اکیلی نواسی کے سر تھا اگر یہ کہنا غلط ہے کہ اپنی انگلی سے تو یہ کہنا یقیناً صحیح ہے کہ نواسی کی تعلیم و تربیت کی وجہ سے نسیمہ نے دوسرے سال بالکل ہی ڈھیلی دیدی۔ حساب کا شوق ایسا لگا کہ مہینوں باورچی خانہ میں آکر جھانکتی تک نہیں۔ اگر نواسی سے کچھ بھول چوک ہو بھی گئی تو دور ہی سے بیٹھے بیٹھے حکم دیدیتی یا ہدایت کر دیتی سب سے بڑی جیت یہ تھی کہ نواسی کچھ ایسی بلا کی ذہین واقع ہوئی تھی کہ جو بات نسیمہ کے دل میں ہے وہ نواسی کے منھ پر۔ پھر کیا ضرورت تھی کہ نسیمہ اپنے شوق کو ٹھنڈا اور وقت کو ضائع کر دیتی۔ جو

سیکھنا تھا سیکھ لیا۔ ایسا سیکھا اور اتنا سیکھا کہ نواسی جیسی گنواری کو بیگم بنا دیا۔ بڑی بی بیچاری کے تو فرشتوں کو بھی یہ وہم و گمان نہ تھا کہ یہ نواسی جو دن بھر گلیوں میں ننگے پاؤں اور گھر میں ڈیڑھ ڈیڑھ گز کی پھلانگیں مارتی پھرتی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایسی ہو جائے گی کہ کنبہ بھر میں اس کا شہرہ محلہ بھر میں اس کی دھاک اور شہر بھر میں اس کا چرچا ہوگا۔ ایک وہ وقت تھا کہ جدھر گئی دُر دُر اور جس طرف پہنچی ہٹ ہٹ ایک آج کا دن ہے کہ اپنے تو سر پر بٹھاتے چاہتے آنکھوں پر۔ غیر گھروں تک میں اس کی آؤ بھگت ہو رہی ہے۔

(۴۰)

اس میں کیا کلام ہو سکتا ہے کہ نسیمہ پلی ایسی ماں کے دودھ سے جو مذہب کی زیادہ پابند تو کیا سرے سے نماز ہی کی گنڈے دار تھی مگر بڑی ایسی پھوپھی کی گود میں جو بھلا کچھ نہیں تو رات دن میں ایک بچا سو دفعہ تو خدا کے خوف سے کانپ کر استغفار پڑھتی ہوگی۔ پانچویں برس سے لیکر اور آج تک کون سا ایسا دن گیا کہ اس نے بھتیجی کے سامنے خدا کی عظمت نہ بیان کی ہو اور کون سی ایسی رات گزری کہ ساتھ لیکر لیٹی اور مسئلہ جزا و سزا کے متعلق گفتگو نہ کی ہو۔ ماں کا حال تو خدا ہی جانے مگر اتنا ہم بھی کہیں گے کہ اگر قیاس کوئی چیز ہے تو سنجیدہ اس دنیائے ناپائیدار سے ایسا اسباب اپنے ساتھ لے گئی جو اس آڑے وقت میں جہاں کوئی رفیق و مددگار نہیں۔ اس پر کوئی مصیبت نہ آنے دیگا۔ اگلے زمانے کی کوئی بچی کھچی بڑی بوڑھی رہ گئی ہو تو ہو۔ ورنہ اب ایسی بیویاں بہت کم نظر آئیں گی۔ یہی خوف قیامت جس کو اول دن سے سنتے چلے آئے ہیں۔ اسکے دل میں کچھ ایسا سرایت کر گیا تھا کہ بسا اوقات بیٹھے ہی بیٹھے خیال آیا اور تھرا اُٹھی۔ کچھ ہزاروں لاکھوں کی آمدنی نہیں۔ پچاس ساٹھ روپیہ کا کرایہ شہر کا خرچ بھاری پھر آگے۔ مگر بارہ مہینے دو ایک یتیم بچے ایک آدھ بڑھیا کھڑا ہی رہا۔ غرض کوئی

نہ کوئی اس کے دسترخوان پر ضرور ہوتا۔ بیماروں کی عیادت اپاہجوں کی خدمت محتاجوں
کی مدد۔ غریبوں کی خاطر۔ عورت کیا فرشتہ تھی۔ کھلا کر کھایا پہنا کر پہنا گرمی کے پہاڑ سے
دن اور جمعرات جمعہ کا روزہ جاڑوں کی کٹھن راتیں اور تہجد کی نماز نعمت پر شکر مصیبت
پر صبر سو سے اوپر عمر پائی مگر ایک دن کسی کا دل نہ دکھایا جی تو پھول جھڑے مری تو پھول
پڑے ہے ایسی نیک بیوی جس کی ہوا لگنے سے آدمی انسانیت پکڑے۔ نسیمہ کو جتنا اچھا
اٹھاتی کم تھا۔ یوں تو عذاب الٰہی کا خوف شروع ہی سے اس نے بھتیجی کے دل میں پیدا
کر دیا تھا۔ مگر پانچ برس کی بچی خدا کو کیا جانتی اور کیا پہچانتی۔ ہاں اتنا ضرور ہوا
کہ خدا کی ہستی کا یقین کچھ ایسا تہ نشین ہوتا چلا کہ ذرا نماز کو دیر ہوئی اور گھبرائی
کوئی بھوکا آ نکلا تو ننگے پاؤں کھانا چھوڑ چھاڑ روٹی دینے گئی مصیبت زدہ دکھیاریاں
دور دور سے نسیمہ کا نام سنکر آتیں اور وہ ان کا دکھ سنتی اور ہاتھ سے پاؤں سے روپے
سے پیسے سے جو کچھ ہو سکتا مدد دیتی اور خدمت کرتی۔ امیر کی بچی لاڈ کی پلی کوارپتے کا
زمانہ پہننے اوڑھنے کے دن روپے گز کا پہنتی اور اشرفی تولہ کا کھاتی تو بجا تھا
مگر اس کو تو پیسہ فضول اٹھانا قسم تھا۔ جو پھوپھی نے نہا دیا اور کھلا دیا سر آنکھوں پر
خدا معلوم قدرت کی اس حکمت میں کیا بھید چھپا ہوا تھا کہ کامل دو سال گزر گئے
اور ایک بوند مینہ کی نہ پڑی۔ دونوں برساتیں نکل گئیں۔ ساون بھادوں کے مہینے جھڑیاں
اور موسلا دھار تو در کنار ابر کا ٹکڑا تک نظر نہ آیا کہ کچھ امید ہی بندھتی۔ پہلے سال تو کسان
غریبوں نے جوں توں کھینچ کھانچ کسی نہ کسی طرح کھیتوں میں پانی پہنچایا۔ دوسرے سال ندی
نالے جوہڑ تالاب کوئی بھی اس قابل نہ رہا کہ ان غریبوں کی محنت برباد ہونے پر دو آنسو
گرا دیتا۔ کال پڑا اور ایسا کہ اچھے کھاتے پیتے آدمی دو دو دانوں کو محتاج ہو گئے۔ شہر پر
تو یہ آفت اور شہر والوں پر یہ مصیبت مگر نسیمہ کی ہمسائی بی تکا تر کے یہاں کال
دیکھ کر عید ہو گئی۔ آنکھوں پر رکھی ٹھیکری۔ کیا سچ ہے مرنے کو بھول چار دن کی زندگی۔

گھر بھرنا شروع کیا۔ باپ کے ترکہ کا تین ساڑھے تین ہزار روپیہ نقد موجود تھا۔ رنڈی پونڈی کی چیزیں کوڑیوں کے مول خریدنی شروع کیں۔ اپنی غرض باؤلی ان ظلم و ستم پر بھی مصیبت ماریاں کو سو سو سے آتیں منتیں کرتیں ادھر ادھر پونے آدھی چوتھائی جو دام ملجاتے غنیمت سمجھتیں اور صبر کرتیں خدا کسی پر وقت نہ ڈالے اور غرض نہ اٹکائے۔ چار چار یا پانچ پانچ سیر تانبے کے برتن تین تین چار چار سیر آٹے میں دینے پڑتے۔ غضب یہ تھا کہ کم بخت وہ گنے اور تگنے وعدہ پر کہتی اور چند ہی روز میں آئے گئے کر دیتی۔ کمال یہ تھا کہ حقیقی رشتہ دار شرافت کے اُٹھنے بیٹھنے والے بھوکے مرجائیں چھوٹے چھوٹے بچے سگے بھانجے بھتیجے بلوں بلوں کرتے پھر ہیں اس ناگن کا دل نہ پسیجے کچھ ایسا خدا کا خوف دل سے اُٹھا کہ مزے سے دونوں وقت ڈٹ ڈٹ کر کھاتی اور نہ کھا دکھا کر کھاتی۔

زمانہ کا انقلاب چال کے ساتھ ہی۔ ساون تو میسلر بھی البتہ کورا ہی گیا۔ بھادوں کا تیسرا یا چوتھا روز تھا کہ سہ پہر کے وقت دھواں دھار گھٹا پورب سے اُٹھی ابھی پانی کا پتہ بھی نہ تھا کہ لوگ خوشی کے مارے اُچھل پڑے۔ جو جہاں تھا گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگنے لگا۔

کھوکوں کی زاری خالی نہ گئی مینہ برسنا شروع ہوا۔ وہ برس کا رکا ہوا ابر بھلا دو چار گھنٹے کیا برستا۔ وہ ہوتا ل پڑا کہ جی چھڑوا دیئے۔ صبح ہوتے ہی ذرا تھما تھا ایک گھنٹہ ہی بعد ابر سیاہ نے پھر اندھیرا گھپ کر دیا۔ پھوئیاں پھوئیاں پھوار پڑ رہی تھی اور کالے کالے بادل جھوم جھوم کر آرہے تھے آخر برسا اور کچھ ایسا برسے کہ دن گزرا رات گزری اور دوسرا دن بھی مگر پانی کی رفتار میں کمی نہ ہوئی اونچی اونچی حویلیاں اور پکی پکی محلسرائیں آخر تھیں تو مٹی گارے ہی کی تیسرے دن جا کر ٹپک اُٹھیں۔ رات کو اکا دکا تارے جھلملانے لگے تھے امید تھی کہ اب نہ برسے گا۔ مگر ادھر چھ گھڑی کی توپ چھوٹی اُدھر پھر برسنا شروع ہوا۔ اب پانی نہ تھا طوفان تھا۔ موسلا دھار مینہ اور ہوا کا جھکڑ ایسے ویسے کچے دہلے تو کبھی کے رخصت ہوئے سنگین عمارتیں کچھ ٹھہریں مگر آدھی رات تک وہ بھی چھلنی تھیں۔ چھتیں اور کوٹھے۔ چھجے اور ممٹیاں چاروں طرف سے دھواں دھول آوازیں آ رہی

تھیں۔ ٹکاٹر سے دیوار بیچ ایک یتیم خانہ تھا جس میں استانی جی نے بیس پچیس بے ماں باپ کی لڑکیاں جمع کر لی تھیں جو کچھ ادھر اُدھر سے آ جاتا پکا پکو اُن کے آگے رکھ دیتیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ کسی کو اپنے پیٹ کے بچوں کی مامتا ہو گی تو اتنی ہی جتنی استانی جی کو ان بے وارثوں کی۔ ہزار بارہ سو کا مکان ڈھائی تین سو کا زیور چالیس پچاس کے برتن غرض جو کچھ جمع پونجی تھی وہ سب ان بچیوں کی نذر کر دی۔

ٹکاٹر استانی جی کو داغ دے فرزندی کے بہانے ایک لڑکی کو قبضہ میں لے مٹی پلید کر چکی تھی اور اب ایک اور لینے کی فکر میں تھی۔ استانی غریب ایک ہی کو دیکھ ایسی پچھتائی تھیں کہ جب اس پر چار چوٹ کی مار پڑتی تو ڈاڑھیں مار کر روتیں۔ گوکال نے اوسان بگاڑ دیئے اور ٹکاٹر نے ستم میں کوئی کمی نہ کی مگر صد آفرین استانی جی کو کہ دو دو تین تین وقت بعد اچھی یا بُری جو میسر ہوئی پہلے اُن کے پیٹ میں ڈال دی پھر آپ منہ پر رکھی۔ بیسیوں گالیاں اور پتھر پینے چکیاں پیسیں اور جھتھڑے اوڑھے لیکن ان معصوموں کو کلیجہ سے جدا نہ کیا۔ اس وقت آدھی سے زیادہ رات گزر چکی تھی پانی برابر اسی طرح پڑ رہا تھا اور استانی جی بچیوں کو لئے بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں ٹپکے نے اور بھی دم ناک میں کر دیا بالشت بھر جگہ ایسی تھی جو محفوظ ہو۔ اوڑھنے کو کھیس لینے چراغ لئے کوٹھری میں آئیں۔ دیکھتی ہیں تو بڑی دیوار جس کی کڑیاں ہیں پھولی کھڑی ہے جلدی جلدی چیز بست اٹھا کر لڑکیوں کو لے باہر آئیں پائینتی ہو تو سال اوپر سے آیا بھونچال والا ان اڑاڑا کر نیچے گرا۔ ایک بچی چھجے کے نیچے لیٹی تھی۔ برابر کی دو کڑیاں اوپر آئیں مغز پاش پاش ہو گیا۔ چھ برس کی لڑکی کی بساط ہی کیا۔ جب تک استانی پہنچیں آنکھیں پھیر بچارر خصت ہو گئی۔

کیسا نازک وقت تھا۔ مینہہ کی وہی کیفیت ہوا کی وہی حالت خدا کسی پر وقت نہ ڈالے استانی جی اس شان کی عورت کہ کبھی ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دی۔ بھیگتی بھاگتی کھڑکی پر آئیں اور ٹکاٹر کو آواز دے کر منت سے کہا اتنی اجازت دو کہ ان معصوموں کو لیکر رات کی

رات تمہارے ہاں پڑ رہوں۔ اندھیرے منہ اُٹھ کر نواب صاحب کے یہاں چلی جاؤں گی۔
ٹکا سا سنگدل کیا موم ہونے والی تھی ہنسی اور ہنس کر کہا بیٹھنے کو گھر نہیں کھانے کو ٹکڑا نہیں
پھر یہ لڑکیوں کی حمائل کیوں ڈال رکھی ہے۔ میں نے کتنی منت سے کہا تھا۔ اُستانی جی
ایک لڑکی ہمیں اور دیدو۔ ناک بہوں سکیڑ سیدھی ہولیں۔ میں تو وہی ظالم بیرحم ہوں
ایک لڑکی میرے حوالے کرو شوق سے آجاؤ۔ ایک رات کی جگہ دو رات پڑ رہو۔

اُستانی جی اس وقت لاکھ حاجتمند ہوں مگر ایسی گئی گزری نہ تھیں کہ حاجت کے دب کر
اور ضرورت سے مجبور ہو کر لڑکی دینے کی حامی بھر لیتیں۔ ٹکا سا انکو ملانی بھیک منگنی مردہ شو
فقیرنی کچھ ہی کہے مگر ناداری میں بھی اتنی عزت رکھتی تھیں کہ سردار آباد تک کی رئیس زادیاں
اُن کی تعظیم کو سروقد کھڑی ہوتیں۔ خدا کی شان تھی کہ اس آن بان کی عورت جس نے لکھ پتی
پھوپی کے آگے آج تک ہاتھ نہ پھیلایا ایک ایسی ناہنجار کم بخت کی خوشامدیں کر رہی تھی۔

رات اپنی منزل کا بڑا حصہ طے کر چکی تھی یا دل زور شور سے گرج رہا تھا اور بجلی کی چمک
آنکھوں میں گھسی جاتی تھی۔ ایک ایسی مسلمان بچی کا مردہ جس کا والی وارث سوا خدا کی ذات کے
کوئی نہ تھا۔ کرڑیوں میں دبا پڑا تھا اور چند معصوم لڑکیاں مع اُستانی جی کے صحن میں
کھڑی بھیگ رہی تھیں۔ کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑتی تھی۔ زندہ اور مردہ دونوں کی مٹی
پلید تھی۔ گرانی کے موسم اور ایسے نازک وقت میں سنجیدہ اور نسیمہ دونوں پھوپھی بھتیجیوں کی
ہمدردی پر بے اختیار دل سے آفرین نکلتی ہے۔ یوں تو جس دن سے کال پڑا اور خلق خدا
پر مصیبت کی گھڑی آئی ایک دن بھی ایسا نہ گزرا کہ پھوپھی بھتیجیوں کے دسترخوان سے
دو چار بھوکوں کا پیٹ نہ بھرا ہو۔ سیر بھر آٹا اس وقت سیر بھر اس وقت تو تقسیم خانہ کا مقرر
ہی تھا۔ اس کے علاوہ بھی جب ضرورت ہوئی اور جو موجود ہوا ہنسی خوشی دیا اور بے
منت دیا۔ قرض دام لین دین دنیا میں چلا ہی آتا ہے نسیمہ نے اس کال میں یہ کمال کیا کہ
جسکو دیا اور جو کچھ دیا یہ سمجھ کر دیا اور کہہ دیا کہ واپسی کی ضرورت نہیں نتیجہ یہ ہوا اور ہونا چاہیے تھا

کہ نہ صرف محلہ ہی محلہ میں بلکہ دور دور جہاں صبح اُٹھکر ٹکاتر کا نام لینا لوگ منحوس سمجھتے تھے وہاں ننھے ننھے دلوں تک سے نسیمہ کو دعائیں ملتی تھیں۔ گو ٹکا ترنے دو ڈیڑھ سال میں کئی ہزار کی جائداد کرلی اور نسیمہ پورے چار سو روپے کی پھوپھی کی قرضدار ہوگئی مگر پان سیر چاندی اُٹھا کر وہ خزانہ جمع کرلیا کہ ریاستیں قربان اور سلطنتیں نثار۔ دو دو تین تین وقت کے فاقہ زدہ جس وقت اس کے دروازہ سے پیٹ بھر کر جاتے اور چین سے پڑ کر سوتے تو اگر رات کو بھی آنکھ کھل جاتی تو کہتے الٰہی اس گھر والی کو دنیا جہان کی خوبیاں۔ ان ہی دعاؤں کا اثر تھا کہ نسیمہ ایسی پھلی پھولی کہ خدا سب بیٹیوں کو نصیب کرے۔

مینہ برسنے کی خوشی میں پہلے پہلے تو سب کی طرح وہ بھی شریک تھی مگر جب بارش نے قیامت بپا کردی اور اِدھر اُدھر سے ہولناک آوازیں اور وحشت انگیز خبریں آنے لگیں پڑوسیوں کو دیکھا کہ سب ہی سب پر جان ہی تو گویا اپنا مکان پختہ اور سنگین سب ہی کچھ تھا مگر حق ہمسایہ ماں کا جایا ذرا کہیں سے دھماکے کی آواز آئی اور اس کا کلیجہ دَبک سے ہوا۔ کوٹھے پر کھڑی ایک ایک کی خیر صلاح پوچھ رہی تھی۔ رحیمن سقنی کا گھر پرانا اور الگ کھڑا تھا۔ اس کو بال بچوں سمیت شام ہی سے اپنے ہاں بلالیا تھا۔ خرابی یہ تھی کہ اُستانی جی چار گھر پرے تھیں اور گھر بھی کچھ ایسا پرانا نہ تھا نہ ظاہر گرنے کے کوئی آثار تھے اتفاق کی بات اور ہونی شدنی کہ خاصا اچھا مکان بتاسے کی طرح بیٹھ گیا۔ اُستانی جی کی پریشانی یہاں سے وہاں اور وہاں سے وہاں اس گھر سے اس گھر اور اس گھر سے اس گھر ہوتی ہوتی نسیمہ تک بھی پہنچی۔ سنتے ہی بےچین ہوگئی۔ دیوار پر چڑھ کر آوازیں دیں گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخی مگر پر محلہ اور پھر مینہ کا شور اُستانی جی تو رہیں اس پار برابر کے گھر میں سے بھی کسی نے کروٹ نہ لی۔ مایوس ہوکر چپکی ہوئی ناامید ہو کر نیچے آئی نواسی کو ساتھ لیا۔ لالٹین ہاتھ میں لی اور پھوپھی کو اطلاع دے چلی اُستانی کے ہاں۔ مان لیا کہ سنجیدہ فرشتہ صفت انسان تھی مگر تھی تو انسان ہی نسیمہ کو اس وقت جاتے دیکھ طرح طرح

کے وہم اس کے دل میں آنے لگے۔ سوچا اور سوچ کر بولی۔ بیٹی اس وقت تو جانا ٹھیک نہیں۔
چاروں طرف دیواریں اور کوٹھے پھولے کھڑے ہیں۔ ذرا مینہ تھم جانے دو۔

نسیمہ۔ اے ہے پھوپھی اماں آپنے سنا نہیں مکان گر پڑا۔ عائشہ دب گئی۔
اُستانی جی ایک ایک کی منتیں کر رہی ہیں اور کوئی اتنا نہیں کہ اس مصیبت میں ان کا
ساتھ دے۔ ہمدردی کا وقت تو یہی ہے۔ بیس بائیس دم اس وقت آسمان کے نیچے کھڑے
بھیگ رہے ہیں۔ جبتک یہ ہاتھ پاؤں چلتے ہیں ان سے کام لینا چاہیئے پھر تو شاید ان کو
کیڑے بھی نہ کھائیں۔ عائشہ نگوڑی شاموں شام تو پیالہ لینے آئی ہے۔ پھوپھی اماں مسلمان کا مردہ
ہے اجازت دیدیجئے برقع اوڑھے ہوئے ہوں۔ گئی اور آئی پہنچی اور لائی ۔

اب یہ خدا جانے کہ ہنسی خوشی یا مجبوری لاچاری سنجیدہ خود بھی ساتھ ہوئی مگر
بڑھاپے کی عمر گھٹنوں گھٹنوں پانی ٹخنوں ٹخنوں کیچڑ دو ہی قدم چلی تھی کہ آم کے چھلکے پر
پاؤں رپٹا وہ تو خدا نے یہ خیر کی کہ گھڑونچی ہاتھ میں آگئی نہیں تو بیٹھے بٹھائے مفت کی
پریشانی تھی۔ غرض سنجیدہ کو گھر میں چھوڑ نواسی کو ساتھ لے اُستانی کے ہاں پہنچیں۔ استانی
اور شاگرد سب کے سب کھنڈر میں بیٹھے اللہ اللہ کر رہے تھے نسیمہ کی صورت دیکھتے ہی اُستانی
جی کی آنکھ میں آنسو بھر آئے۔ جوش محبت میں کھڑی ہوگئیں اور صرف یہ الفاظ منہ سے نکلے
"میری بچی میں تیرے قربان"، کڑیاں ہٹا ملبہ سرکایا۔ عائشہ کو نکال اُستانی اور لڑکیوں
کو ساتھ لے اپنے ہاں آئی۔ اپنے ہاتھ سے کمرے میں تین پلنگ دو چارپائیاں بچھا اُن پر
بچھونے کئے اور لاوارث لڑکیوں کو لٹا کر سلادیا۔ صبح ہوتے ہی پانی تھما تو عائشہ
کو اول منزل پہنچایا۔

ناممکن ہے کہ یہ سطریں اس کیفیت کو ظاہر کرسکیں جو اس وقت اُستانی جی کے دل
کی تھی جس دل سے انہوں نے دعائیں دیں اور دکھ پڑی لڑکیوں کی آتمانے یہ سکھ پاکر
جو کچھ کہا وہ الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتا۔ مختصر یہ کہ زندگی ہو تو ایسی دنیا ہے تو یہ دین ہے تو یہ

(۳۱)

رات سدا رہنے والی نہ تھی۔ آئی بھی اور نکل بھی گئی۔ البتہ وہ بات باقی ہے اور کچھ روز تک باقی رہیگی۔ چار روز کی زندگی کے واسطے انسان جو چاہے کرے۔ خدا کی لاٹھی اور بے آواز۔ دیر ہے اندھیر نہیں۔ آج کے تھپے آج ہی نہیں چلتے۔ باپ کی ناؤ آج نہیں کل اور کل نہیں پرسوں ایک دن ڈوبے اور ڈوبے کا ل ختم ہوا اور چوتھے سال تو اللہ کی کچھ ایسی مہربانی ہوئی کہ چھ دھڑی کے گیہوں بک گئے۔ سستا سماں ہوتے ہی وہ تکلیف اور پریشانی سب بھول بسر گئے۔ ہاں نکا تر کا ستم اور نسیمہ کا کرم دلوں پر نقش تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ محلہ والوں نے ملنا جلنا بات چیت نکا تر سے قطعی بند کر دی۔ اس خود غرضی اور نفس پروری کا نتیجہ یہ ہوا کہ زندوں نے جیتے ہی جی اسے مردہ سمجھ لیا۔ دن بھر بیٹھی مکھیاں مارتی اور کوئی آکر جھانکتا تک نہیں آدمی کچھ کہہ کر سیکھتا ہے۔ چاہیئے کہ نکا تر اب تو اپنی حرکتوں سے باز آتی مطلق نہیں۔ یتیم خانہ کی وہ لڑکی معصومن جو قبضہ میں آئی۔ بندر کی بلا طویلہ کے سر۔ محلہ بھر کا غصہ اس غریب پر تھا۔ دوپہر کے وقت ایک روز لڑکی کو بخار چڑھا جاڑوں کے دن تھے۔ دھوپ میں بیٹھی کپکپا رہی تھی۔ نکا تر نے پٹاری منگوائی۔ زبردست کے ٹھینگے بیچ سر۔ اٹھی اور لائی۔ چھ سات برس کی جان بخار میں جلتی۔ پکا پانسیر تانبا ہاتھ میں۔ پاؤں پھسلا اور دھڑام سے گری۔ بیمار کا گرنا تھا کہ نکا تر جھلا کر اٹھی۔ پٹاری کو تو وہیں چھوڑا اور معصومن کا ہاتھ پکڑ کر بیدردی سے گھسیٹتی ہوئی لائی۔ بخار زدہ معصومن کی حسرت آمیز نظریں نکا تر جلاد سے رحم کی ملتجی تھیں اور بے گناہی کا اظہار کر رہی تھیں مار پڑنی شروع ہوئی۔ جب طاقت ضبط نہ رہی تو رو کر کہنے لگی۔ بیگم صاحب اب معاف کر دیجئے پھر کبھی نہیں گراؤں گی یہ تو کہنا ہی فضول ہے کہ بے بس لڑکی کی منت و زاری کا نکا تر پر کیا اثر پڑا۔ جتنا مار سکتی تھی مارا اور مار چکی تو ایک ایسا دھکا دیا کہ اوندھے منہ جا کر تخت پر گری۔ کنپٹی میں کیل چبھی خون کی تللی بندھی۔ سارا چہرہ لہولہان ہو گیا

معصومن سے زیادہ بدنصیب اور کون ہوگا۔ پہلی مصیبت تو یہ آئی کہ ماں چھوٹی ماں کا پکھوا چھوٹا۔ دوسری آفت تقدیر نے یہ ڈہائی کہ پہنچی ایک کٹر کے پاس جس کے دل میں رحم تک کا نام نہیں اور پھنسی ایسی ظالم کے پھندے جس کو خدا سے غرض نہ رسول سے واسطہ بخار۔ بچار پر مار۔ مار پر چوٹ اولاد والی ہوتی تو کلیجہ پکڑ کر بیٹھ جاتی۔ مگر اس کے بھاویں بھی نہیں، معصومن میلی کچیلی اوڑہنی سے آنسو پونچھ باورچی خانہ میں جا لیٹی۔ غنیمت تھا کہ نگاتر اسی پر بس کرتی۔ نہیں۔ مینھی کو اٹھوا مصالحہ پسوایا۔ برتن دہلوائے اور کھانا کھاتے مینھی بڑا ہو یا بچہ تکلیف کا احساس تو ہوتا ہی ہے، معصومن کچھ دیر تک تو باورچی خانے میں پڑے پر سر رکھے ہوئے ہولے ہولے ہائے اللہ ہائے اللہ کرتی رہی اور پھر اپنی مری ہوئی ماں یاد آگئی۔ بخار کی گھبراہٹ چوٹ کی تکلیف خون کی کثرت اس پر ماں کی شفقت کا یاد آنا تھا کہ ننھا سا دل بھر آیا۔ روئی اور رو کر باہر آئی نگاہ اٹھا کر دیکھا تو آسمان چھوٹے چھوٹے تاروں کو اپنی گود میں لئے کھڑا تھا۔ کچھ دیر تک چپکی کھڑی سوچتی رہی اور پھر کہنے لگی "بس اللہ میاں میرے اماں یاد اتم ہی ہو۔ میرا اچھا رات تارد و۔ میرا خون تھما دو۔ اور مجھکو یہاں سے نکلوا دو۔ دیکھو سر میں کیسا درد ہو رہا ہے۔ اللہ میاں اللہ کی قسم بیجا نکلا پڑتا ہے" آدمی غور کرے تو آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جس طرح یہ ایک یا دو یا چند گردش کے مارے زمانہ کے ستائے ہمارے ماتحت ہیں اور ہم اُن پر حاکم ہیں اسی طرح ایک زبردست طاقت ہمارے اوپر بھی حاکم ہے۔ جس وقت نگاتر معصومن کا ہاتھ پکڑ کر لائی ہے اور معصومن نے نگاہ یاس سے نگاتر کو دیکھا ہے گو اس کی نظر اور وہ خود دونوں مجبور و لاچار تھے مگر اس کا دل یہ ضرور کہہ رہا تھا "اے تھوڑی سی دیر کی حاکم میرا تیرا فیصلہ اور انصاف وہ حقیقی مالک کرے گا جو ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے میرا اور تیرا دونوں کا حاکم ہے۔ میں اس وقت بے بس ہوں اور بیکس ہوں ماں میرے ساتھ نہیں باپ میرے پاس نہیں۔ مگر میرا وارث اور حامی ابھی

ایک موجود ہے۔ جو میری بیگناہی اور تیرے ظلم کو دیکھ رہا ہے"

قبولیت کی گھڑی عام آدمیوں کے واسطے کوئی خاص ہو تو ہو مظلوم کے واسطے تو حاکم حقیقی کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ معصومن کی التجا دیکھتے ہوئے دل کی آہ تھی کلیجہ سے نکلی زبان پر آئی زبان سے نکلنے کی دیر تھی آسمان اور زمین دونوں کانپ گئے۔ حاکموں کا حاکم بادشاہوں کا بادشاہ مظلوموں کا والی معصومن کا وارث جس کے حضور میں اتنی دیر گڑگڑائی اس فریاد کو سُن رہا تھا۔

تکاثر کھانا کھا رہی تھی کھا چکی تو آواز دی کہ برتن اُٹھا۔ معصومن سنتے ہی دہر چلی مگر چلا نہ گیا خون بند ہو گیا تھا۔ گر بخار چوں کا توں۔ چکر آیا اور ساتھ ہی اندھیرا۔ گری مگر سنبھلی اتنی دیر میں دو تین آوازیں اور تین چار گھڑکیاں پڑ چکی تھیں۔ گرتی پڑتی پہنچی دسترخوان لپیٹا برتن اُٹھائے اور پھر پڑ رہی۔

تکاثر کی گردن میں گدی کے نیچے پھنسی نہ پھوڑا ایک یوں ہی سا درد تھا دو تین دن سے تھا صبح کو جو اُٹھی تو ذرا جلن معلوم ہوئی۔ سمجھی گرمی دانہ پک گیا۔ مگر جلن زیادہ ہوئی کالے مرہم کا پھایا لگایا السی کی پلٹس باندھی۔ گھی لگا کر پان چپکایا کاشک کی پھریری پھیری۔ مگر وہ یا جیرے برابر دانہ خدا معلوم کس وقت کا تھا کہ گھنٹوں اور گھڑیوں منٹوں اور پلوں بڑھ رہا تھا۔ دوپہر کو کہیں سہ پہر کو کہیں شام کو تو کہیں کا کہیں پہنچا آدھی رات تک تو کچھ سوئی اور کچھ جاگی۔ مگر آدھی کے بعد تو پلک سے پلک جھپکانی حرام تھی۔ منہ اور گردن دونوں سوج کر کپا ہو گئے بڑی مشکلوں اور مصیبتوں سے چیخ پیٹ کر رات کاٹی۔ نماز دم خالہ نانی کو بلوایا۔ چچی پھوپی کو ڈولی بھیجی غرض جس نے دیکھا دم بخود رہ گیا ڈاکٹر جراح حکیم طبیب سب ہی آئے اور گئے۔ مگر تسکین کی کوئی صورت نہ نکلی ایک جیتا آسمان اور ایک نئی زمین تھی جس شخص نے کبھی پیسہ تو پیسہ سوکھی روٹی تک نہ دی ہو بھر بھر مٹھیاں روپے دیر ہی تھی اور ایک ایک کی خوشامدیں کر رہی تھی دنیا بھر کے جتن کر ڈالے مگر آرام اور افاقہ کیا۔ میں سے انیس بھی نہ ہوا۔ کس قیامت کی کھولن اور غضب

کی جلن تھی کہ کسی کروٹ بھی چین نہ پڑتا تھا۔ مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔ دن اسی آفت میں بسر ہوا۔ پھوپھی اور چچی نے تو ڈولی ہی الٹی پھیری۔ البتہ خالہ اور نانی وہ بھی سگی نہیں رشتہ کی آپہنچیں تھیں۔ شام کو وہ بھی چلی گئیں محلہ والے تو پہلے ہی دن رات اسکی جان کو رو رہے تھے بلا واسطے بے غرض تکلیف پہنچاتی تھی۔ کچھ ایسا بغض للہی تھا کہ جبتک دن بھر میں ایک آدہ کو سخت نقصان نہ پہنچالے صبر ہی نہ آتا تھا استانی جی اگلے زمانہ کی عورت تاثر کے ماں کے ساتھ کی کھیلی ہوئی یہ کیفیت سنکر آگئیں مگر ڈھیر پڑہ کر آئیں عصر جاکر گھر پڑھی۔ تیماردار تھی یا خدمت گار نہیں لے دیکر ایک معصوم سو وہ غریب آپ ہی مر رہی تھی مگر پھر بھی سرسے پٹی باندہ جتنا کچھ ہوسکا برابر لگی لپٹی رہی۔

دوسری رات پہلے سے بھی بدتر گزری۔ ایک زخم تھا جس پر کوئی کچو کے دیرہا تھا۔ صبح جراح نے آکر چیرا دیا۔ دوپہر کو بخار چڑہا۔ غفلت شروع ہوئی۔ گھڑی دو گھڑی بعد ہوش آجاتا تھا تو ایسی بلبلاتی تھی کہ سننے والوں تک کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے شام کو بخار ذرا ہلکا ہوا۔ مگر پھوڑے کی تکلیف بدستور تھی۔ پلنگ باہر بچھوا انگنائی میں آکر لیٹی۔ یہ عمر بھر میں پہلا ہی دن ہوگا کہ تاثر ارحم الراحمین کے رحم کی ملتجی تھی اور اس کو یاد کر رہی تھی۔ عشاء کا وقت تھا کہ ایک فقیر نے دروازے پر آکر صدا لگائی۔

سب ٹھاٹھ پڑا رہجائیگا جب لاد چلے گا بنجارا

بیماری کی حالت رات کا وقت مضمون درد انگیز فقیر خوش الحان دفعتہً تاثر کو عاقبت کا خیال بندہا۔ سوچنے لگی کہ بس زندگی کے دن پورے ہوگئے اور ایک دو روز یا دو چار گھڑی دنیا کی ہوا کھا رہی ہوں سے لیا جو لینا تھا اور کر چکی جو کرنا تھا۔

افسوس ہے اس دنیا پر جس کے واسطے اتنا کچھ کیا آخر بیوفا نکلی۔ بچہ بچہ پر ظلم کئے بڑوں بڑوں کو دہوکا دیا۔ آج شہر بھر میں ایک متنفس ایسا نہیں جو مجھ سے خوش ہو یہ اتنی بیبیاں محلہ میں بھری پڑی ہیں مگر ایک تنہا نہیں کہ جھوٹ موٹ تو آکر میری خیر صلاح

پوچھتا مگر کیوں پوچھتا اور کس لئے آتا۔ میں ہوں ہی کس سے پہلی جو میرا خیال کسی کو ہو میرا گور گڑھا ہی کردیں تو بھی اُن کا احسان ۔ ورنہ میں تو اس کی بھی مستحق نہیں۔ افسوس افسوس ناکام جی اور بدنام مری۔ یتیموں کے مال مارے۔ رانڈوں پر ستم کئے۔ معصوم جیسے بچے ماں نہ باپ میرے ہاتھ سے کیسی کیسی بے گناہ پٹیں۔ وقت گزر گیا۔ دن نکل گئے اب اس کی سزا ہے ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں تھی کہ یکایک ایسا معلوم ہوا کہ ایک عظیم الشان مکان میں شادی کا سامان ہے۔ ڈولیوں پر ڈولیاں اتر رہی ہیں مگر آنے والیاں کچھ ایسی سراسیمہ و پریشان کہ باوجود ملاقات اور جان پہچان کے نہ کوئی کسی سے بولتا ہے نہ چالتا۔ تکاثر نے کئی ایک سے پوچھا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے اور یہ کس کا گھر ہے مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ دفعتہً اب کے ایک بڑا سا شخص آیا اور تکاثر کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کو لے چلا۔ اس شخص کی صورت ظاہری تو چنداں خوفناک نہ تھی مگر آواز میں کچھ اس بلا کی دہشت تھی کہ کلیجہ بلیوں اچھل رہا تھا۔ ایک کوٹھری کے قریب لیجا کر اس شخص نے دھمکا کر کہا "چل چل اپنے پھل پا جو بویا وہ کاٹ" کہا اور کچھ ایسا کڑک کر کہا کہ تکاثر کے ہاتھ پاؤں میں رعشہ پڑ گیا۔ کوٹھری کے کواڑ کھل گئے۔ اندھیرا گھپ تھا۔ یہ حالت دیکھکر چاہتی تھی کہ اس شخص کے پاؤں پر سر رکھکر کچھ عرض کرے کوٹھری کے اندر سے ایک سانپ نے ایسی پھنکار ماری کہ بالکل ہی دہل گئی لتنے میں ایک آواز اس کے کان میں آئی جو یہ کہہ رہی تھی۔

"کیوں تکاثر چار دن کی زندگی پر ایسی پھولی کہ اگلے دن کا کبھی خیال نہ آیا۔ تو دن رات دیکھتی تھی کہ تیری ماں بہنیں بھائی کی ڈولیاں اس جگہ چلی آ رہی ہیں۔ مگر تو نے کبھی یہ نہ سوچا کہ ایک دن تجھکو بھی یہاں آنا ہے۔ دیکھ اس کاغذ کو دیکھ تیری ایک ایک گھڑی کا حال اور ایک ایک پل کی کیفیت اس میں لکھی ہوئی ہے۔ ہم نے تجھکو لکھکر اطلاع دی زبانی پیغام بھیجے کہ نادان ابھی کچھ نہیں گیا۔ کچھ کرنا ہے تو اب بھی کرلے ورنہ روئے گی۔ اور پچھتائے گی۔ مگر تیرے کان پر جوں بھی نہ چلی۔ ان خوشیوں میں جو پانی کے

بلبلہ کی طرح زیادہ ٹھہرنے والی نہ تھیں تو ایسی گھسی کہ نکلنے کو جی ہی نہ چاہا وہ تیرے جھوٹے دوست اور خوشامد کرنے والے آج کہاں ہیں؟ اے نمک حرام ہم نے پکار پکار کر کہا کہ سکھ سے جی چین سے رہ خوشی سے رہ اور شوق سے رہ مگر رہنے کو مستقل نہ سمجھ۔ بتا آج تیرے پاس ہمارے لئے کیا کیا سوغاتیں ہیں۔ ہماری محبت پر کبھی تو نے غور کیا۔ تیری خاطر ہم نے سر لئے دنیا کو گلزار بنا دیا۔ کام کاج کو دن دیا سونے کو رات دی۔ جاڑے کے بعد گرمی دی۔ گرمی کے بعد برسات دی۔ طرح طرح کے میوے قسم قسم کے پھل یہ وضع وضع کی نعمتیں کس کے لئے۔ گریبان میں منہ ڈالکر دیکھ ہماری عنایتیں اور مہربانیاں اسی قابل تھیں کہ تو ہمیں کبھی بھولکر بھی یاد نہ کرے۔ دیا ضرورت سے زیادہ کافی سے بڑھ کر بے روک ٹوک دیا۔ جتنا چاہے کہا۔ جتنا چاہے پی جہاں ضرورت ہو جا۔ جدھر مرضی ہو پھر پہن۔ اوڑھ۔ اُٹھ۔ بیٹھ۔ لیٹ۔ سو کہا۔ پی۔ ماری چا نیو کم بخت نکاثر۔ کبھی ہمارے احسان کو احسان نہ سمجھا۔ او احسان فراموش ناگنی ذرا تو سوچ اور غور کر تجھ جیسی ہونا کہ تینتیس چونتیس برس میں ایک وقت ہمارے روبرو سر نہ جھکایا۔ ہم نے اپنی نعمت سے محروم نہ رکھا۔ پیٹ بھرنے کو روٹی دی پہننے کو کپڑا دیا۔ ہاتھ دیئے پاؤں دیئے کان دیئے ناک دی۔ ہمیں مشکل نہ تھا کہ تجھکو اندھا کر دیتے بہرا بنا دیتے۔ تیری جیسی عورتیں تیرے ہی آنکھوں کے سامنے آنکھوں سے اندہی پاؤں سے لنگڑی ہاتھوں سے لولی کانوں سے بہری موجود تھیں۔ کبھی اُن کو دیکھکر بھی تو نے ہماری قدر نہ کی۔ تجھے کبھی یہ بھی نصیب ہوا کہ نیا کپڑا پہنکر ہمارا شکر یہ ادا کرے۔ کبھی یہ نیک توفیق ہوئی کہ اچھا کھا کر ہماری شفقت کو یاد کرے۔ سر اُٹھا اور آنکھ ملا کر بات کر۔ ہم نے تجھکو کہاں کہاں بچایا کس کس جگہ مدد دی۔ کیسے کیسے موقعوں پر تیرا ساتھ دیا۔ تیرے ہی کارن اے نمک حرام صرف تیری خاطر تیری پرورش کی خاطر ماں کو ممتا دی باپ کو پیار دیا بھولی بھولی صورت دی میٹھی میٹھی باتیں دیں کیوں نکاثر اسی لئے نہ کہ جب تو

پل بلا کر بڑی ہوا اور پڑھ بڑھا کر جوان ہوتو ہم کو بالکل ہی بھول جائے بنتیں مان چادریں چڑھا قبروں پر جھاپ پیروں کو پوج۔ اول سے آخر تک اپنے تمام حالات سُن اور تو ہی بتا اب ہم تیرے ساتھ کیا سلوک کریں۔ تجھ سے زیادہ ناعاقبت اندیش کون ہوگا۔ مسافر بنکر گئی گھر والی بنکر بیٹھی۔ پردیس کو وطن سمجھا سرائے میں ڈیرے ڈالے اور اس بات کا کبھی خیال بھی نہ آیا کہ جو کچھ کر رہی ہوں حرف بحرف لکھا جا رہا ہے اور یہ دفتر ایک دن کھلنا ہے۔ کیوں نکاتر کال کے دن مٹھی بھر داتوں کے لالے اور تیرے ہی جیسے مظلوم و معصوم بندے دور سے آس لگا کر تیرے پاس آئیں اور تو منہ پھیرلے دکھیاریاں مصیبت ماریاں بھوکی پیاسی تیرے در پر آکر پڑیں اور تو اُن کا زیور تاکے بیس تیس چالیس چالیس روپے کی رقمیں محنت کی بنائی مصیبت کی جوڑی دس دس پندرہ پندرہ روپے میں ہتھیائیں اور کبھی رحم نہ آیا یتیموں کے مال مارے وقت پڑوں کے زیور چھینے رانڈوں کے دل توڑے بچوں پر ظلم کیا کسی کا مکان دبایا کسی کی دکان اڑائی۔ مگر او بیوقوف وہ سب ہیں تاک کا تھا اور رہا سکا وہیں رہا آج تیرے ساتھ ان میں سے تو کچھ نہیں مگر ہاں مظلوموں کی آہیں اور دکھے ہوئے دلوں کی بد دعائیں تیرے ساتھ ضرور ہیں۔ نکاتر وہ ظلم و ستم اور غرور تمکنت سانس ہی تک کا تھا۔ اب ختم ہوا۔ اب تو ہی ہے اور ان کرتوتوں کا پھل جو کیا وہ بھر، جو بویا وہ کاٹ یاد ہے یا بھول گئی۔ آدھی رات کا وقت پانی کا طوفان اور وہ بن ماں باپ کی بچیاں رات کی رات تیرے گھر پر رہنا چاہیں منتیں کریں خوشامدیں کریں اور تو اس کان سُن اور اس کان اڑادے ان کا کچھ نہیں گیا تو نے اپنی آخرت برباد کرلی وہ دن اور رات کچھ بھی نہ رہا مگر تیرا عمل باقی رہ گیا جس مکان پر اتنا گھمنڈ کیا وہ سدا رہنے والا نہ تھا۔ نکاتر آج اس گھر میں اُلو بول رہے ہیں اور کوئی اتنا نہیں کہ چراغ جلا کر بیٹھ جائے۔ کس برتے پر تتا پانی۔ کس بات پر پھولی اور کیا سمجھکر پھولی جو کچھ کرتی اور جو کچھ دیتی وہ سب تیرا امانت ہوتا اور آج ہم تجھکو تیری امانت دگنی اور تگنی واپس کرتے دیتے اور اتنا دیتے کہ تو خوش ہو جاتی مگر تو تو ہمارے نام سے

ایسی بیزار ہوئی کہ مر گئی اور ہم کو چھوٹوں یاد نہ کیا۔
سمجھ معصومن کے برتاؤ کا نہ بیان ہے آج ہم وہی برتاؤ تیرے ساتھ کریں گے تو نے
اس کو بیٹی کی طرح رکھنے کا وعدہ کیا تھا اور اس کا ننھا سا دل باغ باغ تھا مگر اے
سنگدل تو نے اس کی بڑی مٹی پلید کی اور ذرا سے کلیجے پر بڑے بڑے داغ دیئے۔
اس ایک معمولی سی پھنسی میں تو نے محلہ کا محلہ سر پر اٹھا لیا اور وہ بخار میں بلبلاتی
آفت زدہ بچی جو تیرے حکم پر پانسیر کا بوجھ اٹھا کر لائی صرف پاؤں پھسل جانے پر اس
سزا کے قابل تھی کہ سر لہولہان ہو جائے وہ بھی تو تیری طرح جان رکھتی تھی۔ صرف اتنا فرق
تھا کہ تو زبردست تھی وہ کمزور۔ تو اختیار والی تھی وہ مجبور مگر اس وقت تو ایسی عدالت میں
موجود ہے جہاں کا حاکم تجھ سے زیادہ زبردست اور جس کا فیصلہ دودھ کا دودھ اور پانی کا
پانی ہوگا۔ معصومن کا دل مجروح اس بارہ میں تجھ سے زیادہ پیارا ہے اور یہ اسی
سات برس کی لاوارث بچی اور تیری دست نگر لونڈی کی خاطر ہے کہ تو اس سخت عذاب
میں پڑتی ہے۔ اٹھ اور جو کیا اس کو بھگت۔

آنکھ کھلی تو جنگل تھا نہ میدان خدا تھا نہ فرشتے وہی اپنا گھر ٹوٹے پھوٹے چھلنگے
اور آئے گئے آدمی۔ کلیجہ بلیوں اچھل رہا تھا۔ چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی تھی
بہتیرا چاہتی تھی کہ سنبھلے مگر دل تھا کہ اندر سے بیٹھا جاتا تھا۔ بمشکل تمام رک رک کر اور تھم تھم کر معصومن
کو آواز دی پاس بٹھایا اور خواب کے حالات پر غور کرنے لگی۔ سوچتی ہے تو واقعی بیس
پچیس برس میں مہینہ اور مہینے کا کوئی دن اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی ساعت اور کوئی
گھڑی ایسی نہ گزری کہ سچ مچ نہیں تو جھوٹ موٹ اور واقعی نہیں تو دکھاوے ہی سہی
کبھی تو خدا یاد آیا ہو یا خدا کے خوف سے کوئی کام کیا ہو۔ وہ ڈھائی گھنٹہ تک پڑی
اپنی حالت سوچتی اور افسوس کرتی رہی۔ جس پہلو پر نظر ڈالتی تھی ندامت اور
شرمندگی کے سوا کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ آخر اس نتیجہ پر پہنچی کہ یہ خواب

میرے واسطے غیبی ہدایت ہے۔ میں بہت خوش نصیب ہوں کہ ابھی تمام باتیں میرے اختیار میں ہیں جو کہیں مر گئی ہوتی تو ہمیشہ اسی عذاب میں پڑی سڑا کرتی۔

اگلے پچھلے گناہوں کا دھیان۔ خدائے وحدہٗ لاشریک کی قدرت اور ہستی کا یقین ہونا تھا کہ افسوس و ندامت کے ساتھ بیمار کے چہرہ پر مسکراہٹ آگئی۔ اتنے میں دل نے اندر سے صدا دی کہ غافل یہی وقت توبہ کا ہے منٹ منٹ اور پل پل کا بھروسہ نہیں۔ گو طاقت سے اٹھی مگر اٹھی۔ بیٹھے بیٹھے ہی وضو کیا۔ جانماز بچھوائی اور سجدے میں گر گئی۔ کچھ عمر بھر میں پہلا اتفاق تھا کہ ارحم الراحمین کے حضور میں سچے دل سے پڑی گڑگڑا رہی تھی۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ تک پڑی روتی رہی۔ رو چکی تو اٹھ کر پلنگ پر آئی۔ معصومن کو بلا کر گلے لگایا۔ اپنا قصور معاف کروایا۔

خدا کی قدرت کہو۔ یا اتفاق محض۔ رات کی تکلیف میں زمین آسمان کا فرق تھا صبح ہی اٹھ کر استانی جی کو بلایا۔ روتی ہوئی لپٹی اور جھکتی ہوئی ملی۔ ایک ہزار روپیہ کا نوٹ یتیم خانہ میں دیا۔

انیس بیس کا فرق تو رات ہی کو تھا صبح کو بہتر۔ دوسرے دن اور بہتر ایک ہفتہ ہی بھر میں پھوڑا ایسا ہو گیا کہ گویا تھا ہی نہیں۔

(۳۲)

میرزا ہد نسیمہ کے والد ماجد کچھ ایسے بڈھے تو نہ تھے۔ مگر ہاں تھے سدا کے روگی اور ہمیشہ کے بیمار۔ وہمی اس غضب کے کہ اگر چھینک بھی آگئی تو گھنٹوں کریدتی اندر پر چولہ۔ احتیاط اتنی زیادہ کہ تول کر کھائیں ناپ کر پئیں۔ باوجود اس کے جو تھیا بخار کچھ ایسا ہاتھ دھو کے پیچھے پڑا کہ دلی اور کلکتہ بمبئی اور لکھنو چاروں ہی کھونٹ ٹلا تو پ ڈالی مگر نہ ٹلنا تھا اور نہ ٹلا۔ زاہد جیسا نازک مزاج جس کا آدھ پاؤ دودھ میں جی متلائے بھرے بھرے قدحے اور لبالب پیالے جن کو دیکھ کر دوسروں کو ابکائی آتی مجبوری اور معذوری

غٹ غٹ پی جاتا۔ اس کمبخت زندگی کے کارن سب ہی کچھ کیا۔ مگر جو دوا پی وہ اُلٹی اور جو علاج کیا وہ برعکس ڈہا پخ تو رہ ہی گیا تھا۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ ایک دن صبح کو گرم پانی سے نہا کر چپاتولوں کے دو نوالے کھانے تھے کہ پسلی میں درد شروع ہوا۔ حکیم ڈاکٹر تو میں سب ہی آئے اور گئے مگر درد نے جنبش نہ کی۔ بال بچوں والا شخص کنبہ دار آدمی اور پھر آدمی بھی ایسا کہ پرائی آگ میں کود پڑنے والا۔ شام کو تو عورتوں کا ٹھٹھ کا ٹھٹھ مریض کے سرہانے موجود تھا۔

اُن کے آنے کی غرض دراصل ہمدردی ہو یا محبت لیکن بظاہر تو کچھ تھوڑی سی حماقت ہی تھی۔ دوائی کے یہ نہیں۔ ٹھنڈائی کے یہ نہیں۔ حکیم کے یہ نہیں بلکہ اور اُن کو دیکھ دیکھ کر مریض کو وحشت ہوتی ہو گی۔ اِدہر گھر والوں کا جی الٹتا ہو گا۔ بیمار غریب کو اوّل تو ہوش ہی نہ تھا اور اگر کبھی گھنٹہ دو گھنٹہ بعد لمحہ دو لمحہ کو آنکھیں کھولتا بھی ہو گا تو یہ رنگ برنگ کی صورتیں اور طوفان بے تمیزی دیکھکر اپنے مرنے کا یقین ہو جاتا ہو گا۔ گھروالی عجیب پریشانی میں تھی۔ بیمار کی بیمارداری کرتی یا مہمانوں کی خاطر داری۔ اگر ایسا ہی آنے والوں کا دل پھڑک رہا تھا تو سیدھی سی بات یہ تھی کہ کھانا کھا پی آئے گھنٹہ آدہ گھنٹہ بیٹھ دور سے دیکھ داکھ یا اِدہر اُدہر سے پوچھ پاچھ چلے گئے۔ یہ کس نے بتایا تھا کہ دن بجے کے آئے آئے شام ہو گئی جانے کا نام نہیں۔ پھر یہ کیسی آفت تھی کہ آئیں عیادت کو اور بال بچوں سمیت۔ بچوں کی چیخم دہاڑ۔ عورتوں کی کچر کچر اور بھی آفت تھی۔ بیوی جتنی خدمت چاہیئے تھی سر آنکھوں سے کر رہی تھیں مگر اس کے ساتھ دودھ پیتے بچے کا ایسا اڑنگا لگا ہوا تھا کہ ذرا پاس سے سرکی اور اس نے بلکنا شروع کر دیا۔ سامنے کی چارپائی پر لٹے پڑی رہتی نہ سو جاتا تو اُٹھتی اور پاس آ بیٹھتی۔ ہاں خدمت کا حق ادا کیا تو نسیمہ نے کون کہہ سکتا تھا کہ یہ تیرہ چودہ برس کی بچی باپ کو ماں کی یاد دلا دیگی۔ پہاڑ سی راتیں گھر کا بچہ بچہ سو جائے اور وہ اللہ کی بندی ٹکٹکی باندہے باپ کی صورت دیکھ

رہی تھی۔ تیسری رات دو بجے ہوں گے سنجیدہ نے کہا بیٹی اب تو جا کر ذرا لیٹ جا
میں بیٹھ جاتی ہوں۔

نسیمہ۔ پھوپھی جان اب مجھے لیٹنے کی ضرورت نہیں۔ دنیا میں سب چیزیں
میسر آجائیں گی مگر یہ نعمت گئی تو پھر ہاتھ آنے والی نہیں۔ ابا جان تیرہ چودہ برس تک میری
خدمت کرتے رہے آج میرا فرض ہے کہ اس تکلیف میں ان کا ساتھ دوں۔ پھوپھی جان زندہ
ہوں تو راتیں سینکڑوں آئیں گی۔ یہی نیند ہوگی اور یہی میں مگر ابا جان کہاں اور میں
کہاں جس کے صدقہ میں برسوں راج کیا۔ اگر اس وقت اپنا تھوڑا سا آرام اس کے واسطے
گنوا دوں تو کیا بیجا ہے میرا بس چلے تو میں اپنی جان تک قربان کر دوں۔

پھوپھی۔ توبہ نسیمہ! کیسے بُرے بُرے خیال تمہارے دل میں آتے ہیں۔ انشاء اللہ
صحت ہو جائے گی۔ کمزوری کے مارے غوطے میں پڑے رہتے ہیں۔ بیٹی ایسی باتیں
زبان سے نکالتے تمہیں وہم نہیں آتا۔

نسیمہ۔ ہاں پھوپھی جان! اللہ ابا کی عمر میں برکت دے۔ مگر پھوپھی جان لاکھ آپ
مجھ سے چھپائیں میں بھی تو آخر چھوٹی موٹی بُری بھلی کچھ تو عقل رکھتی ہوں۔ بچہ نہیں
نادان نہیں۔ ہائے پھوپھی جان میرا دل اندر سے کہہ رہا ہے کہ میں باپ سے چھوٹی اور ایسی
چھوٹی کہ سدا کو۔ اب تو آپ ابا جان کو اس گھر میں مہمان ہی سمجھیے۔ کلیجہ اندر سے امڈا
چلا آتا ہے۔ کس قیامت کی رات ہے۔ دیکھیے تو سہی صبح ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ ابھی
دو بجے ہیں۔ میں تو خدا سے التجا کرتی ہوں کہ ابا جان کی بیماری مجھ کو لگ جائے اور یہ اچھے
ہو جائیں۔ اللہ میری دعا قبول کرلے۔ ڈاکٹر کمبخت کو تو دیکھیے کیا منہ بھر کہہ گیا ہے کہ اب علاج بیسود ہے۔

پھوپھی سے یہ کہہ کر جو باپ کی صورت پر نظر ڈالی اور ساتھ ہی اس کی شفقت و محبت کا
خیال آیا تو دل بالکل ہی بے اختیار تھا۔ اس کا تن تن کہہ کر آواز دینا پاس بلانا سر پر
ہاتھ پھیرنا۔ کھلانا پلانا۔ غرض شفقت پدری کا فراق کیا تھا کلیجہ پر تیر لگ رہے تھے۔ کچھ

ایسا جوش آیا کہ جھکی اور جھک کر اپنی آنکھیں باپ کے تلوؤں سے ملیں!

نسیمہ کا رو رو کر آنکھیں ملنا اور بوسہ دینا تھا کہ میر زاہد نے آنکھ کھولی۔ دیکھا تو گھر بھر پڑا سوتا تھا۔ سنجیدہ کی بھی آنکھ لگ گئی تھی۔ نسیمہ کو پاس بلا کر گلے سے لگایا اور آہستہ سے کہا "میری جان میں تو اچھا ہوں تو کیوں دل بھاری کرتی ہے"۔ باپ کے یہ الفاظ تسکین کے بدلے ایک ایسا نشتر تھا جو فوراً ہی دل کے پار ہوگیا۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ہرچند باپ نے سمجھایا اور دلاسا دیا مگر وہ کچھ اس درجہ ناامید ہوئی تھی کہ کسی طرح نہ سنبھلی۔ سنجیدہ سوئی تو کیا خاک تھی۔ تین چار راتوں کی جاگی ہاری تھی۔ گاؤ تکیہ پر سر رکھکر سیدھی کرنے لیٹ گئی تھی۔ ذرا کی ذرا آنکھ جھپکی ہوگی کہ بھتیجی کے رونے کی آواز آئی۔ گھبرا کر اُٹھی اور سٹ پٹا کر دوڑی۔ بھائی کو ہوشیار دیکھکر جان میں جان آئی۔ بھتیجی کو سمجھا بجھا پانی پلایا اور بھائی سے باتیں کرنے لگی۔

میر زاہد کی حالت اس وقت تعجب انگیز تھی یا تو وہ غفلت اور غوطہ کہ گھنٹوں چپکا پڑا ہے آوازوں پر آوازیں دو مگر خبر نہیں یا یہ اطمینان اور ہوش کہ اپنے منہ سے پانی مانگا اُٹھکر بیٹھا۔ گھر کے ایک ایک بچہ کو نام بنام پوچھا۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ اس طرح گزرا ہوگا کہ حالت پھر بگڑی بیٹھی بیٹھے گر گئی۔ آنکھیں پھر گئیں۔ سنجیدہ پان بنا رہی تھی۔ نسیمہ سہارا دئیے بیٹھی تھی۔ بہتیرا سنبھالا مگر جب دیکھا کہ اب میرے بس کا نہیں ہاتھوں پر سر لیکر تکیہ تک لائی۔ ابھی سر تکیہ تک پہنچا بھی نہ تھا کہ میر زاہد کو ہچکی آئی اور بیٹی کے ہاتھوں میں ہمیشہ کو رخصت ہوگیا۔ سنجیدہ نے آکر دیکھا تو بھائی کبھی کا روانہ ہوچکا تھا چیخ مار کر گر پڑی ہوش آیا تو بھتیجی کو گلے لگا کر کیسی بلکی ہے کہ سننے والوں کے دلوں پر چوٹ لگتی تھی۔ نسیمہ کی آنکھ سے باپ کی زندگی میں تو ساون بھادوں کی جھڑیاں تھیں۔ مگر باپ کا دم نکلنا تھا کہ بالکل ہی پتھر ہوگئی۔ آنکھ میں آنسو۔ ٹھنڈا سانس ایک تصویر تھی کہ گم سم بیٹھی ہے۔ پون گھنٹہ اس طرح گزرا ہوگا کہ اُٹھی۔ اُٹھکر کلام اللہ لائی اور باپ کے سرہانے بیٹھکر پڑھنا شروع کیا

رات ختم ہوئی اور موذن نے صدائے اللہ اکبر بلند کی۔ فراق ابدی کا ثبوت باپ کا مردہ آنکھ کے سامنے تھا۔ اذان کی آواز کان میں آتے ہی منھ پر سے کپڑا اٹھایا اور یہ کہکر لپٹ گئی " ابا جان لونڈی سے کچھ خدمت نہ ہو سکی۔

(۳۴)

میرزاہد کو تو خیر مرنا تھا وہ مر گیا۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ نسیمہ کو جیتے جی مردہ بنا گیا سنجیدہ جیسی پھوپھی جس پر سو مائیں قربان جس نے تیرہ چودہ برس تک بھتیجی کی آنکھ تک میلی ہونے دی اس معاملہ میں بالکل مجبور تھی۔ یہ پہاڑ نسیمہ پر ایسا آن کر گرا کہ سنجیدہ کے سر کائے نہ سرکا۔ لاکھ تسلی اور تشفی دیتی۔ مگر میرزاہد کی موت نسیمہ کے لئے ایک ایسا کاری زخم تھا جس نے اندر ہی اندر گھلانا شروع کر دیا۔ پھوپھی کی زبردستی ماں کے کہنے سننے سے برائے نام دسترخوان پر آبیٹھتی۔ مگر جہاں نوالہ توڑا اور باپ کا تصور بندھا۔ بمشکل سے رات دن میں آدھ یا ڈھائی چھٹانک اناج اس کے پیٹ میں جاتا ہوگا۔ دسواں بیسواں۔ چالیسواں سب کچھ ہو گیا۔ میرزاہد کو مرے دو تین مہینے ہونے لگے۔ بیوی اور بہن دونوں رو پیٹ کر صبر کر چکیں مگر نہ درست ہوئی تو حالت نسیمہ کی۔ ذکر ہے تو اسی کا اور فکر ہے تو اسی کا۔ مردوں کی سی صورت یتیموں کی سی حالت۔ پڑی ہے تو چپکی۔ کھڑی ہے تو گم سم۔ بھائی کا صدمہ تو سنجیدہ بھول بسر بھی گئی۔ مگر بھتیجی کی یہ کیفیت اس کے دل پر ہر وقت کچوکے دیتی۔ سب کوشش کر چکی تو استانی جی کو جو چند روز کے واسطے کلکتہ گئی ہوئی تھیں مفصل حال لکھکر ان سے مدد مانگی کہ اگر آ سکیں تو خود آئیں ورنہ لکھکر سمجھائیں۔ استانی جی کچھ ایسے بکھیڑے میں تھیں کہ کئی دفعہ آنے کا ارادہ کیا۔ مگر ہمیشہ کوئی نہ کوئی سبب ایسا ہو گیا کہ نہ نکل سکیں۔ اس وقت جو خط انہوں نے نسیمہ کو لکھا ہے دیکھنے کے قابل ہے۔

" پارۂ جگر نسیمہ بیگم سلمہا۔ دعائے فراواں۔ میر صاحب کی رحلت سے جو صدمہ

تم کو پہنچا مشکل ہے کہ دوسرا آدمی اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کر سکے میں ہرگز اس خیال کی آدمی نہیں ہوں کہ ایک شخص پر مصیبت پڑے اور دوسرے اس کو صبر کی تلقین کرنا محض اپنا فرض سمجھیں صبر ایسی چیز نہیں کہ کسی کے کہنے سننے سے آجائے یا دینے سے مل جائے۔ بلکہ میں تو اس کو ایک قسم کی زیادتی سمجھتی ہوں مرنے والے کی تو جان پر بنی ہوئی ہے اور دیکھنے والے صبر صبر پکار رہے ہیں۔ یہ کہنے کا حق تو اسی معبود حقیقی کو حاصل ہے جو مصیبت پر صبر کرنے والے کو صبر جمیل بیان فرماتا ہے۔ تم کو اس وقت جس قدر صدمہ ہو صحیح۔ اور جتنا غم کرو درست سنجیدہ بہن کے خطوں سے تمہاری حالت معلوم ہوئی۔ وہ اپنی مامتا کے مارے کچھ ہی کہیں مگر میں تو یہ کہتی ہوں کہ یہ حالت جو تمہاری ہوئی بجا ہوئی اور جائز ہوئی اور ہونی چاہیئے تھی۔ کس منہ سے کہوں اور کس دل سے لکھوں کہ صبر کرو۔ وہ تو اپنے وقت ہی سے آئیگا۔ آئیگا اور ضرور آئیگا۔ مگر ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھنا تھا وہ اٹھ گیا محبت اور خوشامد کرنے والے زندہ ہو تو بہتیرے ملیں گے۔ مگر اس دل سے چاہنے والا اب نصیب ہوگا۔ میری رائے میں زندگی کی گراں بہا نعمت ماں باپ کا سایہ ہے اور تم اس گراں بہا نعمت سے محروم ہو گئیں۔ تقدیر نے تم سے ایک بیش بہا چیز چھین لی اور اس طرح چھینی کہ اب کبھی ہاتھ نہ آئے گی۔ میرے خیال میں کنواری کی بڑی کمائی اور میکے کا انمول جہیز یہی دو چیزیں ہیں۔ تم کو تعجب تو ہوگا مگر غور کروگی تو معلوم ہو جائیگا کہ گو ماں باپ جہیز میں نہیں ہوتے مگر ان کی دعائیں بیٹی کے ساتھ ہوتی ہیں۔ نسیمہ بیگم میں سچ کہتی ہوں نہ اب میرزا قبر سے زندہ ہو کر آئینگے نہ ویسی چاہنے والا میسر ہوگا۔ ایسے نقصان پر جس کی تلافی تمہارے کیا کسی کے بس کی نہیں۔ جتنا روؤ تھوڑا ہے۔ تم کو یہ تو معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ ایسی دولت جس کا دنیا میں کوئی بدل نہیں چند روز کی مہمان ہوتی ہے۔ جب مہمان نے رخصت کی ٹھانی تو کچھ ہی کرو اور کتنا ہی روکو سب فضول۔ پھر یہ دم بھر ٹکنے والے نہیں چھوٹے اور ایسے چھوٹے کہ پھر جاہے

دنیا بھر کی خاک چھان ڈالو مگر یہ کہاں نسیمہ بیگم برا نہ ماننا اس وقت رنج اور غم جو کچھ بھی کر رہی ہو اپنے آرام کا ہے۔ محبت آزمانے کا وقت تو وہ تھا کہ جب باپ مرض الموت میں گرفتار اور تمہاری مدد کا محتاج ہو کر پڑا تو تم نے کتنی خدمت کی۔ مجھکو تمہاری سعادتمندی سے امید نہیں یقین ہے کہ وہ شخص جس نے اپنا سکھ چین تم پر سے قربان کر کے تم کو نسن سے نسیمہ بیگم بنایا۔ آخر وقت میں اس طرح رخصت ہوا ہوگا کہ اس کی روح ہمیشہ ہمیشہ تم کو دعائیں دیگی۔ یقین نہیں یقین کامل ہے کہ تم نے باپ کا تھوک بھی صندل کیا ہوگا میں دعوے سے کہتی ہوں کہ پھولوگی پھلوگی اور کبھی اس بات کا پچھتاوا نہ آئیگا کہ باپ کا حق الخدمت ادا نہ ہو سکا۔

مجھکو یہ سنکر خوشی ہوئی کہ باپ کی یاد میں آجتک تمہاری آنکھ سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ میں نہ تم کو منع کرتی ہوں نہ یہ کہتی ہوں کہ زاہد جیسے باپ کو دل سے بھلا دو اور دنیا کے مخمصوں میں ایسی پھنسو کہ مرحوم باپ کا کبھی خیال نہ آئے مگر ہاں اتنا ضرور کہوں گی اور وہ بھی اس لئے کہ ضرورت ہے۔ بیٹی یہ تمام رشتے ختم ہونے والے اور فانی ہیں۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلا رہا ہے اور چلتا رہیگا۔ ذرا سوچنے کی دیر ہے۔ آسانی سے معلوم کر لوگی کہ کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہ ہوا ہے نہ ہوگا جو اس رنج سے بچا ہو۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی۔ یہ صدمے زیادہ ہوتے گئے۔ زندگی کے ساتھ ہی ان واقعات کا دیکھنا اور صدمات کا اٹھانا بھی لازمی سمجھ لو کبھی قبرستان میں جانے کا اتفاق ہو تو دیکھنا بیسیوں اور سینکڑوں ہزاروں اور لاکھوں قبریں ہی قبریں دکھائی دیں گی۔ کچی اور پکی ثابت اور ٹوٹی۔ غرض چپہ چپہ اور کونہ کونہ ان ہی سے پٹا ہوگا آخر یہ کون ہیں؟ کلیجے کے ٹکڑے آنکھوں کے تارے لالوں کے لال یہ وہ چاند سی صورتیں ہیں جو راتوں سینوں پر لوٹی ہیں اور آج جنگل بیابان اندھیرے گھپ میں مٹی اور گارے کے نیچے دبی پڑی ہیں اُن کو کس دل سے رخصت کیا اور کن ہاتھوں سے سلایا وہی دل جس پر اُن کی چند روزہ جدائی سے چھریاں سی چلتی تھیں اُنکو گہری گور میں سلانے اور فراق ابدی پر راضی ہو گیا۔

بیوی دنیا کا یہی دستور ہے کہ ایک سے ایک چھٹتا چلا آیا ہے۔ جس طرح آج ہمارے ماں باپ
ہمکو تن تنہا چھوڑ کر سدھار گئے اسی طرح ایک دن ہمکو بھی اپنے بچوں سے منہ موڑنا ہے۔ یہ
وہ قانون ہے جو بدلنے والا نہیں اور وہ سلسلہ جو کبھی نہ ٹوٹے گا۔ ہم اُن پر رو رہے ہیں
لوگ ہم پر روئیں گے۔ جیسے ہم مرنے والوں پر رو رہے ہیں مرنے والے اپنے پیاروں کو روئے مگر
نہ اُن کے مرنے سے قدرت کے انتظام میں فرق آیا نہ ان کے مرنے سے آئیگا۔ آسمان جیسے
پہلے چھایا ہوا تھا آج بھی چھایا ہوا ہے۔ وہی دن ہیں وہی راتیں ہیں وہی صبح وہی شام مرنے
والے مر گئے اور چلنے والے چلدیے اب ہم ہیں اور دنیا۔ وہی دنیا اور وہی دنیا کے دھندے
مرنے کے ساتھ کون مرتا ہے اگر کہیں مردوں کے ساتھ زندہ بھی دفن ہوتے تو دنیا کے کام ہی
چوپٹ ہو جاتے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مرنے والا کیسا مرا۔ گیا تو کیا کر کے گیا اور چلا تو
کیا لیکے چلا۔ میرزا ہد خدا بخشے مجھ سے آٹھ برس چھوٹے تھے میں ہٹی کٹی بیٹھی ہوں اور
اُنہوں نے جنگل جا بسایا۔ گو اُنکی عمر مرنے کی نہ تھی مگر پھر بھی اُنکو جو کچھ کرنا تھا اگر سب
نہیں تو بہت کچھ کر گئے۔ بیٹا بیاہا بیٹی بیاہی۔ بیٹی کے بچے دیکھے۔ بیٹے کی دلہن دیکھی۔ رہے تو ایسے
رہے کہ واہ واہ اور سبحان اللہ اور گئے تو ایسے گئے کہ تم تو بیٹی ہو غیر بھی آجتک رو رہی ہوں
ان کو نہیں رو رہی بلکہ اپنی غرض کو کیونکہ محلہ میں کوئی اتنا نہیں دکھائی دیتا۔ بیٹی پیاری اُنکو
تو جو کچھ کرنا تھا وہ کر گئے اور اچھا کر گئے۔ تم کو جو کچھ کرنا ہے اس پر بھی تو نظر ڈالو۔ ورنہ دنیا
میں آنے کی غرض کیسی گزری ہوئی۔ جانتی ہو کیا کرنا ہے؟ اتنا تو تم کو معلوم ہے کہ تمہاری
زندگی سے کارخانہ قدرت کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اگر فائدہ پہنچ سکتا ہے تو
تمہارے اپنے بہن بھائیوں کو تمہارے ہی جیسے آدمی کو تمہارے ہی جیسے اللہ کے بندوں کو
محتاجوں کی خدمت، حاجتمندوں کی مدد، ستم رسیدوں کا ساتھ، بے زاروں کا پاس، بڑوں کی
تعظیم چھوٹوں سے سلوک یہ کام ہیں جن کے واسطے تم بنائی گئیں تاکہ آدمی اور جانور میں
جسکا جو کچھ حق تمہارے ذمہ مقرر ہو گیا اس کو پورا کرو۔ بیٹی زندگی کا مزا تو جب ہی ہے ورنہ جینا

فضول اور بیکار رہنا۔ تم نے تو ابھی عمر کی پہلی منزل بھی طے نہیں کی۔ حالانکہ پہنچنا بہت دور ہے ابھی تو آگے چلکر دیکھنا کہ کیسے کیسے ندی اور نالے پھلانگنے پہاڑ اور گھاٹیاں اترنی پڑتی ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ بڑی بڑی ٹکروں اور سخت سخت مصیبتوں کے واسطے تیار ہو۔ اگر آج ہی ہمت پست کر دوگی اور جی ہار دوگی تو یہ عمر کس طرح کاٹے کٹیگی۔ یہ بیڑا کیونکر پار ہوگا اور یہ منزل کس طرح پوری ہوگی۔ نسیمہ بیگم تم کو چند بندوں کی پرورش کرنی ہے اور ایک گھر کا مالک بننا ہے تم ابھی سے کندھا ڈالوگی تو اس کے یہ معنی ہیں کہ تم یہ کوشش کرتی ہو کہ قدرت کے انتظام میں ردوبدل کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ چن لو۔ بیٹی یہ تو ہونا نہیں پھر کیوں کہکر بدنام اور کر کے شرمندہ ہوئیں۔ یہ انتظام میرے تمہارے دو ہاتھ دو پاؤں والے آدمی کے کام نہیں بلکہ ایک زبردست احکم الحاکمین کے احکام ہیں۔ کس کی مجال ہے کہ دم مارے اور اس کے فیصلہ پر چین بجبیں ہو۔ میں مسلمان کے ہاں پیدا ہوئی اب بھی مسلمان ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ مسلمان مروں۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ ہم سب اپنا وقت پورا کر کے ایک بڑے دربار میں اس غرض سے حاضر ہونگے کہ زندگی میں جو غفلت کی اس کی جوابدہی کریں۔ ممکن ہے میری رائے صحیح نہ ہو لیکن میں تو زندگی کا حصل یہ سمجھتی ہوں کہ جس وقت دنیائے ناپائدار کو خیرباد کہوں تو جس طرح تم اپنے باپ کو رو رہی ہو دنیا مجھکو اس طرح روئے اور میں جو دنیا میں روتی ہوئی داخل ہوئی ہنستی ہوئی رخصت ہوں۔

اب میں اس نتیجہ پر پہنچتی ہوں کہ جب زندگی کا مقصود خدا اور اس کے بندوں کی رضامندی ہے تو کس کا صدمہ اور کس کا رنج جو حال ہے وہ اچھا جو وقت ہے وہ خوب باپ کی محبت رنج و غم سے ظاہر نہیں ہو سکتی۔ سچی ہو تو وہ باپ جس کا دن رات تمہاری صورت دیکھتے گزرتا تھا اور آج تمہاری مدد کا محتاج ہے اس کی خدمت کرو۔ خیرات کرو۔ قرآن پڑھو وہ بھی تو سمجھے کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ مجھے میاں احمد مرحوم کا حال اچھی طرح معلوم ہے جس طرح انہوں نے دنیا میں کسی کا دل نہ توڑا ان کا خالق حقیقی ان کا دل نہ توڑیگا۔ مگر وہ تو جیسی

گزارنی تھی گزار گئے۔ لیکن تم کو ابھی بہت سی گزارنی ہے۔ نسیمہ بیگم سب سے زیادہ اس کا لحاظ کرو اور یہ سمجھو کہ دنیا نے ناپائیدار کی کسی حالت کو قرار نہیں کوشش یہ ہو کہ جب تک زندگی ہے۔ عزیز اقارب محلہ پڑوس اپنے ہوں یا غیر رشتہ دار ہوں یا جان پہچان کسی کو تکلیف نہ پہنچے اور جب روانگی کا وقت ہو تو دربار حقیقی میں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

(۴۴)

استانی جی کا خط ایک نشتر تھا جس نے صبح ہی صبح نسیمہ کے پکے پھوڑے کو چھیڑ دیا۔ مواد بھرا ہی ہوا تھا ہاتھ لگانے کی دیر تھی پڑھتے ہی بے اختیار ہو گئی اندر کے کمرے میں جا لگی پھوٹ پھوٹ کر رونے۔ کہیں دو ڈھائی گھنٹے بعد جا کر ہچکی تھمی تھی تو سوچنے لگی کہ سچ تو ہے جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب اس رونے دھونے اور فکر و رنج سے کیا حاصل۔ کیا کروں ہر چند دل کو سمجھاتی ہوں مگر کسی خیال سے تسکین نہیں ہوتی۔ یہ صحیح ہے کہ کوئی میں انوکھی بیٹی تھوڑی ہوں اور کچھ میرے ہی سر سے باپ کا سایہ نیا نہیں اٹھا دنیا جہاں میں یہی ہوتا آیا ہے۔ خدا کی مرضی یہی تھی پوری ہوئی۔ اب میں قدرت کے انتظام میں دخل دینے والی کون۔ استانی جی نے کیسی اچھی بات لکھی ہے کہ خیرات کرو۔ قرآن پڑھو۔ باپ کی محبت ہے تو ثواب پہنچاؤ۔ مجھے اس کی تعمیل میں تو عذر نہیں۔ مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ بزرگوں سے بھی سنا کتابوں میں بھی پڑھا کہ مرنے کو ثواب پہنچتا ہے آخر یہ کس طرح۔ پھوپھی اماں سے چلکر پوچھوں۔

نسیمہ کو خبر ہو یا نہ ہو مگر یہ خط اصل میں سنجیدہ اور استانی جی کی ملی بھگت تھی ڈاکئے کا آکر آواز دینا تھا کہ وہ اندر بیٹھی بیٹھی باہر آئی۔ کن انکھیوں سے پتہ پڑھا اور لفافہ کی صورت دیکھتے ہی خط کا مضمون بھانپ گئی۔ نسیمہ مسئلہ ثواب کو دریافت کرنے آئی تو اس نے اس طرح جواب دینا شروع کیا

تم جانتی ہو باری تعالیٰ خود تو کسی بندے کی عنایت یا عبادت کا محتاج

ہے نہیں۔ خیرات و زکوٰۃ مقرر کرنے کی غرض صرف یہ ہے کہ حاجتمند اس بہانہ سے اپنی حاجتیں رفع کریں جس طرح مالداروں کی ضرورتیں بہ آسانی پوری ہوتی ہیں۔ اسی طرح مفلسوں کی بھی اٹکی نہ رہیں۔ اور وہ لوگ جن کے پاس ضرورت سے زیادہ ہے۔ دوسروں کی ضرورت کا بھی لحاظ کریں۔ اسی واسطے سب سے پہلے عزیز اقارب کی خدمت ہے تاکہ وہ غیروں کے دست نگر نہ ہوں۔ ہر شخص کے اوپر دنیا میں دو قسم کے حق ہیں ایک خدا کا جس کو حقوق اللہ کہتے ہیں اور ایک بندوں کا جسے حقوق العباد کہتے ہیں۔ میں پہلے بھی ایک دفعہ تم کو بتا چکی ہوں لیکن آج اس مسئلہ پر مفصل گفتگو کرتی ہوں تاکہ مسئلہ ثواب تمہاری سمجھ میں آجائے یوں سمجھو کہ ایک اپاہج کو کوئی ضرورت پیش آئی۔ قدرت نے اس کو ان ذرائع سے محروم کر دیا جو اس کی ضرورت پوری ہونے میں مددگار ہوتے اب اس کی ضرورت کا حق اس کے ہم جنسوں پر ہے۔ ایک شخص کو رحم آیا اور وہ مدد کرنے پر آمادہ ہوا۔ مگر چونکہ اس حق میں جو اس پر ہے تمام انسان شریک ہیں اور صرف ایک شخص اس حق کو محض ہمدردی کے طور پر ادا کرنا چاہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ انسانیت متقاضی ہے اس بات کی کہ میں اس کی امداد کروں۔ جہاں تک امکان میں ہے مدد دی اور یہ چاہا کہ اس کا ثواب میرے کسی عزیز کو ملے۔ اب یہ خیال کہ دینے والے نے ایک روٹی دی اور مرنے والوں کو بھی روٹی ہی پہنچی ٹھیک سا نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن اپاہج کی خدمت رضائے الٰہی کا سبب ہوا اور جب خدا کی رضامندی حاصل ہوئی تو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ وہ دینے والے کی خواہش پوری کرے اور اس کے اس عزیز کی جو ہر قسم کی مدد کا محتاج ہے۔ اپنی رحمت سے اعانت کرے اور یہ ناچیز تحفہ کسی دوسری صورت میں اس تک پہنچا دے۔

(۳۵)

جس طرح برف کی ساری سل گھل گھلا کر آخر کار پانی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح رنج اور صدمہ تحلیل ہوتے ہوتے ایک نشان سا باقی رہ جاتا ہے۔ استانی جی کا خط پھوپھی کی تلقین نسیمہ

کو کچھ ایسی تسکین ہوئی کہ بظاہر غم کے کوئی آثار اس کے چہرہ سے نہ معلوم ہوتے تھے۔ البتہ صبح شام دونوں وقت دو پارے قرآن شریف دو آدمیوں کا کھانا بلا ناغہ بانگے نام پہنچوا دیتی۔ اگر کوئی مستقل فرق حالت میں ہوا تو صرف یہ کہ مونس ہمراز رفیق دمساز گڑیا یا ہمجولیاں جو کچھ بھی تھیں وہ کتابیں غرض معلومات مذہب میں جو تھوڑی بہت کمی تھی وہ اس طرح پوری ہوئی۔

نسیمہ کے سگھڑاپے اور سلیقہ شعاری کی دھاک تو گھر اور محلہ کیا کنبہ اور شہر میں کبھی کی بندھ چکی تھی۔ چودھویں برس ہی ہر طرف سے شادی کے چرچے ہونے لگے۔ بڑی بڑی رئیس زادیوں اور امیرزادیوں کو نسیمہ کے لانے کا ارمان تھا اور ایمان کی بات بھی یہ ہے کہ دلہن بھاگ اس گھر کے جس میں نسیمہ دلہن بنکر پہنچے۔

ایک دو نہیں بڑے بڑے گھرانوں کی بیویاں سینکڑوں ہزاروں کی جائداد لکھنے کو تیار تھیں۔ ادھر منجھلی کے سسرال والوں نے مارے تقاضوں کے ناک میں دم کر رکھا تھا گو سنجیدہ نے کئی دفعہ کھلم کھلا صاف جواب دیدیا۔ مگر کچھ عجیب قسم کے لوگ تھے کہ گھر کی مٹی لے ڈالی سنجیدہ کا انکار اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ پردیس میں بیٹی دینا گناہ سمجھتی ہو لڑکے کے گن ہی اس قابل نہ تھے کہ نسیمہ جیسی بیوی کا خاوند ہوتا۔ روپیہ کی افراط ضرور تھی مگر سنجیدہ اس کی بھوکی نہ تھی سو عیبوں کا عیب اور ہزاروں نقصوں کا نقص یہ تھا کہ صاحبزادہ کی کل علمیت اردو کی دو چار کتابیں تھیں۔ ایسی جگہ تو لوگ اگر آنکھیں بچھاتے اور سونا لٹاتے تو سنجیدہ بیٹی دینے والی نہ تھی۔ جن صفتوں کا لڑکا اسے مطلوب تھا وہ علانیہ کہہ چکی تھی۔ اس پر منجھلی والوں کا اصرار بالکل بے سود اور قطعی بیکار تھا۔ مجبوراً ایک دن صاف کہدیا۔ بیوی مجھکو کیوں پریشان کیا۔ کئی دفعہ کہہ چکی کہ مجھکو روپیہ پیسہ نہیں چاہیے میں تو صرف لڑکا پڑھا لکھا چاہتی ہوں۔

(پیغام والی) تو پھر بیگم بگڑتی کیوں ہو۔ کس برتے پر یہ شوشاں ایسے لڑکے میں

کیا لال لگے ہوئے ہیں علم علم۔ علم نہ ہوا میرزا کوڑا کا تام جھام ہوا۔ اسکا امتحان پاس ہے ڈھیلا کا
امتحان پاس ہو۔ بس تو اصل نسل ہڈی تو کچھ چیز ہی نہ رہی۔ تقدیر میں نوکری نہیں
تو پاس کو بیٹھی چاٹا کرنا۔ بڑے بڑے پاس والے جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں اور کوئی
بات تک نہیں پوچھتا۔

مشاطہ تو خدا معلوم کیسی جلی اور کب کی بھری ہوئی تھی کہ گھر چڑھ کر آئی اور سر چڑھ کر لڑی
اتفاق سے نند بھاوجیں دونوں ہی بیٹھی تھیں اور بھاوج کو تو غصہ بھی آ چلا تھا مگر سنجیدہ بھاری
بھرکم تجربہ کار عورت ہوں نہ کرنے دی۔ جانتی تھی کہ اس کے منہ لگنا پرلے سرے کی بے وقوفی
اور حد درجہ کی نادانی ہے۔ کیوں اندھا نیوتا اور کیوں دو بلائے۔ ایسی گھنی سادی کہ خبر ہی
نہیں یہ کہہ کس کو رہی ہے۔ بڑھیا کچھ دیر تک تو اس توقع پر کہ شاید کچھ جواب ملے منہ تکتی رہی مگر
جب دیکھا کہ یہاں کسی کے کان پر جوں بھی نہ چلی تو برقع سر پہ ڈال سیدھی ہولی۔

اتنے بڑے شہر میں لڑکوں کی کیا کمی۔ مگر انٹرنس پاس سو روپیہ کی مستقل آمدنی یہ دو بخیں
ایسی تھیں کہ سال پورا ہونے آیا اور ایک بات ڈھنگ کی نہ جڑی۔ پیغام بیسیوں آئے مگر
جو آیا وہ بے تکا۔ مالدار ہیں تو جاہل پڑھے لکھے ہیں تو مفلس داشت کرنے کو تنکا تک نہیں
دولت پور کے رئیس کا نام سنکر تو ماں کے منہ میں پانی بھر آیا اور منہ سے کہا بھی مگر سنجیدہ
کچھ ایسی مستقل مزاج آدمی تھی کہ جو ایک دفعہ منہ سے نکل گیا آخر تک اس پر اڑی رہی۔

میرزا احمد مرحوم کے چچا زاد بھائی کا لڑکا قسیم تیورس کے سال بی۔ اے میں کامیاب
ہو چکا ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات بچپن ہی سے کچھ ایسا سیدھا اور نیک واقع ہوا تھا
کہ تمام جھگڑوں سے الگ تھلگ مدرسہ اور کتاب دو کے سوا تیسری چیز سے واسطہ ہی
نہ تھا چودھویں برس میں انٹرنس کیا سولھویں میں ایف۔ اے۔ اٹھارویں میں بی۔ اے۔
نتیجہ کا نکلنا تھا کہ نائب تحصیلداری میں نام درج ہو گیا اور اس سال مستقل جگہ مل گئی
سنجیدہ کی نگاہ تو قسیم پر کبھی کی پڑ چکی تھی خصوصاً تقریب عید دو اسے روز تو وہ دیکھ کر بالکل

لٹو ہو گئی کہ بکرا ذبح کرنے کے واسطے کنبہ ہی بھر نے زور لگایا مگر اس نے اپنے ہاتھ سے چھری نہ پھیری
کسی نے مرتد کسی نے کافر کسی نے لڑکی کسی نے بزدل۔ غرض جو جس کے منہ میں آیا سب ہی
کچھ بنایا مگر ذبح کرنا تو درکنار وہ ذبح کے وقت کھڑا نہ ہو سکا۔

چونکہ سنجیدہ کا مذہب بھی تقریباً یہی تھا۔ اس لئے قسیم کی عزت تو اس کی نگاہ
میں مروت سے تھی۔ جب وہ کچھ بھی نہ تھا۔ اب تو بی۔ اے اور نائب تحصیلدار چپڑی اور
دو دو۔ مگر بیٹی کی ماں تھی کیا مجال جو اشارۃً یا کنایۃً کبھی کسی کے آگے زبان پر لائی ہو۔
ادھر قسیم کی ماں نسیمہ کا انتظام خانہ داری اور اس کے خیالات سُن سُن کر سو جان سے
عاشق تھی۔ گو زبان پر نہ لائی مگر دل میں کہہ چکی تھی کہ اگر جان میں جان ہے تو بھابی جان
سے بیٹی لوں اور لوں۔ سنجیدہ کی شرطیں اس کے کان تک پہلے ہی پہنچ چکی تھیں اور
اب تک اس کی خموشی غفلت نہ تھی بلکہ بیٹے کی نوکری کا انتظار۔ نائب تحصیلدار ہونا تھا
کہ وہ ایک روز پانچ روپے کی مٹھائی ساتھ لے صبح کی نماز سے فراغت پا سنجیدہ کے ہاں آن اتری
نسیمہ تو سنتے ہی کمرے میں چلی گئی چبوترے پر دونوں گلے ملیں اور دالان میں آ کر ہنستی ہوئی بیٹھیں

سنجیدہ۔ آج کدھر رستہ بھول گئیں۔ غنیمت ہے کہ ملنے کو تو جی چاہا۔ میں تو ایک
ایک سے خیر صلاح پوچھتی تھی۔

قسیم کی ماں۔ جی بجا ہے۔ دل چاہتا تھا تو میں ایسی کون سی ہزاروں کوس
تھی۔ بچی اچھی ہے۔

سنجیدہ۔ ہاں خدا کا شکر ہے۔ آپ کی دعا سے اچھی طرح ہے۔

قسیم کی ماں۔ میرے آنے کی شرم میرے بڑے ہے جونڈرے کی لاج تمہارے ہاتھ
ہے فقط ملنے ہی نہیں آئی۔ غرض لیکر آئی ہوں قسیم کے عیوب اپنے دامن میں چھپاؤ
اور اس کو غلامی میں قبول کرو۔ میں ہوں تو چھوٹی سی آدمی مگر یہ وعدہ کرتی ہوں کہ
جب تک زندہ ہوں پاؤں دھو دھو کر پیوں گی۔ زور نہیں زبردستی نہیں مگر یہ ارمان قبر میں ساتھ لیجاؤنگی

میرا دل نہ توڑنا۔ لاؤ لپیٹ کی باتیں تو مجھے آتی نہیں۔ تین ہزار روپیہ اسی نام کا ابتک میں نے
الگ کیا ہی وہ حاضر ہے۔ یہی جوڑا چڑھا دا سمجھ لو۔ مردہ بنکر آئی ہوں زندہ بنا کر بھیجو۔
میری طرف دیکھو اپنی طرف نہ دیکھو۔ آپا جان ہنسی کی بات نہیں ہی۔ مجھے ہنسی میں نہ اڑاؤ
چھوٹا منہ بڑی بات تو ضرور ہی مگر دروازہ پر آئی ہوں خالی نہ جاؤں گی۔
سنجیدہ۔ ادہر کا خیال تم کو کہاں سے پیدا ہوا۔ کیوں زربفت میں گاڑھے کا
پیوند لگاتی ہو۔ کس بل پر ہاں کروں۔ روپیہ پیسہ۔ ہنر سلیقہ شکل صورت کچھ بھی تو نہیں
کیوں مجھکو کہکر شرمندہ کرتی ہو۔ غریبوں کی کھپت تو غریبوں میں ٹھیک ہوتی ہی قسیم اللہ
اس کی عمر دراز کرے اور تمہارا کلیجہ ٹھنڈا رکھے۔ جیسے تمہارا بچہ ویسے میرا مگر کیا کروں عقل
کام نہیں کرتی۔ خیر ابھی انکار اقرار تو کچھ کرتی نہیں ہاں اتنی مہلت دو کہ اس کی ماں کا
بھی عندیہ لے لوں۔

بظاہر تو سنجیدہ نے پانی کے آگے خوب پاڑ باندھی مگر دل کی کیفیت یہ تھی کہ قسیم
کا نام سنتے ہی سوکھے دہانوں میں پانی پڑ گیا۔ قسیم کی ماں کیسی ہی سیدہی اور بھولی
کیوں نہ ہو۔ ایسی بچہ بھی نہ تھی کہ معاملہ ادہر نہ اُدہر اُدہر میں ڈال چلتی ہوتی۔ سنجیدہ
کی گفتگو سنکر پہلے تو ہنسی اور پھر کہنے لگی۔

بھابی جان کا عندیہ کیا۔ اصل عندیہ تو تمہارا ہی۔ جہاں تم راضی ہو وہاں وہ خوش
اور اگر خیر اُن ہی بردار دمدار ہی تو وہ کون سے کالے کوسوں ہیں۔ جانا بڑی بی ذرا
بلانا۔ کل پندرہ دن کی چھٹی ہے۔ جس میں سے آج تین دن تو ہو ہی گئے۔ ان
ہی بارہ دن میں سب کچھ کرنا دہرنا ہی۔ اچھی مہلت مانگی۔

قیاس تو یہی کہتا ہی کہ سنجیدہ ایسی جلدی ہاں کرنے والی نہ تھی۔ اور اگر قسیم کی ماں غیر ہوتی
تو یقیناً برقعے پھٹتے اور جوتیاں ٹوٹتیں۔ گو اپنی کرنی میں اس وقت بھی کسر نہ رکھی اور ہر چند
چاہا کہ کسی طرح اس وقت ٹالدے۔ مگر قسیم کی ماں برابر کی سہیلی اور قریب کا رشتہ

ان مٹالے بالوں میں کیا آنے والی تھی صبح کی نماز پڑھ کر آئی اور ظہر کے بعد ہاں کروا کر اٹھی شادی کیا ہتیلی پر سرسوں جمانی تھی کہ اس پیر کو بات ٹھہری اگلے پیر کو ماچق بتنگل کو برات بدھ کی وداع سنجیدہ کے دور اندیش اور سمجھدار ہونے سے انکار نہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اگر نسیمہ چاہتی تو سنجیدہ ہی کے ہاتھوں اشرفیاں مٹی کروا دیتی۔ ایک کاٹ کیا تڑہی میں جس کو کوئی کوڑیوں کے مول نہ پوچھتا دو چار سو روپے اُٹھ جانے کوئی بڑی بات نہ تھے اور سچ یہ ہے کہ سنجیدہ جھکی ہوئی بھی اس طرف تھی کہ تھوڑی بہت برات کی سوبھا ہو جائے مگر نسیمہ نے پھوپی سے صاف صاف کہہ دیا کہ لمبی لمبی کشتیاں اور چکلے پٹکلے خوان بڑی بڑی گھڑونچیاں اور بھاری بھاری لگن سوا اس کے کہ گلگرا آتا ہوں اور کس کام کے۔ ہاں تانبے کے برتنوں کا مضائقہ نہیں وہ بھی ضرورت کے موافق اور حیثیت کے لائق یہ نہیں جو چیز نکلی تار بندہ گیا۔ برتنوں کی حمائل تھوڑی ڈالنی ہے۔

یوں تو جس دن سے بھتیجی بیٹی بنی اسی دن سے گلہری کے گودڑ کی طرح ایک ایک چیز سنجیدہ نے سینت سینت کر رکھنی شروع کر دی تھی۔ مگر لکڑی کی چیزیں اس خیال سے کہ زیادہ دن ہو کر بے آب معلوم ہوں ابھی نہ لی تھیں۔ لیکن نقد پانسو روپے اس کام کے لئے الگ رکھ چھوڑے تھے۔ نسیمہ کا یہ حال دیکھ کر اس کو کیا غرض پڑی تھی کہ گرد سے اٹھاتی اور بیوقوف بنتی سو سوا سو روپے میں لگن گھڑونچی کر کرا کورے چار سو بچا لئے۔

جوڑوں کا ذکر آیا تو نواسی کی معرفت پھوپھی کے کان میں بات ڈلوا دی کہ وہاں بھی کہلا بھیجئے۔ چوتھی کا جوڑا نہ کارچوبی چاہیئے نہ مصالحہ سے لیا۔ گوٹے ٹھپے میں زیادہ رقم لگانا روپیہ کے چار آنے کرنے ہیں۔ اس کے بدلے زیور میں ایک چیز بڑھ جائے تو بہت اچھا۔ بیٹے والوں کا کیا ہرج تھا جوڑا معمولی کر کے سہارے بڑھا دیئے بھتیجی کا عندیہ دیکھ پھوپھی نے بھی دولھا کا جوڑا القط کر ڈھائی سو روپے نقد حوالے کئے۔ جہیز کے جوڑوں میں بھی ایسی ہی کتر بیونت کر کرا دو ہزار روپیہ کا ایک مکان نسیمہ کے نام خرید لیا گیا زیادہ

زیادہ پانسو روپے اوپر لگے ہوں گے۔ پانسو کا کھانا دانہ۔ ایک ہزار کا زیور۔ چار ہزار کی شادی ایسی ہوئی کہ ادہی کی کوڑیاں بھی بیکار نہ گئیں۔

وداع کا دن آیا تو پرمحلہ تک کی عورتیں گھر میں بھری تھیں اور کوئی ایسی نہ تھی جس کی آنکھ میں آنسو اور لب پر دعا نہ ہو۔ خوش نصیب بچی تھی نسیمہ۔ بیٹی بنی تو ایسی بنی کہ محلہ بھر کے دل میں گھر کیا اور بہو بننے کا وقت آیا تو پڑوسنوں تک کو خون کے آنسو رلوا گئی چاروں طرف سے یہی صدائیں آ رہی تھیں الہی دودوں نہلائے پوتوں پھلے ماں اور پھوپھی کی تو جو کچھ کیفیت تھی وہ تھی۔ ساٹھ ساٹھ پینسٹھ پینسٹھ برس کی بڑھیاں جنہوں نے اپنے ہاتھ سے بیٹیاں اور نواسیاں تک کی بیاہ دیں کلیجہ سے لگا ڈاریں مار مار کر رو رہی تھیں نسیمہ کی محبت نے کچھ ایسا گرویدہ کر لیا تھا کہ سنجیدہ کی بیٹی محلہ بھر کی بیٹی معلوم ہوتی تھی سمدھنوں کا اترنا تھا کہ نسیمہ کی طبیعت دفعتہً بگڑ گئی۔ بیٹھے بیٹھے یہ خیال آیا کہ جس گھر میں پلی اور بڑھی آج اس کا کولا کولا اور پاکھا پاکھا سب چھوٹے اور چودہ برس کا ساتھ ختم ہوا۔ عمر کا یہ حصہ بھلا یا برا جیسا گزرنا تھا گزر گیا افسوس یہ ہے کہ جو کام کا وقت تھا وہ پورا ہوا آگے چلکر تو دنیا کے دہندے ہیں اور میں ہوں۔ بزرگوں کی خدمت کے دن تو یہی تھے۔ اب بھلا میں اُن کی اطاعت کرنے کہاں سے آؤں گی اور تو اور پھوپھی اماں تک کو کئی دفعہ میں نے کیسے سخت جواب دئیے کہ وہ میرا منہ دیکھکر چپ ہو گئیں اب وہ کہاں اور میں کہاں وہ کیا ہمیشہ باتیں سننے کو میرے پاس بیٹھی ہیں۔ ایک پھوپی اماں ہی پر کیا خدا معلوم کس کس کی شان میں کیا کیا گستاخی کی اور کس کس کے ساتھ کیسا کیسا برتاؤ کیا ہے نسیمہ ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں تھی کہ باہر سے نکاح کی خبر آئی اور چاروں طرف سے مبارک سلامت کی دہوم دہام ہونے لگی سمدھنوں نے وداع کا تقاضا شروع کیا۔ آرسی مصحف کے واسطے دولہا اندر آیا تو سنجیدہ نے بیویوں کو قرینے سے بٹھا کر کہا " میں اپنی بچی کو رخصت کرنے سے پہلے کچھ کہنا چاہتی ہوں گو آپ سب کو تعجب ہو گا کہ میں انوکھی بات کر رہی ہوں اور مجھے جو کچھ کہنا تھا تنہائی

یں کہتی. تخلیہ میں کہتی مگر مجھے اس محفل میں بہت سی لڑکیاں ایسی نظر آرہی ہیں جنکو بہت جلد میکے سے رخصت ہونا ہے. اس لئے میری یہ تقریر ایک نتیجہ وہ کاج ہو جائیں گے."

"نسیمہ بیگم! آخر وہ دن آگیا جس کے وہشر کے میں میری ساری ساری رات آنکھوں میں کٹی ہے. کل کی بات ہے کہ تم میری گود میں تھیں اور آج خدا کا شکر ہے دلہن بنی بیٹھی ہو. چودہ برس کا زمانہ خواب خیال ہو گیا. اس وقت جو کچھ میری کیفیت ہے اور جس دل سے میں تمکو رخصت کر رہی ہوں بیٹی والیوں ہی کے دل جان سکتے ہیں اور جو حالت تمہاری اس وقت ہو گی وہ میں خوب سمجھتی ہوں. کیونکہ تمہاری ہی طرح ایک دن میں بھی دلہن بنی تھی ماں جیسی چاہنے والی بہن بھائی جیسے پیار کرنے والے. غرض سولہ برس کے رفیق و شفیق سب کو چھوڑ چھاڑ ایک ایسے محلہ میں آگئی جہاں آج کھڑی ہوں گو ابتدا میں دل ضرور گھبرایا مگر رفتہ رفتہ وہ الجھن اور گھبراہٹ سب جاتی رہی. جوں جوں دن بڑھتے گئے طبیعت لگتی گئی میکے کا زمانہ زندگی کا کوئی حصہ نہ تھا بلکہ کھیل کود کے دن تھے. غور سے دیکھو تو زندگی آج ہی شروع ہوئی اور میں اپنے ہاتھوں تمہارے کندھے پر ایک بڑی ذمہ داری کا بوجھ رکھتی ہوں اس گھر سے چھوٹ کر اب تم کو ایسا گھر آباد کرنا ہے جہاں حق ہمسایاں کا جایہ کوئی نہیں جو ہے وہ نیا اور اجنبی. مگر سچ پوچھو تو زندگی میں تم کو جو کچھ کرنا ہے اس کا پہلا کام یہی ہے اور اصل دنیا وہی. گو غیروں کے دل میں گھر کرنا مشکل ہو مگر تھوڑی بہت ہمت کروگی تو بیڑا پار ہے. میں بھگت چکی اور جانتی ہوں کہ رنگ برنگ کے لوگ طرح طرح کی بولیاں بولیں گے مگر ان کا رام کرنا کوئی بڑی بات نہیں تھوڑی سی تکلیف اٹھا کر عمر بھر راج کرنا سب سے پہلا مرحلہ ساس نندوں کا ہے. جنکو نادان لڑکیاں دوسرے ہی دن سے جان کا دشمن بنا لیتی ہیں. مگر مجھکو تمہاری دانشمندی اور دور اندیشی سے یقین ہے کہ تم اپنی ساس کی عزت مجھ سے زیادہ کروگی. جس قدر تم نے میری اطاعت کی ہے میرا منہ نہیں کہ اس کی تعریف کروں آج اتنی ہی اطاعت کی توقع پر میں تم کو سسرال بھیجتی ہوں. نسیمہ بیگم میں کہتی ہوں

اور سچ کہتی ہوں کہ اگر ساس کی اطاعت میں غفلت نہ کی تو سسرال میں بیٹھی حکومت کرو گی
ہاں چند نامرادیں تم کو ایسی بھی ملیں گی جو ادھر اُدھر کی باتیں لگا کر اور بات کے بتنگڑ بنا کر دلوں
میں فساد ڈلوانے کی کوشش کریں۔ ان سے البتہ ہوشیار رہنا۔ اس سے زیادہ بدنصیب لڑکی اور
کون ہوسکتی ہے جو شادی ہوتے ہی ساس سسر سے علیحدگی کی خواہشمند ہو۔ میری
رائے میں ساس کی زندگی بہو کے واسطے ایک سرپوش یا جھاڑو کا بندھن ہے اور مجھے پورا
یقین ہے کہ تم اس نعمت کو ہمیشہ وقعت کی نظر سے دیکھو گی۔ میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں
کہ ماں کے بعد جو شفقت مجھ پر میری ساس نے کی دنیا میں اور کسی نے نہ کی۔ چند روز کی مہمان کو
دکھ نہ دینا اور یاد رکھنا کہ ساس کی رضامندی سسرال کی پہلی منزل ہے۔ یہ مہم جیت
لی تو نندوں کا سر کر لینا بڑی بات نہیں۔

نسیمہ بیگم اب نیا گھر ہوگا اور تم ہوگی۔ نئی دنیا ہوگی اور تم ہوگی کوارپنے کا زمانہ
ختم ہوا۔ اور خدا کا شکر ہے یہ عزت و حرمت ختم ہوا۔ میں تو آج کیا کئی مہینے سے رو
رہی ہوں مگر تمہاری جدائی پر سارا محلہ آٹھ آٹھ آنسو رو رہا ہے۔ میری پیاری نسن یہ وقت
تیرے رہنے کا نہیں میرا دل دیکھ نسیمہ جیسی بیٹی جس کو کبھی دم بھر کے واسطے آنکھ سے
اوجھل نہ کیا۔ آج مجکو روتا چھوڑ اپنا گھر الگ بسا رہی ہے۔

نسیمہ بیگم۔ میں تمہارے پاس نہ سہی ساتھ نہ سہی تم کہیں سہی میں کہیں سہی مگر جب تک
جیتی ہوں میرا دل میرا خیال سب تم میں ہے۔ جانتی ہو یہ تکلیف یہ مصیبت میں نے کیوں
اپنے سر لی۔ میں تمکو ایک زبردست امتحان میں بھیجتی ہوں اور ایک اجنبی شخص کے ہاتھ میں
تمہارا ہاتھ اس امید پر دیتی ہوں کہ تم اپنی خدمت گزاری سلیقہ شعاری سے اسکو رضامند
رکھو گی یہ وہ شخص ہے جس کے اوپر تمہاری زندگی کا دارومدار ہے اور جس کے ساتھ عمر بسر کرنی ہے
تم اور وہ دونوں ملکر دنیا میں ایک آدمی سمجھے جاؤ گے کہنے کو دو مگر اصل میں ہر ایک رنج میں
دونوں شریک اور ہر خوشی میں دونوں ساتھی۔ تمہارے جہیز میں جوڑے اور زیور تو خیر جیسی میری حیثیت

تھی اس کے موافق دئے ہی ہیں مگر ایک بیش بہا رقم بھی ساتھ جا رہی ہے اور یہ وہ چیز ہی جس پر ہزاروں لاکھوں روپیہ اشرفیاں قربان۔ بتاؤ یہ کیا چیز ہی۔ یہ جوہر شرافت ہی۔ امیری فقیری تقدیر ہے مگر شریف ماں باپوں کی بیٹیاں ہر حال میں خاوندوں کے ساتھ خوش ہیں۔ فاقے کریں مگر ند لگائیں اور بڑوں کی عزت ہاتھ سے نہ دیں۔ سنا ہوگا الٹے بھنوں کی بیٹیاں جو رکھیں پنجوں کی لاج

آج بھی جوہر شرافت تمہارا بڑا جہیز ہے اور مجھکو یقین ہو کہ چاہے تکلیف سے جان پر بنجائے اور ناک میں دم آ جائے مگر اس جوہر کو ہاتھ سے نہ دوگی اور جبتک میں زندہ ہوں کبھی تمہاری شکایت میرے کان تک آئیگی نہ کسی کی زبان تک۔ میری پردیسن بچی مسافر بیٹی۔ جہاں بھتیجی میں تیری خدمت اچھی طرح نہ کر سکی۔ آہ نسیمہ اگر مجھ سے تربیت میں کوئی غفلت ہوئی یا کوئی تنبیہہ ناگوار گزری ہو تو معاف کیجیو۔ نسیمہ بیگم تمہارا رنج چند روز میں بہل جائیگا۔ مگر پھوپھی کے دل سے پوچھو جسکا بھرا گھر آج سونا ہو گیا"

اتنا کہکر سنجیدہ نے سمدہن کی طرف رُخ کیا اور کہنے لگی۔

"لو یہ چودہ برس کی امانت تمہارے سپرد ہی۔ صاحب اولاد ہو میرے دکھے ہوئے دل کی مدد کرنا خدا تم کو بہو لیانی نصیب کرے مگر میری بنگالے کی مینا راتوں میرے کلیجہ پر سوئی اور سینہ پر لوٹی ہے۔ میرے بڑھاپے کی لاج رکھنا اور اگر کوئی بات خلاف مزاج ہو تو معاف کر دینا۔ کیا کروں دنیا کا یہی دستور ہی۔ اسی دن کو میں نے بھی پال پوس کر بڑا کیا تھا کہ تمہارے ہاتھ میں ہاتھ دے اپنے ہاتھ جھاڑ خالی ہاتھ ہو بیٹھوں نسیمہ بیگم آؤ چودہ برس کی کھلائی خدمتگزار پھوپی اور بن ماں باپ کی نسیمہ کے کلیجہ سے لگو! اور بسم اللہ کہکر اپنے گھر سدھارو

الہ العالمین! یہ بن باپ کی بچی نسیمہ جس کو آج میں تیرے توکل پر رخصت کرتی ہوں تیرے سپرد ہی۔ ارحم الراحمین اس کٹھن منزل میں تو ہی نگہبان رہی۔ دنیا کی بہار اس کے واسطے موجود ہو اور یہ زندگی جس کی اس وقت صبح ہی۔ عزت آبرو کے ساتھ بسر ہو جائے۔

وداع کا سماں یوں ہی دردانگیز تھا۔ اس پر سنجیدہ کی تقریر۔ ہچکیاں بندھ گئیں۔ آرسی مصحف کے بعد سامان نکلکر باہر آیا۔ اور نسیمہ بیگم گم سم ماں کو خاموش پھوپھی کو بیقرار بہنوں کو روتا چھوڑ ظاہری اسباب کے ساتھ دعاؤں کا بھاری جہیز لیکر سسرال سدھاریں۔